توضیح البیان لخزائن العرفان

مکتبہ نعیمیہ : چوک دالگراں لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توضیح البیان الخزائن العرفان

اس کتاب میں سرفراز صاحب گکھڑوی کی تنقید متین کا مکمل اور راہ
سنت و باب جنت کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مبتدعین
دیوبند کی دوسری بے شمار کتابوں پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور تمام
دیوبندی بدعات کا قلع قمع کر کے مسلک اہل سنت کو واضح کر دیا گیا
ہے۔ شرک و بدعت کی تعریفوں میں مبتدعین دیوبند
کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے ان کے خانہ ساز قواعد پر ان گنت
اشکال قائم کئے گئے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز
کے ترجمہ اور صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر جو گکھڑ سے
گند اچھالا گیا تھا۔ اسے اسی طرح لوٹا دیا گیا ہے۔ نیز ترجمہ اور
تفسیر کے ان مقامات کے حجابات اٹھا دیئے گئے ہیں جنہیں
مبتدعین نے تعصب اور جہالت کی عینک سے دیکھا تھا۔

پتہ

مکتبہ نعیمیہ چوک دالگراں لاہور

کمال یہ ہے کہ محب محبوب کے جلووں میں اس طرح کھو جائے کہ محبوب کی ذات کے
سوا ہر چیز کو فراموش کر دے۔ حتیٰ کہ اسے اپنی ذات کا بھی احساس نہ رہے۔ اور
سارے عالم کو بلکہ خود اپنی ذات کو بھی بھول جائے۔ اور خود فراموشی اور وارفتگی
کے عالم میں سوا ذات محبوب کے اور کوئی شئے پیش نظر نہ ہو۔ اور نبی کریم
علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے کامل محبت تھی اور حسن الوہیت کے جمال میں
آپ ایسے محو تھے۔ کہ آپ کو اپنی ذات کا بھی احساس نہ تھا۔ جہاں کائنات کی
طرف کیا توجہ ہوتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہم بیکسوں پر کرم فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کو اپنی ذات اور ہماری طرف متوجہ کیا۔ تاکہ خلق کو ظلمت کے اندھیاروں
سے نکال کر نور کی تنویروں کے حوالے کریں۔ بے سہاروں کا سہارا بنیں۔ ضلالت
نشانوں کو ہدایت کا مینار بنا دیں۔ تحت الثریٰ میں گرنے والوں کو اُبھار کر
اوج ثریا تک پہنچا دیں۔

اعلیٰحضرت اور صدر الافاضل رحمہما اللہ کے ترجمہ و تفسیر کا یہ ایک نمونہ
آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ ورنہ مصحف کریم کی ہر سطر میں انہوں نے نعت
رسالت کے گلدستے سجا دیئے ہیں۔ رسول اللہ کا سچا شیدائی اور آپ کا صادق
امتی جب اس ترجمہ و تفسیر کو پڑھتا ہے۔ تو نعت رسالت کی نسیم سے دماغ
مہک اٹھتا ہے۔ پیمانۂ دل محبت رسالت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ روح جھوم
اٹھتی ہے۔ اور رگ رگ میں عشق رسول خون بن کر دوڑنے لگتا ہے۔ لیکن جو
لوگ سرتاپا ابن ابی کا نمونہ ہیں۔ جو علم اسلئے پڑھتے ہیں کہ انہیں حضور کی
بے علمی کا علم ہو جائے۔ جن کی تمام تبلیغی کاوشوں کا حاصل یہ ہے کہ حضور کو
فلاں فلاں چیز کا علم نہ تھا۔ حضور نور نہیں۔ حضور کسی کے کام نہیں آسکتے۔
جن کا ایمان یہ ہے کہ ابلیس لعین کیلئے روئے زمین کا علم نص قطعی سے ثابت ہے

لے دیکھئے براہین قاطعہ ص ۵۵ مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی [illegible] مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی [illegible]

مسئلہ۔ انبیاء علیہم السلام سب معصوم ہوتے ہیں۔ نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسکی صفات کے ہمیشہ سے عارف ہوتے ہیں۔"

اللہ اکبر! نبی علیہ السلام کے عرفان شریعت کا کیا عالم ہوگا۔ جب کہ انکے خدام کا یہ حال ہے کہ پیدا ہوتے ہی فرماتے ہیں۔

انی عبد اللہ اتانی الکتاب و جعلنی نبیا و جعلنی مبارکا این ما کنت واوصانی بالصلوٰۃ و الزکوٰۃ ما دمت حیا۔

میں اللہ کا بندہ ہوں جس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور میں جہاں بھی ہوں مجھے بابرکت بنایا اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاحیات وصیت فرمائی۔

غور فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو پیدائش کے وقت سے عارف شریعت ہوں۔ اور جن کے ایک ایک انداز میں لاکھوں عیسوی اطوار ہوں جو تمام انبیاء کے کمالات کے جامع ہیں۔ سید ولد آدم ہیں۔ فبھدٰھم اقتدہ کے مصداق اتم ہیں۔ اکرم الاولین والآخرین ہیں۔ وہ شریعت سے غافل اور بے خبر ہوں۔ ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے ضمن میں اعلیحضرت کے ترجمہ اور صدر الافاضل کی تفسیر کی کچھ وضاحت کریں۔ تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ اعلیحضرت اور صدر الافاضل کے ترجمہ و تفسیر کے اشتراک نے کتنا حسین معنی پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ اعلیحضرت نے کہا کہ۔

" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول اکرم ہم نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا" اور صدر الافاضل کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت میں

غیض و غضب میں آکر سب و شتم کو اپنایا۔ اور کہیں بے بسی سے عورتوں کی طرح کوسنا شروع کر دیا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے علمی تبحر اور اسلامی خدمات کے پیش نظر کوئی بھی منصف مزاج اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اپنے صبر و سکون کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ جس طریقہ سے اس کتاب میں حضرت صدر الافاضل پر تبرا کیا گیا ہے وہ ہر اسلامی ذہن کو جھنجھوڑنے کیلئے کافی ہے۔ اور راقم الحروف چونکہ صدر الافاضل کے مسلک سے وابستہ ہے۔ اور نعیمی سلسلہ سے مستفیض ہے۔ دار العلوم جامعہ النعیمیہ لاہور میں پڑھتا رہا اور اس کے بعد تیس سال سے یہیں تدریس کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ لہذا اس سلسلہ کے ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے میری بھی ذمہ داری تھی کہ میں اس کتاب کے رد پر قلم اٹھاؤں چنانچہ میں نے حضرت صدر الافاضل کی معنوی امداد سے اس کتاب کا جواب شروع کیا۔ اور انہیں کی روحانی اعانت سے یہ کتاب پایہ تکمیل تک پہنچی۔

تکمیل کے بعد میں نے چاہا کہ اس کتاب کو حضرت استاذ العرب و العجم سیدی و سندی استاذی المعظم مولانا الحاج عطا محمد صاحب متعنا اللہ تعالے بفیوضہم الی یوم القیامۃ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ اور آپ کو سُنا کر اس پر تائید و توثیق حاصل کی جائے چنانچہ میں اس کتاب کو لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری درخواست پر توجہ اور کامل غور و خوض کے ساتھ اس کو سُنا اور اپنے مشوروں سے اس کتاب کی افادیت میں بے پناہ اضافہ فرمایا۔

نقیب ملت مفتی پاکستان حضرت استاذی المکرم حضرت علامہ مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مدظلہ العالی جامعہ کے تعمیری امور درس افتاء اور ملی و جماعتی

اور حضور کیلئے اس علم کو ثابت کرنا شرک سے کم نہیں، جو علم رسالت کو بہتان کی شکل گردانتے ہیں۔ یہ ترجمہ وتفسیر نہ ان کی طبیعت کے موافق تھا نہ ان کے مزاج کے۔ چنانچہ وہ لوگ اس ترجمہ سے نعت رسول سے کل بھی برہم تھے۔ آج بھی برہم ہیں جوں جوں اس کی اشاعت ہوتی رہی ان کے خرمن ایمان پر بجلیاں گرتی رہیں بالآخر جب تاج کمپنی نے اس ترجمہ وتفسیر کو شاندار اور وسیع پیمانہ پر طبع کیا۔ تو معاندین رسالت کا پیمانہ صبر چھلک اُٹھا۔ چنانچہ پہلے تو معاندین نبوت نے تاج کمپنی کے عملہ میں شامل ہوکر ترجمہ وتفسیر میں تحریف کی۔ عبارتیں بدلیں مفہوم بدلے۔ بتوں کی جگہ مقربین الوہیت کے نام لکھ دیئے اور اسرائیلی اذہان کے جگہ جگہ مظاہرہ کئے۔ اس پر بھی تسکین نہ ہو سکی۔ تو سرفراز صاحب گکھڑوی نے تنقید متین کو تصنیف کیا جس میں اعلیٰحضرت اور صدر الافاضل پر جگہ جگہ اخلاق سوز پھبتیاں کیں اور خیانت اور تحریف کا ایک طویل جال بچھا دیا۔

مئی ۱۹۶۸ء میں پہلی مرتبہ میرے سامنے یہ کتاب آئی جس میں خاص طور پر صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی تفسیر خزائن العرفان کو ہدف طعن بنایا ہے۔ ان کی عبارات کے صاف اور صریح مطالب سے دیدہ دانستہ اعراض کرکے انہیں بدعت کا لباس پہنایا ہے پھر شدید افسوس اس امر پر ہے کہ قرآن کی آیات اور احادیث طیبہ سے جو مطلب اخذ کرکے اس تحریف پر بطور استدلال پیش کیا ہے۔ وہ خود تحریف بالائے تحریف ہے۔ خروج اور اعتزال کے مدفون مردوں کی احیار کی ایک مذموم کوشش ہے۔ تنقید کے تقریباً ہر صفحہ پر مغالطہ عامۃ الورود لہریں لے رہا ہے۔ پھر اس مغالطہ آفرینی پر جگہ جگہ تعلی اور مبازرت کا اظہار کیا گیا ہے وہ انداز ایسا ہی ہے۔ جو کسی شریف اور متین مصنف کو زیب نہیں دیتا۔ کہیں

سے ممتنع النظیر ہے۔ جیسا کہ علماء اہلسنت کا مسلک ہے۔ پوری تفصیل و تحقیق نور و بشر کے باب میں ملاحظہ فرمائیے۔ ہم نے اس قسم کی عبارتوں پر کہیں تنبیہ کی ہے اور کہیں طوالت کیوجہ سے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

ثالثاً جن عبارتوں کو مصنف تنقید نے محل نزاع میں استشہاداً پیش کیا ہے ان میں سرفراز صاحب کی غلط فہمی دور کر دی گئی ہے۔ اور ان عبارتوں کا صحیح محمل بیان کر دیا گیا ہے۔ ثالثاً۔ سرفراز صاحب کے مفروضات اور خانہ ساز قواعد پر اَنگنت اشکال قائم کئے گئے ہیں۔ رابعاً۔ اس کتاب میں تنقید متین کے مکمل اور بالاستیعاب رد کے علاوہ سرفراز صاحب کی راہ سنت اور باب جنت کی اہم بحثوں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ خامساً اہل دیوبند کے جغادری قسم کے علماء کی بعض تصانیف کی غلطیوں اور غلط کاریوں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ یعنی یہ صرف تنقید متین کا رد ہی نہیں ہے بلکہ معتقدین دیوبند کے چھوٹے بڑوں کی بہت سی کتابوں کی ایک جامع تردید ہے اس لئے اس کتاب کا جواب لکھنے والے کو یہ خیال رکھنا پڑے گا۔ کہ وہ ان تمام باتوں کا جواب دے گا جنہیں توضیح البیان میں پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ جن کتابوں پر اعتراضات کا جواب نہ دیا گیا، ہم سمجھیں گے کہ معتقدین دیوبند یا تو ان سے بیزار ہیں۔ یا ان کے جواب سے عاجز ہیں۔

سرفراز صاحب نے راہ سنت اور تنقید متین میں جواب کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ کہ کہیں مسئلہ ذکر کر کے اس کا رد کر دیا۔ لیکن اس کی دلیل کو نقل تک نہ کیا، حالانکہ وہ بھی وہاں مرقوم تھی اور کہیں مسئلہ کے ساتھ استشہادی حوالہ بھی ذکر کر دیا۔ لیکن کلام صرف مسئلہ پر کیا، حوالہ پر کوئی گفتگو نہیں کی۔ چنانچہ اس کی ایک نظیر ہم تصرف فی الکون کے باب میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ

سرگرمیوں میں بے حد مصروف رہتے ہیں اور ان سے کسی کام کیلئے وقت حاصل کرنا بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس کے باوجود میری خواہش تھی کہ اگر وہ اس کتاب کو سُن لیں تو اس کے استحکام کی پشت اور مضبوط ہو جائیگی بہرحال حضرت نے میری درخواست کو شرف قبول بخشا۔ اور مجھ سے اس کتاب کے سننے کا وعدہ فرمالیا۔ اور بے حساب اشغال کے باوجود حضرت نے اس کتاب کو مکمل طور پر سُنا اور اپنے گراں بہا مشوروں سے بھی مستفیض فرمایا۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

صاحب تنقید نے شواہد پیش کرتے وقت بعض ایسے حوالے اور عبارتیں پیش کی ہیں جن کا محل نزاع سے کوئی علاقہ نہیں ہے اور ان عبارتوں کو پیش کر کے مصنف نے مغالطہ آفرینی سے انہیں محل نزاع بنانے کی مذموم سعی کی ہے مثلاً پیر مہر علی شاہ صاحب کا ایک حوالہ پیش کیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور کو اس بات کا اختیار نہیں۔ کہ جو چاہیں کر ڈالیں۔ حالانکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے ہر چاہے ہوئے کو کر لینا قدرت ذاتیہ سے ہی متصور ہے۔ اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کسی وصف کو ذاتی اور مستقل نہیں مانتے۔ اس کی پوری بحث علم غیب اور تصرف فی الکون کے باب میں آرہی ہے۔ اسی طرح انہوں نے متعدد علماء کے حوالے اس باب میں پیش کئے ہیں کہ حضور علیہ السلام میں بشریت متحقق ہے۔ حالانکہ گفتگو اس میں نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بشریت متحقق ہے یا نہیں۔ بلکہ کلام اس میں ہے کہ کیا حضور ہم جیسے بشر ہیں۔ جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے سمجھا ہے اور اس بنیاد پر وہ آپ کی تنقیص میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے یا آپ کی بشریت کدورتوں اور کثافتوں سے منزہ اور اوصاف و کمالات کے لحاظ

کہ آپ کو بتائی گئی ہوں۔ مگر نبی آپ اس وقت بھی تھے۔ تو کیا معاذ اللہ جس وقت تک آپ کو غیب کی خبریں مرحمت نہیں ہوئیں۔ اس وقت تک کے لئے آپ نبی نہ تھے۔ خانصاحب کے اس ترجمہ سے تو معاذ اللہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے؟

سرفراز صاحب کا یہ تمام اَکرابی جال اور الفاظ کی اُلٹ پھیر محض اس لئے ہے کہ اعلیحضرت نے نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے اور چونکہ دیوبند کے اس دشمن رسول کو نبی علیہ السلام کا غیب جاننا کسی طور پر تسلیم نہیں۔ اسلئے انہوں نے اس نفیس ترجمہ پر کئی وجوہ سے حملہ کر کے اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔ اور ہم ابھی بعون اللہ العزیز ناظرین پر واضح کئے دیتے ہیں۔ کہ ان کے یہ تمام حملے خود ان کی ذات کو گھائل کر رہے ہیں۔ کیونکہ عزت و ناموس رسالت پر دھبہ لگانے کا جو شخص ارادہ کرتا ہے۔ ابدی روسیاہیاں اس کی تقدیر مبرم بن جاتی ہیں پس گذارش ہے کہ اعلحضرت نے لفظ نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے۔ اور بتانا فرع ہے۔ جاننے کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ نبی کے معنی میں غیب جاننے کا مفہوم داخل ہے یا نہیں پس اولاً ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ قاضی عیاض نبی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

والمعنی ان اللہ تعالٰی اطلعہ علی غیبہ واعلمہ انہ نبیہ فیکون نبی منبأٌ فعیل بمعنی مفعول او یکون مخبرا عما بعثہ اللہ تعالٰی بہ ومنبأٌ بما اطلعہ علیہ فعیل	نبی اسے کہتے ہیں جسے اللہ تعالٰے غیب پر مطلع کر دے اور اسے یہ بتلا دے کہ وہ نبی ہے اور وہ اس وقت نبی فعیل بمعنے مفعول کے ہوگا یا نبی کا معنی ہے جو ان (امور غیبیہ) کی خبر دے جنہیں

تحقیق و دیانت کی دُنیا میں انتہائی مذموم اور انسانیت سے گرا ہُوا طریقہ ہے۔ ہم نے اس کتاب میں سرفراز صاحب کی دلیل اور ان کے پیش کردہ حوالوں کو کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً پوری دیانت سے پیش کیا ہے۔ اور تمام ابحاث میں سرفراز صاحب کے مغالطوں کا ازالہ کر کے ان کے پیش کردہ حوالوں کا صحیح مقام بتلا دیا ہے۔ اسلئے اس کتاب کا جواب دینے والے کو اس بات کا بھی بوجھ اُٹھانا پڑیگا۔ کہ وہ ہمارے پیش کردہ تمام حوالوں پر بحث کرے۔ اور مبتدعین دیوبند کی جن عبارتوں سے استشہاد کیا گیا ہے ان کا جواب دے اور مخترعات دیوبند پر ہم نے جس قدر اشکالات قائم کئے ہیں ان کے جوابات کے ذمہ سے عہدہ برآ ہو۔

سرفراز صاحب تنقید متین کے پیش لفظ میں ص۲۳ پر لکھتے ہیں۔

"یا ایہا النبی کے یہ معنی ہیں اے غیب بتانے والے نبی۔ خانصاحب یہ معنی کر کے یہ باور کرانے کے درپے ہیں۔ کہ نبی کہتے ہی اسے ہیں جو غیب بتلائے۔ اور بتانا فرع ہے جاننے کی۔ تو مطلب یہ ہُوا کہ نبی غیب جانتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ نبی اللہ تعالٰے سے وحی پا کر احکام خداوندی بتاتے ہیں۔ اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں۔ لیکن جس مطلق اور کلی غیب کے اثبات کے درپے خانصاحب ہیں۔ اس کا علم اور اس کا بتانا کسی طرح نبی کے معنی۔ مفہوم اور ان کے منصب میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں نبوت عطا ہوئی تھی اور سورۃ قلم کی ابتدائی پانچ آیتیں ہی اس وقت آپ پر نازل ہوئیں تھیں۔ کلی غیب کا تو قصہ ہی جانے دیجئے۔ غیب کی کچھ خبریں بھی جو ماسبق یا آئندہ کے متعلق ہوں۔ اس موقع پر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں

ارشاد ہوگا۔

رابعًا زیر نظر عبارت میں آپ نے لکھا ہے کہ

" یہ ٹھیک ہے کہ نبی اللہ تعالٰی سے وحی پاکر احکام خداوندی بتاتے ہیں اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں " دیکھئے اس عبارت میں آپ نے نبی علیہ السلام کیلئے عطائی علم غیب مان لیا۔ حالانکہ تنقید متین ص ۱۹۳ پر آپ لکھتے ہیں۔

" خانصاحب کا یہ بے بنیاد دعوٰی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا "

اور " دل کا سرور " کے سرورق کی پشت پر اپنی ایک کتاب کے اشتہار میں آپ نے لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ذاتی اور عطائی ہر طرح علم غیب ماننا شرک ہے۔ اب بتلائیے۔ آپ کے کلام اور ایک مجنون کی بڑ میں کیا فرق رہ گیا۔ آپ جس شئے کو ایک جگہ بے بنیاد اور شرک قرار دیتے ہیں۔ دوسری جگہ اسی کا اقرار واعتراف کرتے ہیں۔

خامسًا۔ اس عبارت کے ضمن میں آپنے تحریر کیا ہے۔

" لیکن جس مطلق اور کلی غیب کے اثبات کے درپے خانصاحب ہیں اس کا علم اور بتانا کسی طرح نبی کے معنے ومفہوم اور ان کے منصب میں داخل نہیں ہے "

اعلحضرت کے جس ترجمہ پر آپ تبصرہ کر رہے ہیں۔ اس میں اعلحضرت نے فرمایا ہے۔ یا ایھا النبی۔ " اے غیب بتانے والے نبی " بتلائیے سرفراز صاحب اعلحضرت نے یہاں کونسا لفظ ذکر کیا ہے جس کا مطلب آپ نے کلی غیب لیا ہے۔ جب اعلحضرت نے کلی غیب کا ذکر نہیں کیا۔ تو پھر کلی غیب پر غیض و غضب اور اعلحضرت کے صاف اور صحیح ترجمہ پر آپ کی اس تمام آئین بائیں

بمعنے فاعل (شفاج ۱ ص ۱۶۰) اللہ تعالیٰ نے اسے دے کر بھیجا ہے اور اس وقت فعیل بمعنے فاعل ہوگا۔

قاضی عیاض کے کلام سے ثابت ہوا کہ نبی کا معنی غیب جاننا بھی ہے اور غیب بتلانا بھی۔ اگر بمعنی مفعول ہو تو غیب جاننا معنی ہے۔ اور اگر بمعنی فاعل ہو تو غیب بتلانا اس کا معنی ہے۔ اور یہی قاضی عیاض شفا ج ۱ ص ۱۶۱ پر لکھتے ہیں۔

النبوۃ التی ھی الاطلاع علی الغیب نبوت غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔

ثانیا علامہ شیخ قاسم — متوفی ۸۷۹ھ شرح مسائرہ میں نبی کے معنے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فعیل بمعنی مفعول لان اللہ تعالٰی نباہ بوجیہ اسرار غیبہ (شرح مسائرہ مع المسامرہ ص ۲۱۷) لفظ نبی فعیل بمعنی مفعول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی سے اسرار غیبیہ کی خبریں دی ہیں۔

ثالثاً دس علمائے دیوبند نے مل کر لغات المنجد کا ترجمہ کیا اور اسے ترتیب دی اور اس المنجد میں نبی اور نبوت کا معنی بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

"النبوۃ والنبوۃ۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام پاکر غیب کی بات بتانا۔
النبیء والنبیّ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بناء پر غیب کی باتیں بتانے والا (لغات المنجد عربی اُردو ص ۱۳۴۴)۔

سرفراز صاحب۔ ملاحظہ کیا آپ نے۔ یہ آپ کے دیوبند کی فل بنچ کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ نبی غیب بتانے والے کو کہتے ہیں۔ اعلٰحضرت نے نبی کا یہ معنے کیا۔ تو آپ سیخ پا ہو گئے۔ بلکہ شامی کباب کی طرح جل بھن کر لگے ہذیان کرنے۔ اب اپنے ان جغادری مولویوں کے بارے میں کیا

ہر نبی علیہ السلام کے لئے دلائل قاہرہ سے ثابت ہے۔ لیکن اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ نبی کے مفہوم میں کلی غیب کا جاننا داخل ہے۔ اس کی پوری بحث اس کتاب کے باب علم غیب میں آرہی ہے۔

تاسعًا۔ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے کہا ہے کہ حضور کیلئے مطلق غیب نہ ثابت ہے نہ منصب نبوت کے لائق ہے۔ کاش آپ نے شرح تہذیب ہی کسی بریلی کے طالب علم سے پڑھی ہوتی۔ تو وہ آپ کو بتا دیتا کہ مطلق الشئی یتحقق بتحقق فرد ما۔ سرفراز صاحب مطلق غیب تو غیب کے ایک فرد کے ثبوت سے بھی ثابت ہو جائے گا۔ یا دیوبند کے عشاق رسول کے نزدیک رسول اللہ کیلئے علم غیب کا ایک فرد بھی ثابت نہیں۔

عاشرًا۔ چند سطریں پہلے آپ نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ نبی غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ مطلق غیب نبی کیلئے ثابت نہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں۔ کہ مطلق غیب بعض امور غیبیہ کے منافی ہے اگر آپ کو مطلق غیب اور بعض امور غیبیہ کے مطلب کی سمجھ نہیں تو کسی سے سمجھ کر تصنیف شروع کی ہوتی اگر سمجھ تھی تو پھر کیا نشہ میں ڈوب کر لکھ رہے تھے۔ جو چند سطروں میں بھی اپنی عبارت کا توازن قائم نہ رکھ سکے۔

حادی عشر۔ اس بحث کے اخیر میں سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں نبوت عطا ہوئی تھی۔ اور سورۃ قلم کی پانچ ابتدائی آیتیں ہی اس وقت آپ پر نازل ہوئیں تھیں۔ کلی غیب کا تو قصہ ہی جانے دیجئے۔ غیب کی کچھ خبریں بھی جو ماسبق یا آئندہ کے متعلق ہوں۔ اس موقع پر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں۔ کہ آپ کو بتائی گئی ہوں۔ مگر نبی آپ اس وقت بھی تھے۔ تو کیا

کا کیا جواز رہ گیا۔ سرفراز صاحب آپ اپنے فرقہ میں عالم دین سمجھے جاتے ہیں۔ اس طرح سفید جھوٹ نہ بولا کیجئے۔ یہ علماء کا شیوہ نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں غیب کے ساتھ کلی کا پیوند لگا کر آپ نے جس امر شبلی ذہن کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ ایک شرمناک حرکت ہے اور سنجیدہ اور متین علما کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔ سادساً اگر مطلب یہ ہے کہ اعلیٰحضرت نے یہاں غیب کلی کا اگرچہ ذکر نہیں کیا لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی اس کو کہتے ہیں۔ جو کلی غیب جانتا ہو۔ اسلئے یہ عبارت بھی اسی پر محمول ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ عقیدہ تو امور غیبیہ سے ہے۔ جب آپ کے نزدیک رسول اللہ سے علم غیب منتفی ہے۔ تو آپ پر یہ غیب کیسے منکشف ہو گیا۔

سابعاً اگر مطلب یہ ہے کہ اعلیٰحضرت کی تحریر سے یہ عقیدہ ثابت ہے۔ تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ اعلیٰحضرت کی وہ نص پیش کیجئے جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی وہ ہوتا ہے جو کلی غیب کو جانے۔ میں آپ کو تمام مجتہدین دیوبند سمیت چیلنج کرتا ہوں کہ اعلیٰحضرت کی کسی عبارت سے یہ عقیدہ ثابت کریں۔ اور اگر نہ ثابت کر سکے اور انشاء اللہ قیامت تک ثابت نہ کر سکیں گے تو اپنے اس جھوٹ اور افتراء سے رجوع کر لیں۔

ثامناً ہم یہ پوچھتے ہیں کہ غیب کلی سے کیا مراد ہے۔ جمیع معلومات الٰہیہ یا جمیع ما کان و ما یکون بر تقدیر اول یہ اعلیٰحضرت پر قطعاً افتراء ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جمیع معلومات الٰہیہ ثابت کریں اعلیٰ حضرت نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور کے علم کو اللہ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے۔ دیکھئے الملفوظ ص۳ ج ۱۔ اگر جمیع ما کان و ما یکون مراد ہے۔ تو اس کا حصول تدریجی طور

اور جمیع ذریت دیوبند پر بھاری عذاب ہے۔ خازن ص ۳۹۳ ج ۴۔ ثانی عشر اس بحث میں سرفراز صاحب نے لکھا ہے کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماضی اور مستقبل سے متعلق غیب کی خبریں نہیں دیں۔ سوال یہ ہے کہ اس تقیید کی کیا ضرورت ہے۔ اگر اعلحضرت نے اس طرح فرمایا ہوتا کہ نبی وہ ہوتا ہے جو آئندہ یا گذرے ہوئے زمانے کی خبریں دے تب تو اس تقیید کا کوئی منشا ہوتا۔ لیکن اعلحضرت نے تو فرمایا ہے کہ نبی غیب بتانے والے کو کہتے ہیں پس اعلحضرت نے نبوت کے مفہوم میں مطلق غیب جاننے کا ذکر کیا ہے۔ لہذا اس کا رد جب ہوگا۔ جب آپ یہ ثابت کردیں کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور کو مطلقاً غیب کا علم نہ تھا۔ اور ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں کہ حضور کیلئے اس موقع پر غیب کا علم ثابت تھا بلکہ ماضی اور مستقبل کا غیب بھی حاصل تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ماضی مستقبل اور حال تینوں زمانوں کو شامل ہیں۔ وللہ الحمد علی ذالک۔

یاایھا النبی کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائگی اور عناد نبوت سے جو اعتراض کیا تھا۔ بحمداللہ العزیز بارہ وجوہ سے ہم نے اس کا حساب بے باق کر دیا۔ اس کے علاوہ مصنف تنقید نے پیش لفظ میں اور بھی کچھ اعتراضات پیش کئے ہیں۔ لیکن ان کا ذکر چونکہ خود اصل کتاب میں آگیا ہے اسلئے ہم نے یہاں ان سے تعرض نہیں کیا۔ لہذا ان کے جوابات کے لئے ناظرین توضیح البیان کے متعلقہ ابواب کا مطالعہ کریں۔ وہاں تفصیل سے سرفراز صاحب کے تار عنکبوت کے ایک ایک تار کو توڑ دیا گیا ہے۔

اخیر میں ہم خدائے لم یزل کا شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ جس نے ہمیں اپنے دین متین کی اس خدمت کے لئے چن لیا۔ اے بار الہٰ ہمارا رواں رواں

معاذ اللہ جس وقت تک آپ کو غیب کی خبریں نہیں ہوئی تھیں۔ اس وقت تک کے لئے آپ نبی نہ تھے۔ خانصاحب کے ترجمہ سے تو معاذ اللہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اعلحضرت نے نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے جو فرع ہے غیب جاننے کی۔ اور ابتدائی دَور میں جب آپ پر سورۂ قلم کی صرف پانچ آئتیں نازل ہوئیں تھیں۔ اس وقت تک آپ کو کسی غیب کا علم نہ تھا پس لازم آیا کہ آپ معاذ اللہ نبی بھی نہ ہوں کیونکہ نبی غیب جاننے والے کو کہتے ہیں۔

سرفراز صاحب کا یہ اعتراض انتہائی خام اور طفلانہ ذہنیت کا حامل ہے۔ سنئے سرفراز صاحب۔ اس وقت بھی نبی علیہ السلام کو بے شمار علوم غیبیہ کا علم تھا۔ ازاں جملہ یہ ہے۔

(۱) وحی قرآن کو جبرئیل لے کر آئے اور حضور کو جبرئیل کا علم ہوا اور جبرئیل علیہ السلام عالم غیب سے ہیں۔ (۲) حضور کو وحی الہی کا علم ہوا۔ اور وحی عالم غیب سے ہے (۳) حضور کو ذاتِ حق کا علم ہوا۔ اور ذاتِ حق غیب الغیوب ہے (۴) اقرأ باسم ربلک سے اللہ تعالٰے کی ربوبیت کا علم ہوا اور صفت ربوبیت عالم غیب سے ہے (۵) الذی خلق سے صفت خالقیت کا علم ہوا۔ اور یہ عالم الغیب سے ہے (۶) علم الانسان مالم یعلم میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بتلایا کہ حضرت آدمؑ کو جمیع اسماء کا علم عطاء فرمایا اور اس کا غیب ہونا واضح ہے۔ دیکھئے تفسیر خازن ص ۳۹۳ ج ۴۔

اور اس کے تحت یہ بھی مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ الانسان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ یعنی پہلی وحی کے موقع پر ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ بتلا دیا جس کو آپ نہ جانتے تھے۔ اور یہ سرفراز صاحب

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
استعانت	۱
اختصاص استعانت کا ازالہ	۱
دیوبند کی شہادت	۳
مافوق الاسباب امور میں کمال اللہ سے استعانت	۴
خلق اور کسب	۷
سرفراز صاحب کی بحث شرک میں پہلی غلطی	۹
مافوق الاسباب امور میں استعانت کا قرآن سے ثبوت	۹
شامی کی عبارت سے مافوق الاسباب امور میں استعانت کا جواز	۱۳
سرفراز صاحب کی شرک کی بحث میں دوسری غلطی	۱۶
صاحب مالابد منہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی	۲۳
دیوبندی جماعت معتزلہ اور خوارج کی فرع ہے	۲۵
حیات انبیاء دنیاوی اور جسمانی ہے	۲۷

عنوان	صفحہ
حیات اولیاء	۲۸
استمداد کا ثبوت احادیث سے	۲۹
استمداد کا ثبوت اعلام امت سے	۳۵
استمداد کا انکار بدعت ہے	۴۳
دیوبند کے مسلم اکابر سے استعانت کا ثبوت	۴۴
سرفراز صاحب کا وجوہ فاسدہ سے استدلال اور اس کے جوابات	۴۹
قرآن فی الذکر وجوہ فاسدہ سے	۵۲
مظہر افعال و صفات	۵۳
صدر الافاضل اور شاہ عبدالعزیز دونوں نے استعانت کی ایک جیسی تفسیر کی	۵۶
استعانت کی بحث میں حرف آخر	۵۹
ضاد کا مخرج	۶۲
مجلس حوالے کا جواب	۶۲
منیۃ المصلی کی عبارت نقل کرنے میں سرفراز صاحب کی خیانت	۶۳
عبارات فقہا کی توضیح	۶۵
دیوبند کے ابی حق کی قرآن میں لفظی تحریف	۶۸

گناہوں سے جکڑا ہوا ہے۔ ہمارے شب و روز پر مسلسل معصیت کی دھند چھائی رہتی ہے۔ ہماری اہلیت کسی انعام کی مقتضی نہ تھی، لیکن تو نے اپنے بے پایاں فضل سے ہمیں حظ وافر عطا کیا۔ کہ ناموس الوہیت کی طرف بڑھنے والے ہاتھوں اور بارگاہ نبوت کی گستاخ زبانوں کو قلم کرنے کے لئے ہمیں منتخب فرما لیا۔ ہمیں حضرت حسان کے غلاموں کی صف میں جگہ اور دفاع توحید اور مدحت رسالت میں ہمیں گویا کر دیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

ابوالوفا غلام رسول سعیدی غفرلہ

مدرس الجامعۃ النعیمیہ

لاہور

عنوان	صفحہ
قد جاءکم من اللہ نور میں حضور کی نورانیت کی نفی کرنیوالے کون تھے۔	۱۵۵
اولیت انسانی کا جواب	۱۶۰
نورانیت محمدی کی تابناک شعاعیں	۱۶۰
نفی ظل	۱۶۳
کیا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے	۱۸۲
اثبات ظل کے دلائل اور ان کے جوابات	۱۸۳
بادل کا سایہ ممکن ہونا	۱۸۷
حاضر ناظر	۱۸۹
اعلیٰحضرت کی جلالت علمی	۱۸۹
صدر الافاضل کی تفسیر اور اس پر حاشیہ	۱۹۱
علم رسالت پر طعن طریقۂ نقشبندیہ	۱۹۵
حاضر ناظر کا ثبوت	۱۹۸
حیات	۱۹۸
لوازم حیات	۲۰۰
آن واحد میں امکنہ متعددہ پر حاضر ہونے کا امکان	۲۰۳
نذر و نیاز	۲۰۶
سرفراز صاحب کا پہلا شبہ	۲۰۷
ذبیحہ حرام ہونے کی صورتیں	۲۰۸
شاہ عبدالعزیز اور نیاز کے جانور	۲۰۹
تنقیحات	۲۱۸
وقت ذبح کی قید	۲۲۰
سرفراز صاحب کا دوسرا شبہ	۲۲۲
لغیر اللہ اور بغیر اللہ کا فرق اور سرفراز صاحب کا تیسرا شبہ	۲۲۳
سرفراز صاحب کا چوتھا شبہ	۲۲۴
سرفراز صاحب کا پانچواں شبہ	۲۲۷
سرفراز صاحب کا چھٹا شبہ	۲۳۱
عید میلاد النبی	۲۳۲
دینی اور دنیاوی امر کا فرق	۲۳۵
بدعت کیا ہے	۲۳۶
جشن میلاد	۲۳۷
سرفراز صاحب کے حکیم الامت کی جواز میلاد پر شہادت	۲۴۱
ابن عباس کی حدیث اور عید میلاد	۲۴۲
یوم میلاد کے عید ہونے کی شہادت	۲۴۳
سرفراز صاحب کے شبہات	۲۴۵
تفویض احکام	۲۴۹
مقام نبوت	۲۵۰
نبی علیہ السلام کے اختیارات	۲۵۱
تفویض کا ثبوت	۲۵۳

عنوان	صفحہ
عموم بلوی کا جواب	۶۸
ضاد کو عمداً ظا پڑھنا کفر ہے	۷۱
حرف ضاد کی تخصیص کا جواب	۷۲
امامت کی تخصیص کا جواب	۷۳
مروجہ ایصال ثواب	۷۵
تقریب انیز اثر کی بحث	۷۵
مولوی اشرف علی تھانوی کی گپ	۸۳
مولوی محمود الحسن کی گپ	۸۶
گیارھویں حرام ہونے کے دلائل کا تجزیہ	۸۷
مسئلہ ایصال ثواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں	۹۳
ایصال ثواب میں تعیین کی توضیح	۹۷
گیارھویں کو حرام کہنا بدعت ہے	۹۸
تعیین عرفی	۹۹
تعیین عرفی کی ترجیح	۱۰۰
شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعیین یوم پر تصریح	۱۰۳
بہشت کا منتظم کون ہے	۱۰۸
ضابطہ سنت بیان کرنے میں مولوی صاحب کی فحش غلطی	۱۱۱

عنوان	صفحہ
شاطبی کی عبارت کی وضاحت	۱۱۲
کیا غنیۃ الطالبین شیخ گیلانی کی تصنیف ہے	۱۱۳
طعام پر فاتحہ پڑھنا	۱۱۴
عہد رسالت میں ایصال ثواب	۱۲۱
بدعت سیئہ کا سرفرازی ضابطہ اساس میں انکی شدید ٹھوکر	۱۲۳
بدعت حسنہ کا استنباط	۱۲۷
نور و بشر	۱۲۹
مسئلہ بشریت	۱۳۰
بشریت محضہ اور بشریت بحیثیت نبوت میں فرق	۱۳۶
نبی علیہ السلام کی نورانیت	۱۳۱
حضور کی نورانیت پر سرفراز صاحب کے اعتراض کا جواب	۱۴۵
حضور کی نورانیت پر سرفراز صاحب کا ایک اور اعتراض اور اسکا جواب	۱۴۶
حضور کی نورانیت اکابر دیوبند کی نظر میں	۱۵۱
حضور کی نورانیت پر قرآن سے مزید دلائل	۱۵۲

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
صدر الافاضل کا دوسرا جواب اور اسکی توضیح	۳۵۱	**اباحت اصلیہ**	۳۸۹
تیسرے جواب کی توضیح	۳۵۲	اباحت اصلیہ اور مفسرین	۳۹۰
سرفراز صاحب کی تنقید	۳۵۲	در مختار اور تفسیر احمدی کے حوالوں کے جواب	۳۹۲
علم کلی	۳۵۳	ورود شرع سے قبل کی تحقیق	۳۹۷
علم الٰہی اور علم رسول میں فرق	۳۶۲	ورود شرع کے بعد اباحت پر دلائل	۴۰۰
سرفراز صاحب کے شبہات	۳۶۴	سرفراز صاحب کی خیانت	۴۰۹
انبیاء سابقین کے متعلق حضور کا علم	۳۶۵	اباحت اصلیہ پر عقلی ڈھکوسلے اور ان کے جوابات	۴۱۱
تواضع کی تحقیق	۳۶۶	مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت کا جواب	۴۱۳
منافقین کے متعلق حضور کا علم	۳۶۳	**تصرف فی الکون**	۴۱۶
صدر الافاضل کے جواب کی توضیح	۳۷۳	سرفراز صاحب اپنے ضابطہ کی نظر میں	۴۱۷
دوسرے جواب کی توضیح	۳۷۵	قدرت ذاتیہ کی نفی پر دلیل	۴۱۹
نسخ کا افتراء اور اس کا جواب	۳۷۶	سرفراز صاحب کے شبہات	۴۲۲
اخراج منافقین کی حدیث پر جرح اور اس کا جواب	۳۸۳	اسناد مجازی	۴۲۵
		حرف آخر	۴۳۰

عنوان	صفحہ
سرفراز صاحب کی جسارت	۲۵۵
اعلیٰ حضرت پر سرفراز صاحب کا شبہ	۲۵۸
علمائے امت اور تفویض بعض احکام	۲۵۹
افسوسناک خیانت	۲۶۳
امتناع کذب	۲۶۸
امکان کذب میں مکذبین کی عبارتوں کا افتراء	۲۶۸
امتناع کذب جمہور معتزلہ اور اہلسنت کا متفق مسئلہ ہے	۲۷۰
امام رازی اور امتناع کذب	۲۷۲
امتناع کذب پر دلائل	۲۷۳
محال عقلی یا محال عادی	۲۷۷
علوم قدسیہ کے دیباچہ کو دھوکہ	۲۷۹
خلف وعید میں اہل دیوبند کا مغالطہ	۲۸۱
مکذبین باری سے پہلی گذارش	۲۸۳
خلف وعید پر محققین کا رد	۲۸۴
مکذبین سے دوسری گذارش	۲۸۶
کیا اشاعرہ امکان کذب کے قائل ہیں	۲۸۷
مکذبین سے تیسری گذارش	۲۹۲
مکذبین سے چوتھی گذارش	۲۹۵
سرفراز صاحب کا پہلا مغالطہ	۲۹۶
سرفراز صاحب کا دوسرا مغالطہ	۲۹۸

عنوان	صفحہ
سرفراز صاحب کا تیسرا مغالطہ	۳۰۱
سرفراز صاحب کا چوتھا مغالطہ	۳۰۵
سرفراز صاحب کا پانچواں چھٹا مغالطہ	۳۰۸
سرفراز صاحب کا ساتواں آٹھواں نواں مغالطہ	
سرفراز صاحب کا دسواں مغالطہ	۳۱۱
حسن و قبح اور محل نزاع	۳۱۳
شرح مواقف کی عبارت	۳۱۵
فتوح العقائد اور شیخ سرہندی	۳۲۲
سرفراز صاحب کا گیارہواں شبہ	۳۲۳
بارہواں اور تیرہواں مغالطہ	۳۲۴
محمود الحسن صاحب کے کلام پر تنقید	۳۲۴
علم غیب	۳۲۶
ثبوت علم غیب پر شواہد	۳۲۸
نفی علم غیب ذاتی پر محمول ہے	۳۳۲
علم عطائی کی نفی پر مفاسد	۳۳۳
تھانوی صاحب کی جہالت	۳۳۶
سرفراز کی ایک اور الجھن	۳۳۸
علم شعر کی تحقیق	۳۴۱
شعر کے علم کی مطلقاً نفی پر دس اشکال	۳۴۲

طبع .... اوّل

تعداد .... ایک ہزار

سن طباعت ۱۳۸۹ھ
۱۹۶۹ء

مطبع .... دین محمدی پریس لاہور

قیمت .... ۲ روپے
قسم اول [illegible]
قسم دوم پانچ روپے

طابع و ناشر .... مکتبہ نعیمیہ

ملنے کا پتہ

(۱) جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو ۔ مکتبہ نعیمیہ چوک دالگراں لاہور

(۲) مکتبہ رضویہ نزد جلال ہسپتال اردو بازار لاہور

(۳) جامع مسجد الفاروق درس روڈ یونس پورہ لاہور۔

(۴) مکتبہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ

(۵) جامع صدیقیہ گکھڑ منڈی گوجرانوالہ

الاہداء

میں اس ناچیز تصنیف کو مجدد ملت محسن اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز اور حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ عظمت پناہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ جن کی روحانی امداد و اعانت سے مجھ جیسے ہیچ مداں کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین کی توفیق حاصل ہوئی۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

ابو الوفا غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
مدرس دار العلوم جامعہ نعیمیہ و خطیب یونس پارک
لاہور

استاذ العرب والعجم مولانا الحاج عطا محمد صاحب چشتی دامت برکاتہم کے فرمودات و تاثرات

الحمد للہ الرحمٰن الذی خلق الانسان الکامل حبیبہ و علمہ مایکون و ماکان والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علیٰ سید نبی عدنان الماحی آثار الکفر والطغیان ۔ الامی العالم بالبطون و الظھور الکاشف لظلمات الظلم والشرور ۔

امابعد ۔ یہ امر شمس و امس سے بھی روشن تر ہے کہ ایمان کامل اور اسلام مکمل کی دو جزو ہیں ۔ عقائد جن کا تعلق دل سے ہے ۔ اور اعمال جن کا صدور جوارح اور اعضاء سے ہوتا ہے ۔ لیکن جزو اعلیٰ اور اصل عقیدہ ہے ۔ اور اعمال فروع کا درجہ رکھتے ہیں ۔ عقیدہ صحیحہ سے دل کی طہارت ہوتی ہے ۔ اسلئے بغیر درستی عقیدہ کے کوئی عمل مقبول نہیں ہے ۔ اور اختلاف مذاہب کی مدار اختلاف عقائد پر ہے ۔ نہ کہ اختلاف عمل پر ۔ اسی لئے مذاہب اربعہ باوجود اختلاف اعمال کے وحدۃ عقیدہ کی وجہ سے اہل السنت والجماعت کہلاتے ہیں ۔ اور توہب تشیع اعتزال و خروج اختلاف عقائد کی مختلف تعبیرات ہیں ۔ اہل السنت والجماعت نے درستی اعمال کی اہمیت کو ملحوظ رکھنے کے باوجود صحت عقائد پر بڑا زور دیا ہے ۔ اور عقائد میں توحید اور رسالت کا عقیدہ اہل سنت کے نزدیک بہت اہم ہے ۔ اس تمہید میں میں یہ واضح کرنے کی کوشش کرونگا ۔ کہ اہل سنت کے نزدیک توحید و رسالت کا مفہوم کیا ہے ۔ اور اہل بدعت و بطالت کو اس عقیدہ میں کیا کیا ٹھوکریں لگی ہیں ۔

ملتِ اسلامیہ سمحۃ بیضا کی اساس اور بنیاد توحید و رسالت کے عقیدہ پر ہے۔ اور ان ہر دو امر کی صحت ہی صحت ایمان ہے۔ اہل السنت والجماعت کا عقیدہ توحید جس پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے۔ یہ ہے کہ عالم جو کہ جمیع موجودات ماسوا اللہ سے عبارت ہے۔ یہ سب موجودات توحید باری پر دلائل ہیں۔ اور ان دلائل کے علم سے توحید خداوندی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ دلائل کا علم ہوگا۔ اتنا ہی توحید کا علم بھی کامل ہوگا۔ اور کم دلائل کا علم نقصان توحید کو مستلزم ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

وکذالك نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض ولیکون من الموقنین۔ علامہ علی قاری نے اس آیت مبارکہ کا جو معنی بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولٰے تعالےٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ جیسا کہ آپ کو زمین و آسمان کے عجائب دکھائے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ابراھیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان و زمین کے علوم دیئے تھے۔ تاکہ وہ اپنے مولٰے تعالےٰ پر استدلال قائم کریں تو ان امور سے واضح ہو گیا کہ زمین و آسمان وَمَا بَینَھُمَا اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی توحید کے دلائل ہیں۔ اور ان علوم سے توحید مکمل ہوتی ہے اور پھر یہ بات تو معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ عالم کی وجہ تسمیہ ہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ صانع پر دلیل دی جاتی ہے۔ یہاں علامہ علی قاری اور دیگر شراحِ حدیث نے ایک نکتہ بیان فرمایا ہے۔ اس کو بھی ذرا سن لیجئے۔ وہ یہ کہ آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور رویت کو مشبہ بہ اور خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کے علم دارأۃ کو مشبہ سے تعبیر فرمایا۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں اقویٰ ہوتا ہے۔ تو پھر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ورؤیۃ جناب خلیل صلواۃ اللہ علیہ سے کس طرح اقوی ہے شراح حدیث نے اس کا جواب دیا کہ آیت مذکورہ بالا میں خلیل صلواۃ اللہ تعالیٰ کو پہلے اراۃ ہوئی اور بعد میں ایقان اور جس حدیث شریف میں حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا ذکر ہے۔ اس میں رویۃ باری عزاسمہ مقدم اور علم جمیع مافی السموات والارض مؤخر ہے، تو حاصل کلام یہ ہوا کہ حبیب صلواۃ اللہ نے مؤثر اور خالق سے اثر اور مخلوق کی طرف انتقال فرمایا اور خلیل صلواۃ اللہ علیہ کا معاملہ بالعکس ہے۔ علی قاری فرماتے ہیں۔

وبینھما بون بائن۔ یعنی ان دونوں علوم میں بڑا عظیم فرق ہے قرآن وسنت سے جو عقیدۂ توحید ثابت ہوتا ہے۔ اس کا ذکر اوپر بیان ہو چکا، اور اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی بھی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اس کو فلاں چیز کا علم نہیں ہے۔ تو یہ عقیدہ اس امر کو مستلزم ہے۔ کہ اس نبی کی توحید مکمل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ افضل الانبیاء صلواۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ آپ کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا تو بتائیے جب آپ کی توحید مکمل نہیں ہے۔ تو پھر دنیا میں کسی کی توحید مکمل ہو سکتی ہے۔ اور بعض اہل بدعت نے عقیدۂ توحید کو اُلٹا جامہ پہنا دیا کہ اگر کسی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالے نے اسکو عالم کی ہر ایک چیز کا علم عطا فرمایا ہے۔ تو یہ عقیدہ شرک ہے۔ یعنی عقیدۂ توحید کو جو براہین سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کو تو شرک قرار دیا۔ اور ان اہل بدعت نے عقیدۂ توحید یہ اختراع کیا کہ کامل موحد وہ ہے جس کو دیوار کے پیچھے کا علم بھی نہ ہو۔ اور پھر طرفہ یہ کہ ان اہل بدعت کے نزدیک شیطان لعین کی وسعت علمی تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور افضل الانبیاء

کے علم پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ شیطان کی توحید انبیا علیہم السلام کی توحید سے اکمل ہے۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔ ع

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا نام خرد

یہاں تک بندہ نے یہ واضح کیا ہے کہ ملت اسلامیہ کی اساس اول توحید کو اہل ضلالت نے کتنا غلط رنگ دیا ہے۔ اب آیئے آپکو دین متین کی بنیاد ثانی یعنی رسالت سے روشناس کرائیں۔ اور پھر اہل بدعت نے اس بنیاد میں جو قہر سامانیاں کیں ہیں ان پر سے پردہ اٹھائیں۔ اولاً آپ کو یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اہل السنت والجماعت کے نزدیک عقیدہ رسالت کیا چیز ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ اس آیت مبارکہ پر یہ اشکال ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ اس وقت مقرر کیا جاتا ہے۔ جب اصل کام انجام نہ دے سکے۔ اللہ تعالےٰ تو ہر قسم کے عجز سے پاک ہے پھر اس نے اپنا خلیفہ کیوں مقرر فرمایا۔

اس اشکال کا جواب علامہ بیضاوی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ استخلفهم الله فی عمارة الارض وسیاسة الناس وتکمیل نفوسهم وتنفیذ امرہ فیهم لا لحاجة به تعالیٰ الی من ینوبه بل لقصور المستخلف علیه عن قبول فیضه وتلقی امرہ بغیر وسط۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا جتنی مخلوق ہے۔ اس میں اتنی استعداد نہیں ہے۔ کہ بلا واسطہ اللہ تعالےٰ سے فیض حاصل کریں۔ اس حکمت کی وجہ سے خلیفہ کی تخلیق ہوئی۔ علامہ فاضل لاہوری نے اپنے حاشیہ میں اس امر کی وضاحت کی ہے۔ کہ مخلوق میں کیوں استعداد فیضان نہ تھی۔ ملاحظہ ہو۔ لما انہ فی غایة الکدورة والظلمة الجسمانیة

وذاته تعالیٰ فی غایة التقدس والمناسبة شرط فی قبول الفیض علی ماجرت به العادة الالٰہیة فلا بد من متوسط ذاجهتی التجرد والتعلق لیستفیض من جهة ویفیض باخریٰ۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے سوا تمام ارضی مخلوق میں کدورت یعنی میلاپن اور سیاہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ میلاپن اور سیاہی سے بالکل پاک ومنزہ ہے۔ بلکہ کدورت اور ظلمت اللہ تعالیٰ میں محال ہے۔ اور مفیض اور مستفیض میں مناسبت شرط ہے۔ اور یہ شرط عادی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ پیدا کیا ہے۔ جو کہ تجرد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور اس مناسبت سے باری عزاسمہٗ سے استفادہ کرتا ہے۔ اور تعلق بدنی کے لحاظ سے مخلوق کے مناسب ہے۔ اور اس مناسبت کی وجہ سے مخلوق اس سے استفادہ کرتی ہے۔ علامہ بیضاویؒ نے حیوانی بدن میں اس کی مثال دی ہے کہ شلاً ہڈیاں گوشت سے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیانی مناسبت نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عادی طور پر نرم ہڈی کو پیدا کیا۔ جو کہ ظاہری رنگ کے لحاظ سے ہڈی ہے اور نرمی کے لحاظ سے گوشت سے مناسب ہے اور ہڈیاں اسی نرم ہڈی کے واسطے سے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جو کہ ذوجہتیں ہیں۔ ان میں تجرد اور نورانیت بھی ہے اور تعلق بشریت بھی۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ انبیاء ورسل صلوات اللہ علیہم اجمعین نہ تو خدا ہیں اور نہ ہی محض بشر کہ ان کی حقیقت محض حقیقت بشری ہو۔ اہل بطالت کو بجا طور چیلنج ہے کہ علامہ بیضاوی نے جس اعتراض واشکال کی طرف اشارہ فرمایا ہے

اہل بدعت اور اور صنادید دیوبند تقریر مذکور کے بغیر اس کا جواب دیں اہل بطالت کا جو یہ مذہب ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت صرف حقیقت بشری ہے۔ فرق صرف نزول وحی ہے۔ وجوداً وعدماً تو اس پر سابقہ اشکال لوٹ آئیگا کہ پھر انبیاء علیہم السلام بھی عدم مناسبت کی وجہ سے استفادہ از باری عز اسمہ نہیں کر سکتے۔ حقیقت میں مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی کی حقیقت صرف اور صرف بشری ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کا یہ اعتراض تھا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ کسی اور پر کیوں نازل نہ ہوئی۔ یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ یعنی اللہ تعالیٰ مقام رسالت کو خوب جانتا ہے۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حقیقت ایسی ہے کہ اس میں استعداد رسالت ہے اور مشرکین جن کا تم نام لیتے ہو۔ ان کی حقیقت میں یہ استعداد نہ ادہ ہے۔ اب اگر رسالت کے متعلق اہل بدعت کا مذہب مان لیا جائے کہ حقیقت انبیاء علیہم السلام صرف حقیقت بشری ہے۔ تو پھر کفار کے اعتراض ترجیح بلا مرجح کا جواب آیۃ مذکورہ بالا سے کس طرح بیان کیا جاویگا۔ حیرت اس امر پر ہے کہ بانی دیوبند اور اہل بطالت کے پیر مغاں مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی آیۃ مذکورہ بالا کی یہی تقریر کرتے ہیں جس کو بندہ نے اوپر بیان کیا ہے بلکہ مولوی صاحب مذکور نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ زمین کا وہ حصہ مبارکہ جس پر کعبہ مکرمہ ہے۔ اسکی حقیقت دوسرے اجزاء ارضی سے مختلف ہے۔ ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی۔ شائد اہل بدعت یہ جواب دیں کہ ہمارے پیر مغاں نے یہ تقریر اہل سنت کو دھوکہ دینے کیلئے تقیۃً فرمائی ہے۔ تو لامحالہ ہمارے

پاس اس جواب کا کوئی جواب الجواب نہیں ہے۔ مذکورہ بالا کلام تو تمام انبیا علیہم السلام کے متعلق ہے۔ اور پھر فضل الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیتہ مندرجہ ذیل میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

قولہ تعالےٰ۔ یکاد زیتھا یضئ ولو لم تمسسہ نار۔ علامہ فاضل عبدالحکیم سیالکوٹی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

یعنی لانھا تکاد تعلم ولو لم یتصل بملک الوحی والالھام الذی مثل النار من ان العقول یشتعل عنھا وفیہ اشارۃ الی ما یجئی من ان قولہ تعالےٰ اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض تمثیل للقوۃ العقلیۃ فی مراتبھا۔ خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ الآیۃ میں انبیا علیہم السلام کے عقول کا بیان اور ان کی استعداد کی تمثیل ہے کہ اگر ان پر وحی والہام نہ بھی ہوتا تو اس میں استفادہ کی استعداد موجود تھی۔ اسی لئے محققین اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ کہ اگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بالفرض وحی نازل نہ بھی ہوتی تو بھی آپ ذاتی طور پر تمام مخلوق سے افضل ہوتے۔ آپ کو جو منصب نبوت اور رسالت عطا فرمایا گیا ہے۔ یہ نورٌ علی نور ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔

قولہ تعالےٰ۔ نورٌ علی نور یھدی اللّٰہ لنورہٖ من یشاء یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالےٰ نے مرتبہ رسالت عطا فرمایا تو یہ نہ سمجھو کہ صرف اسی سے آپ کو نورانیت حاصل ہوئی۔ بلکہ اس رتبہ عالیہ سے قبل بھی وہ نور تھے۔ اور اعطائے رسالت نورٌ علی نور ہے۔ چونکہ اس پر یہ وہم ہوتا تھا کہ پھر اس ذات ستودہ صفات کی نورانیت تو بالکل ظاہر ہوگی۔ اور اس کا انکار ناممکن ہوگا۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا گیا

يهدى الله لنوره من يشاء۔ یعنی اس نورٌ علیٰ نور کو غلافِ بشریہ سے ڈھانک لیا جاویگا۔ اور اس نور تک مخصوص نفوس کی رسائی ہوگی۔ اور اذہان عالیہ اور نفوس قدسیہ کو ہی اللہ تعالےٰ اس نور تک پہنچائیگا۔ باقی رہے اذہانِ قاصرہ سافلہ تو وہ صرف غلافِ بشریۃ پر رُک کر اسفل السافلین میں گر جائیں گے۔

یہاں تک بندہ نے توحید و رسالت اہلِ سنت اور اہلِ بدعت کو بیان کر دیا ہے۔ اور یہ ذکر اجمالی ہے۔ والتفصيل لايسعه هذا المقام بل الاذهان۔ اب روزِ اول سے اہلِ حق اور اہلِ بطالت یا یوں کہہ لیجئے کہ ابتداء سے اولیاء الرحمن اور عباد الشیطن ستیزہ کار ہیں۔ ولنعم ما قیل

ع ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل احادیث میں اشارہ بھی فرمایا ہے۔ جس کو بیہقی نے روایت کیا۔ (قوله عليه السلام يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين رواه البيهقي في كتاب المدخل مشکوٰۃ شریف

قوله عليه السلام ان الله عزوجل يبعث لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔ رواه ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح

ہر دو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے عادل علماء، مجدد پیدا ہونگے کہ اہلِ بدعت کے دلائل کا ابطال اور ان کی تحریفات و تاویلات کا قلع قمع کرتے رہیں گے۔ اس امت میں سب سے مقدم یہ ستیزہ کاری سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں ہوئی۔ جبکہ آپ نے دعویٰ فرمایا کہ مجھ پر تمام

اشیاء پیش کی گئی ہیں۔ اور میں مومن و کافر ہر ایک کو جانتا ہوں تو منافقوں نے کہا کہ (نحن معہ وما یعرفنا) یعنی اگر سب کو جانتے ہو تو ہم کو بھی جانتے اور ہمارے نفاق پر مطلع ہوتے اور پھر ہم کو اپنے دربار میں حاضری کی اجازت نہ دیتے۔ تو جب آپ کو منافقین کے اس قول کا علم ہوا۔ تو لوگوں کو جمع فرما کر اعلان کیا کہ ما بال اقوام طعنوا فی علمی فاسئلونی (الحدیث) آپ نے منافقین کے قول بدتر از بول کو طعنہ سے تعبیر فرمایا۔ اور اعلان فرمایا کہ مجھ سے پوچھو آپ نے اپنی اس تقریر میں غصہ کا اتنا اظہار فرمایا کہ امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کی۔ (رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا فاعف عنا (الحدیث) اس کے بعد یہ فتنہ منافقین بالکل دب گیا۔ اور کبھی ان کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ تا آنکہ سات سو پانچ ہجری میں علامہ محدث حافظ ابن تیمیہ نے مذکورہ بالا فتنہ اور کئی دوسرے فتنوں کو جنم دیا۔ اہل بدعت کا یہ محدث امیر عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا تھا کہ وہ مال کے ساتھ محبت کرتے تھے اور نیز اہل بطالت کا یہ علامہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق کہتا تھا۔ کہ چونکہ وہ ایام صبا اور طفلی میں مسلمان ہوئے تھے۔ جس کا ایمان مقبول نہیں لہٰذا علی رضی اللہ بھی اسی زمرہ میں داخل ہیں۔ تو اس وقت کے علمائے اعلام نے اس علامہ کو للکارا اور زین الدین مالکی نے اس علامہ کو مبہوت کر دیا۔ (فبھت الذی کفر) چنانچہ اس علامہ کو قید کر لیا گیا اور پھر وہ تائب ہو گیا۔ تو قید و بند سے رہائی پائی لیکن پھر اپنے عہد کو توڑ دیا۔ اور یہ فتنہ ذرا دب گیا اسی علامہ حرانی کے متعلق علامہ ابن حجر نے فتاوٰی حدیثیہ میں فرمایا۔ (و اضلہ اللہ علی علم) اور علامہ شامی نے فرمایا۔ (ابتدع ابن تیمیہ) یعنی

باوجود علم کے اس علامہ کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا۔ اور یہ کہ وہ اہل بدعت سے تھا اور پھر بارہ صد تنتیس ہجری میں محمد بن عبدالوہاب نجدی خارجی نے طاقت کے گھمنڈ پر اس فتنہ کو ہوا دی۔ اور نجد سے نکل کر حرمین پر قبضہ کر لیا اور اہل سنت کو مشرک قرار دے کر قتل کیا۔ تو سلطان روم نے اپنا لشکر بھیج کر اس فتنہ کا استیصال کر دیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ اور ان نجدی زعماء کے کان کاٹ کر سامان عبرت مہیا کیا۔ اب اس فتنہ نے عرب سے نکل کر ہندوستان کا رخ کیا اور ہند میں جائے پناہ کو ڈھونڈھنا شروع کیا۔ چونکہ دہلی میں ولی اللٰہی خاندان کے اکابرین دار الآخرۃ کو تشریف لے گئے تھے۔ اور ان کی سجادگی مولوی محمد اسمٰعیل الملقب بالملقب المصنوع القتیل کو حاصل تھی۔ لہذا اس فتنہ نے مولوی صاحب قتیل کی کمزوری اور عجلت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور القتیل الشہیر نے اسکو اپنی آغوش عاطفت میں جگہ دی اور سابقہ فتنوں کے ساتھ کئی اور فتنوں نے جنم لیا۔ اور اس قتیل نے امکان کذب باری تعالیٰ عما یقول الظالمون علوا کبیرا کا فتنہ کھڑا کیا۔ تو استاذ الکل فی الکل حضرت امام فاضل کامل حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد بلیغ فرمایا کہ باید و شاید اور پھر مولانا محمد احسن المعروف حافظ دراز پشاوری کی سعی مشکور سے سرحد کے غیور محب النبی صلی اللہ علیہ وسلم پٹھانوں نے بانیٔ فتنہ کو ہمیشہ کیلئے دفن کر دیا۔ اور یہ فتنہ ایک دفعہ پھر سے بے یار و مددگار ہو گیا۔ چونکہ مولوی قتیل و شہید فی حب السلطنت کے جانشین دیوبند میں جمع ہو چکے تھے۔ اور اس جانشینی پر نازاں و فرحاں تھے۔ اسلئے اسمٰعیلی فتنہ نے صنادید دیوبند کو معمولی سی بحث کے بعد رام کر لیا۔ کہ یا تو سجادگی سے دست بردار ہو جاؤ اور یا اپنے پیر دہلوی کا

مسلک اپنا، پس اکابرین دیوبند نے دوسری شق کو ترجیح دی چونکہ اس فتنہ کا اظہار عامۃ المسلمین میں بدظنی کا باعث تھا۔ اسلئے ان علماء دیوبند سے بعض نے تو تقیہ کیا اور بعض نے اپنے ما فی الضمیر کا پورا پورا اظہار کیا لہٰذا اس وقت کے مجدد اعظم اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز نے یک وتنہا اس گروہ کا اس قدر رد بلیغ فرمایا کہ اس کی تفصیل کیلئے مجلدات بھی ناکافی ہیں۔

اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز کے علمی دبدبہ اور رعب کا یہ حال تھا کہ باوجود کوشش بسیار کے ذریۃ اسمٰعیل کے کسی فرزند کو مناظرہ کی توفیق نہ ہوئی اور تاریخ ومقام مناظرہ متعین ہونے کے باوجود اعلیٰحضرت نے وقت اور مکان کی پوری پابندی کی، سجادگان قتیل وشہید یا وہاں نہ گئے۔ اور یا جاکر راہ فرار اختیار کی۔ حالانکہ اعلیٰحضرت کے وصال کے بعد بیسیوں مناظرے معرض وجود میں آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پس ماندگان قتیل کے پھیپھڑے اس شیر نر سے کانپتے تھے۔ اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے تقریباً ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف ارقام فرمائیں اور جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کو الم نشرح کر کے چھوڑا۔ ان تمام تصانیف کا سرتاج اردو کا اردو ترجمہ قرآن پاک ہے جس کی نظیر نہیں ہے۔ اور اس ترجمہ کا مرتبہ اسی کو معلوم ہوتا ہے۔ جس کو اعلیٰ درجہ کی تفاسیر پر پوری نظر ہے۔ اس ترجمہ مبارکہ میں محققین مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے۔ اور جن اشکالات اور انکے حل کو مفسرین نے صفحات میں جاکر بمشکل بیان فرمایا ہے۔ اس محسن اہلسنت نے اس کو ترجمہ کے چند الفاظ میں کھول کر رکھ دیا۔ بندہ ضروری سمجھتا ہے کہ چند مثالیں دبیال پیش کرے۔ مثال اول قرآن پاک میں ہے۔ لاریب فیہ

عربی محاورہ کے مطابق یہاں جنس ریب کی نفی ہے۔ اور لفظ (فی) کا مدخول ظرف ہوتا ہے۔ کبھی زمان اور کبھی مکان۔ تو اب معنی یہ ہوگا۔ کہ قرآن پاک جنس ریب کا محل نہیں بنا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں کسی نے شک نہیں کیا۔ حالانکہ دوسری آیت میں ہے۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا اس آیت مبارکہ سے پتہ چلا کہ قرآن کریم محل ریب بنا اور لوگوں نے اس میں ریب کیا ہے تو اس اشکال کو دور کرنے کیلئے علامہ تفتازانی نے مطول میں اور علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر شہیر میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر طویل ترین عبارت کو سپرد قلم کیا ہے۔ لیکن اس بحر زخار نے صرف چند الفاظ میں تمام اشکال کا رفع فرما دیا۔ آپ بھی سنئے (قرآن کریم میں کوئی شک کی جگہ نہیں۔ اس مختصر عبارت کی بلاغت وہی جانتا ہے جس کو علوم وفنون سے مس ہو۔ اور اگر بندہ اس کی تشریح کرے۔ تو مضمون طویل ہو جائیگا۔

مثال دوم۔ قولہ تعالےٰ۔ یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون میں سب تراجم اس طرف گئے ہیں۔ کہ لفظ لعل بمعنی لکی ہے۔ یعنی تاکہ تم پرہیز گار بنو۔ لیکن علامہ بیضاوی نے اس کے متعلق فرمایا (لم یثبت فی اللغۃ مثلہ) پھر علامہ مذکور نے فرمایا کہ یہ حال ہے۔ ضمیر اعبدوا سے تو معنی یہ ہوا کہ واعبدوا راجین ان ینخرطوا فی سلک المتقین) امام اعلحضرت نے اس ترجمہ کو اختیار فرمایا۔ اور دریا کو کوزہ میں بند کر دیا۔ اور پھر اس پر حضرت مولانا صدر الافاضل حافظ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے ایسی تفسیر لکھی کہ پڑھنے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ کہ ترجمہ حسن ہے یا کہ تفسیر اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں احسن ہیں تفسیر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر تمام تفسیر کو ترجمہ میں اپنی اپنی جگہ رکھدیا

جائے تو مزج کے طور پر ایک آدمی کی عبارت معلوم ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مسلسل عبارت ہے۔ بہر حال بندہ بہت دُور چلا گیا۔ آمدم برسرِ مطلب۔ بات اس میں چل رہی تھی کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز نے اپنے وقت کے اہل بطالت اسمٰعیلیوں کو للکارا۔ اور ہندوستان میں اہل سنت کا سکہ بٹھایا۔ اعلیٰحضرت کے بعد ان کے جانشینوں نے بھی اعلیٰ حضرت کے مشن کو حتی المقدور پورا کیا۔ اب ہم ذرا سا پیچھے ہٹ کر آپ کو بتلاتے ہیں کہ مولوی اسمٰعیل کے زمانہ تک سابق پنجاب و سرحد جو آجکل مغربی پاکستان سے موسوم ہے۔ اس زہریلے اثر سے محفوظ تھا۔ خوش قسمتی کہئے یا کہ بدقسمتی کہ اس دوران میں واں بھچراں ضلع میانوالی کا ایک طالب علم گنگوہ پہنچا اور مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس طالب علم کو ایسا انجکشن کر دیا جس کی ایجاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نفاق کی کیمسٹ فیکٹری میں ہوئی تھی اور محدث ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب نجدی وغیرہما نے اس کے تیر بہدف علاج کی تشہیر کی۔ پھر کیا ہوا مغربی پاکستان میں فتنہ نجدیت کا کہرام مچ گیا اور اس فتنہ کے مفاسد دیکھ کر عوام انگشت بدنداں رہ گئے۔ آخر حضرت السید السند قطب الوقت عالم علم لدنی الشیخ الرئیس حضرت سیدنا و مولٰنا و مرشدنا سید پیر مہر علی شاہؒ وارث علوم غوث الثقلین نے واں بھچراں کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا اور تلمیذ گنگوہی پر صرف ایک سوال کیا۔ جس کا جواب مولوی واں بھچراں اور ان کے تمام معاون اور مددگار نہ دے سکے۔ اور یہ مولوی صاحب حضرت گولڑوی کے روبرو ایسے مبہوت ہوئے کہ ایک مشہور روایت کے مطابق ان کا پیشاب بھی خطا ہو گیا۔ اور واں بھچراں میں یہ فتنہ وقتی طور پر دفن ہو گیا۔ مگر یہ اس فرقہ واں بھچراں کے عقائد ہی تھے

جو کہ مسند دیوبند کو مولوی محمد اسماعیل سے وراثت میں ملے تھے۔ لیکن اکابر دیوبند عوام الناس میں شیعہ شنیعہ کی طرح ذرا التقیہ سے کام لیتے تھے۔ لیکن اس مولوی صاحب والں بھچراں نے تقیہ سے انکار کیا۔ اور مع اپنی اصلی شکل کے ادوال کے سامنے عریاں ہو گئے۔ اسلئے دیوبندی حضرات ذرا اس فرقہ وال بھچراں سے خفا ہو گئے تو ان کو ایک اور سہارے کی ضرورت پڑی اور سعی بسیار کے بعد ان کا مقصد گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں حل ہو گیا۔ چنانچہ سرفراز صاحب نے اہل السنت والجماعت کے حق میں ہرزہ سرائی شروع کی ابتداء میں تو اہل السنت نے اس زہر افشانی کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ اور اس کی وجہ شاید یہ تھی۔ کہ ..... کارواں تو چلتا ہی رہتا ہے۔ جب سرفراز صاحب نے دیکھا کہ ہر دو مقصد فوت ہو رہے ہیں۔ اور میں صرف ایک ہاتھ سے تالی پیٹنے کی ناکام سعی کر رہا ہوں۔ اور میرے ولی نعمت ممکن ہے کہ مجھ سے بد ظن ہو جائیں۔ کہ اس کی طرف تو التفات نہیں کیا جا رہا۔ تو اس نے اپنی لن ترانیوں میں ایک اور قدم آگے بڑھایا۔ جب علماء اہل سنت نے دیکھا کہ سرفراز صاحب حد سے بڑھ رہے ہیں۔ تو بعض نے معمولی تنبیہ پر اکتفا کی۔ اب جب سرفراز صاحب نے دیکھا کہ میری طرف التفات ہونے لگا ہے۔ تو انہوں نے اعلیٰحضرت بریلوی اور صدر الافاضل کے ترجمہ اور تفسیر پر تیرہ جگہ اعتراض شائع کئے اور رسالہ کا نام تنقید متین رکھا۔ پھر اہل سنت نے یہ محسوس کیا کہ معمولی تنبیہ انہیں کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی اصلاح کیلئے مفصل اور مکمل تردید کی ضرورت ہے۔ اس بناء پر میرے عزیز القدر الفاضل العلامہ وحید الزمان صاحب القلم والبیان مولانا مولوی غلام رسول صاحب سعیدی مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور نے اپنے نہایت مصروف وقت سے کچھ فرصت کے لمحات

نکال کر تنقید متین کا رد بلیغ کیا اور محاربۃ عن اللہ جل شانہٗ و رسولہٗ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ جلیلہ ادا کرنے کی سعی مشکور فرمائی اور کتاب کا نام توضیح البیان لخزائن العرفان رکھا۔ اس فقیر سراپا تقصیر نے تمام کتاب مولانا سعیدی سے من اولہ الی اخرہٖ نہایت غور و غوض سے سُنی۔ اور اس دَوران بیشتر مباحث پر سعیدی صاحب کو اپنے مشورے بھی دیئے۔ اگر یہ فقیر اس کتاب کی تمام خصوصیات بیان کرے تو شاید ماسبق کے برابر اور لکھنا پڑے۔ جس کی وقت اور مقام اجازت نہیں دیتا لیکن بفحوائے ما لایدرک کلہ لا یترک کلہ کے مطابق اجمالی طور پر تبصرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور کتاب کی چند خصوصیات سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

اوّل۔ ایمان کامل کی دو جُز ہیں، عقیدہ اور عمل اور عقیدہ عمل کی بنیاد ہے بغیر عقیدہ عمل بیکار اور پھر عقائد کا سرتاج عقیدۂ توحید و رسالت ہے اور تقریبًا تمام اہل بطالت نے توحید و رسالت ہی میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اس زیر تبصرہ کتاب میں توحید و رسالت کا وہ مفہوم بیان کیا گیا ہے جس پر کتاب و سنت اور اقوال سلف صالحین دلالت کرتے ہیں۔ اور اس عقیدہ کے پرچار کیلئے انبیاء عظام کی بعثت ہوئی۔ لہٰذا اسی عقیدہ کا صحیح مفہوم بیان کرنا اسوۂ حسنہ کا اتباع ہے

نہ کہ من گھڑت بے سروپا اختراعات اسوہ حسنہ کے زمرے میں آتے ہیں جیسا کہ معترضین صفدر کی رائے ہے۔

دوم۔ اکثر قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کا رد کرنا ہو تو صرف اتنی عبارت پر اکتفا کی جاتی ہے، جو رد کیلئے کافی ہو لیکن علامہ سعیدی کے جوان علم نے

اس قاعدہ پر عمل کو پہلوان کے ہاتھ میں چھری تھما دینے کے مترادف قرار دیا۔ کیونکہ الباطل المحی می تو گنہ گراں کا مستحق ہوتا ہے۔ اسلئے مولانا نے جہاں جہاں سرفراز صاحب کا رد فرمایا ہے۔ تو پہلے اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی ہے اور اس مسئلہ کے تمام نشیب و فراز پر بحث کی ہے۔ اور اس کے ہر گوشے کو کھنگال کے رکھدیا ہے۔ اور تمام دلائل کو حتی المقدور ایک جگہ پر جمع کر دیا ہے۔ جو کہ موتیوں کی طرح قرطاس کتب پر بکھرے پڑے تھے۔ تاکہ قارئین مسئلہ کی تہ تک پہنچ سکیں۔ اور رد بلیغ کے ساتھ ساتھ پورے مسئلہ پر گفتگو کر سکیں سوم۔ چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ (العلوم تزداد یوما فیوما) تو متاخر کے سامنے کتب کا ذخیرہ چونکہ زیادہ ہوتا ہے۔ اسلئے بسا اوقات متاخر ایسے دلائل بیان کرتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ دلائل کی تقریر ایسے اچھوتے انداز میں کرتا ہے کہ کتب متقدمین اس سے مجموعی طور پر خالی ہیں۔ بنا بریں کتاب زیر تبصرہ میں قارئین کو ایسے دلائل ملیں گے اور ان کا طرز استدلال ایسا انوکھا ہو گا کہ کتب سابقہ اس سے خالی ہیں اور اس سے متقدمین کی گستاخی مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ متاخر کیلئے کتب متقدمین اساس کا کام دیتی ہیں۔ قدماء نے بنیاد مستحکم کی اور متاخرین نے اس پر محل تعمیر کیا۔ یہ امر تحریر کرنے کی ضرورت اسلئے پیش آئی۔ کہ ناہموار طبائع تعصب کے طور پر جھٹ گستاخی کا فتویٰ صادر کرتی ہیں۔ دیکھئے شیخ محمد عبدالحق قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین المطہرین کی شرافت وطہارت اور اسلام کا مسئلہ متاخرین پر منکشف ہوا ہے۔

چہارم۔ چونکہ کلام پاک ایک جامع کتاب اور مختلف الانواع مسائل کا گنجینہ

ہے۔ تو اس کلام پاک کا ترجمہ اور تفسیر انہیں مسائل کی حامل ہوگی اور چونکہ صاحب تنقید نے اہل سنت کے ہر مسلک اور عقیدہ پر تعصب کے طور پر حملہ کیا ہے۔ اور علامہ سعیدی نے ہر جگہ اس کا تعاقب فرمایا ہے۔ اور ہر مسئلہ کو شرح اور بسط سے بیان کر دیا ہے۔ تو تقریباً تمام متنازع فیہا مسائل مع دلائل قاہرہ کتاب زیر تبصرہ میں آگئے ہیں۔ تو اب یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہے۔ کہ ایسی جامع مختلف الانواع کتاب آج تک منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوئی۔ فالحمد للہ علٰے ذالک۔

پنجم۔ کتاب زیر تبصرہ استدلال اور رد کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ کہ کتاب و سنت اقوال صحابہ تابعین تبع تابعین آئمہ مجتہدین خصوصاً علماء احناف کثرہم اللہ تعالےٰ سے تمسک کیا گیا ہے۔ اور سرفراز صاحب کے اکابر کے اقوال و خود سرفراز صاحب کی اپنی عبارات سے رد بلیغ اس طور پر کیا گیا ہے کہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ سرفراز صاحب نے جو تنقید کی ہے۔ وہ نرا تعصب ہے۔ ورنہ اس کے اکابر اور وہ خود بھی اس تنقید سے محفوظ نہیں ہیں۔

ششم۔ سرفراز صاحب نے کئی مقامات پر صرف دعویٰ پر اکتفا کیا ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ اور اپنے دعویٰ کو بالکل تشنہ چھوڑ دیا ہے۔ اسلئے علامہ سعیدی صاحب نے ان کو وہاں آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ باتیں تو ایک مبتدی ہی کر سکتا ہے۔ برخلاف علامہ سعیدی کے کہ انہوں نے صرف لا نسلم پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہر دعوے کو براہین سے مبرہن کیا ہے۔

ہفتم۔ طرز تحریر اور انداز بیان نہایت برجستہ اور فصاحت الفاظ اور

حلاوت کلام ایسی ہے کہ بار بار سننے اور پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اردو کا بہت بڑا ادیب اپنا شاہکار پیش کر رہا ہے۔ هذه سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة واللہ یضاعف لمن یشاء، الالتماس فی حضرت رب العلمین جل شانہ۔ سبحانک اللھم اے ہمارے رب ہر دور میں معاندین نے تیری تنزیہہ پر حملہ کئے۔ اور قبائح کو تیری ذات مقدسہ مطہرہ کی طرف منسوب کیا۔ اور اسی طرح اہل بدعت نے تیرے حبیب لبیب معظم مکرم کی توہین کا ارتکاب والتزام کیا ہے لیکن ہر زمانہ میں تو نے ہم اہل السنت والجماعت کو یہ توفیق سعید عطا فرمائی۔ کہ تیرے اور تیرے حبیب صلوٰۃ اللہ علیہ کی طرف سے جہاد اور محاربہ کریں۔ فالحمد للہ علی ذالک والشکر اگر ہمارا ہر بال کروڑ زبانوں کی شکل اختیار کرے اور ہم تیرا شکر ادا کرتے رہیں۔ تو ہم اداء شکر سے قاصر ہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمے کنی
منت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت

حررہ

الفقیر الی اللہ الصمد خادم العلم
عطا محمد چشتی۔ گولڑوی عفی عنہ

تقریظ از مفتیٔ پاکستان استاذ العلماء علامہ محمد حسین صاحب نعیمی دامت فیوضہم العالیہ

مولوی ابو الزاہد محمد سرفراز صاحب گکھڑوی جو دیوبندی مکتبۂ فکر کا خصوصی ناقوس اور ایک بیباک ترجمان سمجھا جاتا ہے۔ جس نے چند سال سے علماء اہل سنت کی تصانیف پر بے سروپا اعتراضات کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اور مسلک حقہ اہل سنت کے خلاف جارحانہ روش اختیار کر رکھی ہے۔ گکھڑوی موصوف کا اندازِ کلام اور طرزِ بیان سوقیانہ اور تحریر و تخاطب کا طریقہ گستاخانہ ہے جس کی نمایاں مثال تنقید متین کتاب کا اندازِ تحریر ہے۔ اس میں امام اہل سنت اعلحضرت احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی کے ترجمہ اور صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب فاضل مراد آبادی قدس سرہٗ العزیز کی تفسیر پر تنقید اور تردید و تغلیظ کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اہلسنت کی شخصیات پر رکیک حملے کئے ہیں اور بزرگان دین کی شان میں توہین آمیز جملوں سے اپنی بے باکی اور دنائت مزاجی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی نے اپنی اس تصنیف میں تیرہ مسائل پر تبصرہ کیا ہے۔ اور ان مسائل کو بیان کرتے ہوئے کہیں تحریف سے کام لیا ہے اور کہیں تجاہل ہے۔ اور کہیں خلط مبحث سے اپنا کام نکالا ہے۔ اور کہیں دور از کار یادہ گوئی سے اور کہیں اہل سنت کے ذمہ ایک مسئلہ کو اپنی طرف سے فرض کر کے تعلّی اور مبارزت کے ڈونگرے بجائے اور جگہ جگہ اس کتاب میں نہایت بے باکی اور غلط بیانی و کوتاہ نظری کا

شرمناک مظاہرہ کیا ہے۔ مولانا ابو الوفا غلام رسول صاحب سعیدی فاضل و مدرس دار العلوم جامعہ نعیمیہ زاد اللہ اقبالہ نے تنقید متین کے جواب دینے کا ارادہ کیا۔ اپنی تدریسی اور تعلیمی خدمات کی انجام دہی کے دوران تھوڑا وقت نکال کر توضیح البیان لخزائن العرفان بجواب تنقید متین تحریر فرمائی۔ اس کے جواب میں ہر زیر بحث مسئلہ کو پوری تحقیق اور مستند حوالہ جات کے ساتھ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ نیز مولوی سرفراز صاحب کی طرف سے طعن و تشنیع اور تجہیل و تعلی کا کما تدین تدان کے مطابق پوری طرح تحلیل و تجزیہ بھی کر دیا ہے۔ ادب کی لطافت اور اردو زبان کی چاشنی کو بھی قائم رکھا ہے۔ مولیٰ تعالےٰ مولٰنا ابو الوفا غلام رسول صاحب سعیدی اجاب اللہ سعیہ کو دارین کی سعادت عطا فرمائے۔ اور مسلک حقہ اہل سنت کی ترویج و تبلیغ میں توفیق رفیق نصیب فرمائے۔

آمین

معروضات

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی کے علمی کارنامے یوں تو اَنگنت اور بے شمار ہیں۔ لیکن جو خصوصیت آپ کے ترجمۂ قرآن کو حاصل ہے۔ وہ اسی کا حصہ ہے۔ یہ ترجمہ تمام معتبر تفاسیر کا خلاصہ ہے آسان اور سادہ عبارت کے ٹکڑوں میں حقائق و معارف کے خزینے سمو کر رکھ دیئے ہیں۔ کلام الٰہی کی ظاہر نصوص پر جو اشکال و ایراد ہوتے ہیں۔ ترجمہ کی خوبی سے وہ سب مندفع ہو جاتے ہیں۔ اس ترجمہ میں رازی کی موشگافیاں ہیں۔ غزالی کا تصوف ہے۔ جامی کی وارفتگی ہے۔ نعمان کا تفقہ ہے۔ آلوسی کی دقت ہے۔ مَیں نے اعلیٰحضرت کا زمانہ نہیں پایا۔ لیکن جب مَیں اعلیٰحضرت کی تحریرات کو دیکھتا ہوں۔ تو میرے ذہن میں ایک ایسی شبیہ اُبھرتی ہے جس کی آنکھوں میں فاروقی جلال۔ لبوں پر ملکوتی تبسم۔ چہرہ ایسا جیسے کھلا ہُوا قرآن۔ گفتار میں علی مرتضیٰ کی حلاوت۔ کردار میں ابوذر کا استغنا۔ نفس میں گرمئی صدیق رضؓ انداز میں بلال کی تب و تاب۔ الغرض اعلیٰحضرت کی شخصیت کیا ہے۔ گویا انجمن عشاق مصطفےٰ کا ایک جامع عنوان ہے۔

آیئے اب آپ کے سامنے ترجمہ اعلیٰحضرت کی خصوصیات سے ایک جھلک پیش کریں۔ جسے دیکھ کر قاری بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے۔ کہ جس طرح اصل منزل من اللہ ہے۔ اسی طرح اس کا ترجمہ ملہم من الباری ہے۔ دیکھئے قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فان یشاء اللہ یختم علےٰ قلبک مبتدعین دیوبند کے حکیم علی الاطلاق مولوی اشرف علی تھانوی اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے

میں یوں ہذیان کیا کرتا ہے۔

"ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کیلئے بھی حاصل ہے" فالی اللہ المشتکیٰ!

ووجدک ضالا فھدیٰ کے ترجمہ میں کشتی دیوبند کے ناخدا ریضان توحید کے حکیم الامت یوں زہر آفرینی کرتے ہیں۔

"اور اللہ تعالٰے نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا، سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلا دیا"

اللہ اللہ حضور شریعت سے بے خبر ہیں، اور آپ شریعت کے حکیم مطلق ہیں۔ آپ کو کیا خبر کہ آپ کی اس تلخ نوائی نے کتنے دلوں کو گھائل کیا ہے کتنی روحیں مجروح ہو گئیں۔ عرش پر قدسیوں کا جگر پارہ پارہ ہو گیا فرش والوں کے دل سیماب ہو گئے۔ ان بے قرار اور زخمی دلوں پر اعلیٰ حضرت نے تسکین کا پھایہ رکھا، اور فرمایا۔

"تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا، تو اپنی طرف راہ دی"

صدر الافاضل مولینا نعیم الدین صاحب مراد آبادی تڑپ کر اسکی تفسیر میں یوں گویا ہوئے۔

"اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے اور علوم ما کان و مایکون عطا کئے۔ اپنی ذات و صفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عطا کیا مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے یہ بھی بیان کئے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور اپنے مراتب کی بھی خبر نہیں رکھتے تھے۔ تو آپ کو آپ کی ذات و صفات اور مراتب و درجات کی معرفت عطا فرمائی"

غیب تو جبریل و عزرائیل حضرت موسٰی و حضرت عیسٰے علیہ السلام وغیرہم کے لئے بھی حاصل ہے۔ اگر مقصد تخصیص پر اشکال تھا تو وہ اس شریفانہ طریقہ سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ لیکن دل میں جو عداوت رسول کا لاوا ابل رہا تھا وہ کس طرح پھٹتا اور اس خبث باطنی کا اظہار کیسے ہوتا۔ خوب یاد رکھیے جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے۔ جس کے دل میں کسی کے لئے عزت اور احترام ہوتا ہے وہ ہمیشہ اس کی اعلیٰ اور ارفع اشیاء سے تشبیہ دیتا ہے اور جو کسی کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔ وہ اس کو ارذل اور گھٹیا چیزوں سے تشبیہ دیتا ہے۔

علامہ بیضاوی انوار التنزیل ص ۳۷ ج ا طبع مصر میں فرماتے ہیں۔

والشرط فیہ وھو ان یکون علی وفق الممثل لہ من الجہۃ التی تعلق بھا التمثیل فی العظم والصغر والخستہ والشرف۔	اور مثال دینے میں شرط یہ ہے کہ وہ مثال۔ عظمت و حقارت اور ذلت و شرف میں مثل لہ کے موافق ہو

پس جس کے نزدیک علم رسالت میں عظمت ہے وہ فرماتا ہے

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ	ہم نے آپ کی طرف ایسی وحی کی ہے۔ جیسے حضرت نوح اور ان کے بعد والے انبیاء کی طرف وحی کی تھی۔

یعنی آپ کو بذریعہ وحی ایسا علم عطا فرمایا ہے۔ جیسے بذریعہ وحی انبیاء سابقین کو علم عطا فرمایا تھا۔ نیز نبی علیہ السلام کے علم کے بارے میں فرمایا۔

وکان فضل اللہ علیک عظیما۔	اور علم کی صورت میں آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

اور جو شخص بغض رسالت میں اندھا ہو چکا ہو وہ علم رسالت کے بارے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استعانت

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کی آیۃ کریمہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کی مندرجہ ذیل تفسیر ارقام فرمائی۔ ایاک نستعین میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ۔ ہر طرح اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات خدام واحباب وغیرہ سب عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہیئے۔ کہ اس پر نظر رکھے۔ اور ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارکن دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے۔ عقیدہ باطل ہے کیونکہ مقربانِ حق کی امداد امداد الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے۔ تو قرآن پاک میں اعینونی بقوۃ اور استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کیوں وارد ہوتا اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی۔ انتھی کلامہ

اس تفسیر پر مولوی سرفراز صاحب نے یہ شائستہ تبصرہ کیا۔ کہ جناب مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے" وہ بجائے خود قابل صد نفرین ہے (تنقید متین ص۳۸)

اختصاص استعانت کا مدار

مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی جو تفسیر ارقام فرمائی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ہر باب میں استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مختص ہے۔ خواہ مافوق الاسباب امور میں استعانت ہو یا ماتحت الاسباب امور میں

مدارک التنزیل میں اس آیت کے تحت ہے۔

واطلقت الاستعانة لتناول کل مستعان فیہ۔	استعانت کو مطلقاً ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ہر مستعان کو شامل ہو۔

خازن میں ہے۔

ای منك نطلب المعونة علی عبادتك وعلی جمیع امورنا۔	تیری عبادت اور باقی امور کی انجام دہی پر تجھ سے ہی طاقت طلب کرتے ہیں۔

جمل میں ہے۔

وعموم المھماة مستفاد عن حذف مفعول نستعین۔	حذف مفعول سے استعانت کے تمام امور کو شامل ہونے کا فائدہ حاصل ہوا۔

غور فرمایئے مفسرین کرام تو ہر قسم کی استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص فرما رہے ہیں۔ اور گکھڑ کے سرفراز صاحب نے صرف مافوق الاسباب امور میں استعانت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر کے قرآن کریم کی خالص تحریف کی ہے، چنانچہ تنقید متین ص۲۷ پر لکھتے ہیں۔ استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے۔ جو عادۃً اس کے بس میں اور اختیار میں ہو۔ اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے۔ انتھی

اور اس طرح سرفراز صاحب نے مجوسیوں کی طرح تقسیم کار کر لی ہے۔ کچھ کام خدا کے ساتھ خاص کر دیئے۔ اور کچھ بندوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو، یا بے واسطہ۔ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ بندوں کے ہاتھ پر امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ جو کچھ بھی ظاہر ہوتے ہیں ان کا خلق اور ایجاد اللہ تعالیٰ

ہی کا خاصہ ہے۔ اور بندوں کے ہاتھ سے جس قسم کے بھی امور ظاہر ہوں وہ صرف بلحاظ کسب بندوں سے صادر ہوتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالٰی کے ساتھ استعانت کے اختصاص اور عدم اختصاص کا مناط استقلال اور عدم استقلال ہے۔ نہ کہ امور مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب جیسا کہ سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی کی وجہ سے یقین کر لیا ہے۔

دیوبند کی شہادت

آیئے اب ہم آپ کے سامنے سرفراز صاحب کے شیخ الہند کی تفسیر سے شہادت پیش کرتے ہیں جس سے یہ امر ظاہر ہو جائیگا۔ کہ غیر اللہ سے استعانت کے جواز اور عدم جواز کا مدار استقلال اور عدم استقلال ہے نہ کہ امور مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب۔

دیکھئے مولوی محمود الحسن صاحب ایاک نستعین کے تحت اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اسکی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر مقبول بندے کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کی جائے۔ تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت اللہ تعالٰی سے ہی استعانت ہے۔ انتہٰی

سرفراز صاحب غیر اللہ سے جواز استعانت کا مدار امور ماتحت الاسباب کو قرار دیتے ہیں اور انکے شیخ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مستعان کو غیر مستقل سمجھنا اس کا مبنٰی ٹھہراتے ہیں۔ اب فرمایئے کس کا بیان کردہ مبنٰی صحیح ہے، اور کس کا غلط۔ اب اگر آپ صدر الافاضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مبنٰی کو غلط تحریف اور شرک کا چور دروازہ قرار دیتے ہیں۔ تو پھر اپنے شیخ سے

بھی ہاتھ دھو بیٹھئے اور ان پر بھی شرک کا فتویٰ لگائیے۔ اور اگر آپ کے شیخ کا بیان کردہ بھی صحیح ہے۔ تو پھر صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر مان کر اپنی غلطی سے رجوع اور بدعقیدگی سے توبہ کیجئے۔

من نہ گویم کہ ایں نہ کن آں کن ۔۔۔ مصلحت بیں و کار آساں کن

مافوق الاسباب امور میں رسول اللہ سے استعانت

مولوی سرفراز صاحب کا امور عادیہ میں ظاہری استعانت کو جائز قرار دینا اور غیر عادیہ میں ناجائز۔ دلائل عقلیہ و نقلیہ دونوں سے باطل اور مردود ہے۔ احادیث صحیحہ سے امور غیر عادیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد اور صحابہ کرام کی آپ سے استعانت ثابت ہے:-

عن یزید بن ابی عبید قال رأیت اثر ضربة فی ساق سلمة بن الاکوع فقلت یا ابا مسلم ماھذہ الضربة قال ضربة اصابتنی یوم خیبر فقال الناس اصیب سلمة فاتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنفث فیہ ثلاث نفثات فما اشتکیتھا حتی الساعة۔

رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۵۳۳

یزید بن ابی عبید سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر چوٹ کا نشان دیکھا میں نے ان سے پوچھا کہ اے ابومسلم یہ کیسی چوٹ ہے۔ انہوں نے کہا کہ یوم خیبر کو مجھے شدید چوٹ لگی یہانتک کہ لوگوں نے کہا کہ سلمہ شہید ہو گئے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا۔ آپ نے تین دفعہ دم فرمایا (اور اس دم کی برکت سے) مجھے آجتک تکلیف نہیں پہنچی۔

نیز مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۰ پر ہے۔

عن عثمان بن عبد اللہ بن موھب قال ارسلنی اھلی الی ام سلمة بقدح

عثمان بن عبداللہ بن موہب سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے

من ماء وكان اذا اصاب الانسان عين او شيئ بعث اليها مخضبه فاخرجت من شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تمسكه فى جلجل من فضة فخضخضته له فشرب۔ منه الحديث (بخاری)

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پانی کا ایک پیالہ دیکر بھیجا، اور لوگوں کی عادت تھی کہ جب کسی شخص کی آنکھ میں یا کسی اور جگہ زخم پہنچتا تو آپکے پاس تغار دے کر بھیجتے۔ پس ام المومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک نکالتیں جنہیں وہ گھنٹی کی شکل کی ایک چاندی کی ڈبیا میں رکھا کرتی تھیں پس وہ اس ڈبیا کو پانی میں ڈال کر نکالتیں پس وہ شخص اس پانی کو پیتا۔ (بخاری)

مشکواۃ شریف صـ۳۷۲ پر ہے۔

عن اسماء بنت ابی بکر انها اخرجت جبة طیالسیة کسروانیة لها لبنة دیباج و فرجیها مکفوفین بالدیباج وقالت هذه جبة رسول الله صلى الله علیه وسلم كانت عند عائشة فلما قبضت قبضتها وكان النبي صلى الله عليه يلبسها فنحن نغسلها للمرضى نستشفى بها (رواه مسلم)

اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا جس کا ریشمی گریبان تھا، اور اسکی دونوں جانبیں بھی ریشمی تھیں۔ اور فرمانے لگیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ جو حضرت عائشہؓ کے پاس تھا پس جب انکی وفات ہوگئی تو میں نے اُسے حاصل کر لیا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہنا کرتے تھے پس ہم بیماروں کے لئے اسے دھوتے ہیں اور اسی جبہ کے توسل سے ان کے لئے شفا طلب کرتے ہیں (مسلم)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کے پہنے ہوئے کپڑوں آپ کے بالوں اور آپکی پھونک سے لوگ شفا حاصل کرتے تھے اب غور طلب امر یہ ہے

کہ لباس بال اور پھونک حصول شفا کے لئے سبب عادی ہیں یا غیر عادی ظاہر ہے کہ اللہ تعالے نے عادۃً لباس بال اور پھونک کو حصولِ شفا کیلئے پیدا نہیں فرمایا۔ اور اگر عادۃً ان کی خلق حصول شفا کیلئے ہوتی۔ تو چاہیئے تھا کہ ہر ایک کے لباس اور بال اور پھونک سے شفا حاصل کی جاتی جس طرح عادتاً جڑی بوٹیوں اور دواؤں کی خلق حصول شفا کیلئے ہے۔ اور وہ شفا کیلئے سبب عادی ہیں۔ اسی طرح لباس وغیرہ حصول شفا کیلئے ہرگز سبب عادی نہیں ہیں۔ اور اس میں رتی برابر بھی شبہ نہیں ہے۔ پس آپ کے لباس وغیرہ سے صحابہ کرام کا شفا حاصل کرنا اور اپنی بیماریوں اور تکلیفوں میں نبی علیہ السلام کی طرف مراجعت کرنا اور آپ سے مدد چاہنا مافوق الاسباب امور میں استعانت ہے۔

اگر سرفراز صاحب کی کلی قبول کر لی جائے۔ تو سلمہ بن اکوع کو چاہیئے تھا کہ پنڈلی ٹوٹ جانے کے بعد وہ کسی جراح کے پاس جاتے۔ کیونکہ علاج کیلئے طبیب اور جراح وغیرہ سبب عادی ہیں۔ اور اگر انہوں نے سرفراز صاحب کا مزعوم شرک کر ہی لیا تھا۔ تو نبی علیہ السلام کو چاہیئے تھا کہ آپ فرماتے میرے پاس ٹوٹی ہوئی ٹانگ لیکر کیوں آئے ہو۔ میں تو کسی کو نفع وضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اور نہ اس کا سبب عادی ہوں۔ تم نے علاج معالجہ کے لئے مافوق الاسباب طریقہ کو اختیار کر کے شرک کیوں کیا؟ اچھی طرح جان لو کہ میرا کام تو فقط تم تک احکامِ شرعیہ پہنچا دینا ہے اور بس!

سرفراز صاحب آنکھیں کھول کر اور ہوش میں آکر جواب دیجئے کہ آپ کی تحقیق کے مطابق یہ صحابہ مشرک ہوئے یا نہیں۔ اور اگر آپ رافضیوں کی طرح صحابہ پر بھی ہاتھ صاف کر دیں۔ تو پھر بتلائیے کہ آپ کی تحقیق کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا حکم عائد ہو گا۔ جنہوں نے آپ کے اس مذموم شرک کی

مذمت نہیں کی۔ اور اگر آپ عناد فطری کی وجہ سے رسول اللہ پر بھی جرأت کریں۔ تو اللہ تعالیٰ پر کیا حکم لگائیے جس نے رسول اللہ کو شرک کی مذمت نہ کرنے پر تنبیہ نہ کی۔ بلکہ رسول اللہ کے دم میں شفا کا اثر رکھ کر الٹا اس شرک کی تائید کی ہے

ساقی کا احترام تو لازم تھا اے صبا ہر ہر قدم پہ لغزش بے جا نہ کیجئے

خلق اور کسب

اس مقام پر یہ حضرات کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ توہنی کا معجزہ ہے۔ اور معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ یہ محض دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ نبی کا معجزہ ہو یا ولی کی کرامت یا عام لوگوں کے افعال سب کا حقیقتہً خالق اور فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بندوں کی طرف ان تمام افعال کی نسبت خواہ عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ محض ظاہری اور صوری طور پر ہوتی ہے۔ لہٰذا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق یا کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بداہتہً باطل ہے۔ افعال عادیہ میں بندوں کی طرف نسبت تو مولوی سرفراز صاحب کو بھی تسلیم ہے۔ اب ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں افعال غیر عادیہ کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے۔

قال الذی عندہٗ علم من الکتٰب انا اٰتیك بہ قبل ان یرتد الیك طرفك (نمل) جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اس علم والے نے (اس جن سے) کہا کہ اسکو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر کھڑا کر سکتا ہوں۔ ملخص ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی۔

قال انما انا رسول ربك لاھب لك غلامًا زکیا۔ (مریم) فرشتے نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تمکو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔

انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ (آل عمران)

میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر اس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ (جاندار) پرندہ بن جاتا ہے خدا کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص (جذام) کے بیمار کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے

مذکورہ بالا آیت میں افعال غیر عادیہ کا اسناد مخلوق کی طرف کیا گیا ہے اور ان تمام آیات کا ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے ترجمہ سے لیا گیا ہے۔ تاکہ مخالفین کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے حقیقت یہ ہے کہ عام افعال کی طرح معجزات اور کرامات کے ساتھ بھی دو قدرتیں متعلق ہوتی ہیں ایک انبیاء اور اولیاء کی قدرت بلحاظ کسب کے اور ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت بجہت خلق اور ایجاد کے پس نبی علیہ السلام کا دم کرنا۔ انگلی سے اشارہ کرنا دعا کیلئے ہاتھ اُٹھانا یہ کسب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تکلیف دُور کر دینا۔ چاند شق کر دینا۔ سورج پلٹا دینا یہ خلق ہے۔ اور ان افعال کا اسناد نبی علیہ السلام کی طرف بلحاظ کسب ہے۔ اور اللہ عزمجدہ کی طرف بلحاظ خلق ہے۔ اور جس طرح عوام البشر کی قدرت اختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح خواص البشر اور اولیاء اللہ کی قدرت میں افعال غیر عادیہ ہوتے ہیں۔ سرفراز صاحب کا صرف امور عادیہ میں بندوں سے استعانت جائز رکھنا علمی بے مائیگی اور بصیرت سے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

سرفراز صاحب کی مبحث شرک میں پہلی غلطی۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادةً اس کے بس اور اختیار میں ہو۔ اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے۔ اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں (تنقید متین ص۲)

ہم پوچھتے ہیں کہ یہاں بس اور اختیار سے کیا مراد ہے۔ علیٰ وجہ الایجاد یا علیٰ وجہ الکسب۔ برتقدیر اول یہ خود شرک ہے۔ اور برتقدیر ثانی عادةً کی قید لگانا باطل ہے۔ کیونکہ امور غیر عادیہ بھی علیٰ وجہ الکسب بس اور اختیار میں ہوتے ہیں۔ پھر ان میں استعانت کیونکر ناجائز ہوگی جبکہ ان امور غیر عادیہ میں بھی استعانت دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔

مافوق الاسباب امور میں استعانت کا قرآن سے ثبوت

سورۂ نمل میں اللہ تعالیٰ سلیمان علیہ السلام کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

قال یایها الملؤا ایکم یاتینی بعرشها قبل ان یاتونی مسلمین قال عفریت من الجن انا اتیك به قبل ان تقوم من مقامك وانی علیه لقوی امین قال الذی عندہٗ علم من الکتاب انا اتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك (سورۂ نمل)

حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا اے اہل دربار تم میں سے کون ہے جو تخت بلقیس کو میرے پاس پہنچا دے اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر آئیں۔ ایک قوی ہیکل جن نے کہا آپ کے مجلس سے اٹھنے سے پہلے میں اسے حاضر کر سکتا ہوں اور میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانتدار بھی ہوں اور جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں اسے آپکی پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر سکتا ہوں۔

تخت کو آن واحد میں مسافت کثیرہ سے منتقل کر دینا ایک ایسا خرقِ عادت ہے۔ کہ قوی ہیکل جن بھی باوجود بے پناہ طاقت کے اس پر قادر نہ تھا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی خرقِ عادت کو اہل دربار سے طلب کیا۔ سرفراز صاحب کہتے ہیں کہ ما فوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت کرنا شرک ہے۔ تو اب فرمائیے کہ آپ کے اس فتوی کی براہِ راست زد حضرت سلیمان علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑتی ہے یا نہیں۔ بتلائیے قرونِ ثلاثہ میں بھی کیا انبیاء علیہ السلام کو معاذ اللہ مشرک قرار دیا جاتا تھا۔ یا یہ خانہ ساز بدعت صرف دیوبند کی اختراع ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ علماء حق کو ابناء بدعت کی دشنام پر صبر کرنا چاہئے۔ جو لوگ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی (معاذ اللہ) مشرک بنانے سے نہیں چوکتے۔ وہ اگر علماء حق کو مشرک وغیرہ کہیں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں ؎

خونِ دل خونِ تمنا خونِ شوق　　　آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا

(نوٹ) یہاں پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیٰ نبینا علیہ السلام کا خدام سے اس امر کو طلب کرنا ان کی شان میں کمی کا موجب ہے کیونکہ خدام سے کوئی خدمت لینا انہیں خدمت کا موقعہ دینا اور انہیں شرف نصرت عطا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمے کنی　　　منت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا من انصاری الی اللہ میرا مددگار کون ہے۔ ثانیاً اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جن کے خدام کی طاقت اور وسعت اختیار کا یہ عالم ہے۔ تو ان کے آقا کی شان کا کیا عالم ہوگا۔ ثالثاً اس میں یہ اشارہ ہے کہ امور ما فوق الاسباب میں استعانت جائز ہے۔ ورنہ حضرت

سلیمان علیہ السلام اہل دربار سے کیوں فرماتے کہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے تخت حاضر کرو جبکہ پلک جھپکنے سے پہلے اتنے بڑے بھاری تخت کو مسافت بعیدہ سے لے آنا انسان کی عادت تو درکنار قوی ہیکل جن کے بس میں بھی نہ تھا۔ رہا تھا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ کرم الٰہی سے یہ تصرفات اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتے ہیں۔

اب ہم آپ کے سامنے شرح عقائد نسفی سے علامہ نسفی اور علامہ تفتازانی کا کلام پیش کرتے ہیں۔ جو اس مقصد پر نص صریح ہے کہ تخت بلقیس کو آن واحد میں لے آنا مافوق الاسباب امور سے ہے۔

وکرامات الاولیاء حق فیظھر الکرامۃ علی طریق نقض العادۃ للولی من قطع المسافۃ البعیدۃ فی المدۃ القلیلۃ۔

اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں پس ولی کی کرامت خرق عادت (مافوق الاسباب) طریقہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مسافت بعیدہ کو مدت قلیلہ میں طے کرلے۔

اس کی شرح میں علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

کاتیان صاحب سلیمان علیہ السلام وھو آصف بن برخیا علی الاشھر بعرش بلقیس قبل ارتداد الطرف مع بعد المسافۃ (شرح عقائد نسفی ص ۱۴۲)

مثلاً صاحب سلیمان علیہ السلام آصف بن برخیا کا تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے مسافۃ بعیدہ سے لے آنا۔ قول مشہور یہی ہے۔

بعید نہیں کہ گکھڑ کے محقق کو یہ شبہ لاحق ہو کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف مذکور تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ پس ہمارے لئے یہ کس طرح حجت ہوگا۔ جواباً عرض ہے کہ شرائع سابقہ کے جن واقعات کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم بغیر انکار کے بیان فرمائیں۔ وہ حقیقت

میں ہماری ہی شریعت ہے۔ اور اس کے حجت ہونے میں رتی برابر بھی شبہ نہیں۔ دیکھئے قمر الاقمار علی ہامش نور الانوار ص۲۱۶ پر مولانا عبد الحلیم صاحب لکھنوی فرماتے ہیں۔

ان ھذہ الشرائع انما تلزمنا اذا قصھا اللہ ورسولہ من غیر انکار کقولہ تعالیٰ وکتبنا علیھم ای علی الیھود فی التوراۃ ان النفس بالنفس الخ

شرائع سابقہ ہمیں اس وقت لازم ہو جاتی ہیں جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بغیر انکار کے بیان فرمائے جس طرح وجوب قصاص کا حکم قرآن کی آیت کریمہ ان النفس بالنفس سے ثابت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں نازل کیا تھا۔ اور پھر اس کا بیان قرآن کریم میں فرمایا پس یہ حکم ہم پر لازم ہو گیا۔

اسی طرح امور مافوق الاسباب میں تصرف کا یہ واقعہ اگرچہ دور سلیمان علیہ السلام ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا بغیر انکار کے قصہ بیان فرمایا۔ تو یہ شرعی حجت قرار پایا۔ اور علماء متکلمین نے اس آیت سے کرامات اولیاء پر استدلال کیا۔ نیز جب اسرائیلی اولیاء کو مافوق الاسباب امور پہ قدرت عطا کی ہے۔ تو اس امت کے اولیاء کو یہ اعزاز کیوں نہ حاصل ہو گا۔ جس کے سر پر اللہ تعالیٰ نے کنتم خیر امۃ کا تاج رکھا ہے۔ اور اسے جعلنٰکم امۃ وسطا کی دستاویز عطا فرمائی ہے۔

اب ہم مولوی سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب مافوق الاسباب امور میں استعانت شرک ہے۔ تو انبیاء کرام اس شرک کو کیوں کرتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بلا انکار اس کا ذکر کیوں کیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس استعانت پر مواخذہ کیوں نہیں ہوا؟ وہ قرآن جو الحمد سے لیکر والناس تک شرک کی تردید میں نازل ہوا۔ وہ اس شرک کی کیوں تائید کر رہا ہے۔ اور اب آپ خدا لگتی دلیل

پر کیا فتویٰ لگائیں گے جو آپ کے نزدیک اس خالص شرک کی تائید کر رہا ہے

؎ آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

یہ تو مافوق الاسباب امور میں زندوں سے استعانت تھی۔ آئیے۔ اب مافوق الاسباب امور میں ان سے استمداد پیش کریں جنہیں مولوی سرفراز صاحب زندہ نہیں سمجھتے۔ مافوق الاسباب امور میں استعانت کا حدیث سے ثبوت۔

مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۵ پر ہے۔

وعن ابی الجوزاء قال قحط اهل المدینه قحطا شدیدا فشکوا الی عائشة رضی الله تعالی عنها فقالت انظروا قبر النبی صلی الله علیه وسلم فاجعلوا کوی الی السماء حتی لا یکون بینه وبین السماء سقف ففعلوا فمطروا مطرا حتی نبت العشب وسمنت الابل حتی تفتقت من الشحم فسمی عام الفتق (رواه الدارمی)

ابو جوزاء سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ (زادہا اللہ شرفا) میں سخت قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی آپ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی جانب سوراخ کر دو یہاں تک کہ قبر اطہر اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور اس زور کی بارش ہوئی کہ خوب سبزہ پیدا ہوا اور اونٹ فربہ ہو گئے اور ان کی چربی پھٹی جاتی تھی۔ اور اس سال کو لوگ خوشحالی کا سال کہنے لگے۔ (رواہ دارمی)

اس حدیث کو دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نشر الطیب کے ص ۲۰۳ پر ذکر کیا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس یہ لوگ بارش کی شکایت لیکر کیوں گئے۔ براہ راست خدا سے دعا کیوں مانگی اور اگر

انہوں نے یہ شرک کر ہی لیا تھا تو پھر ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چاہیے تھا کہ انہیں نماز استسقاء پڑھنے کا حکم دیتیں۔ جو طریقہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھا۔ قبر انور کو آسمان کے بالمقابل کرنے کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس حدیث سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین تھا کہ اگر قبر شریف آسمان کے بالمقابل ہو جائے تو اس وقت بارش ہو جائے گی۔ ورنہ نہیں اور اگر ام المؤمنین نے سرفراز صاحب کے اس خود ساختہ شرک کا حکم دے ہی دیا تھا تو جنہیں حکم دیا تھا تو وہ بھی تو صحابہ اور تابعین تھے۔ انہوں نے اس گمراہی پر ام المؤمنین کی (العیاذ باللہ) اصلاح کیوں نہ کی۔

ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس امر تکوینی یا امر مافوق الاسباب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر سے استعانت کی ہے۔ اور آپ امور تکوینیہ اور مافوق الاسباب امور میں استعانت کو شرک کہتے ہیں۔ پھر آپ کا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا فتویٰ ہوگا؟ اور خیر القرون کے ان نفوس قدسیہ کے بارے میں کیا حکم ہوگا۔ جنہوں نے بارش ہونے نہ ہونے کا مدار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو اعتقاد کر لیا تھا ؎ کچھ تو کہئیے کہ لوگ کہتے ہیں

معلوم ہوا کہ خیر القرون میں مافوق الاسباب امور میں استعانت کو جائز سمجھا جاتا تھا اور یہی انبیاء علیہم السلام اور صلحاء عظام کا طریقہ ہے۔

شامی کی عبارت سے مافوق الاسباب امور میں استعانت کا جواز

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مذہب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے ان اولیاء اللہ کے مختصر تراجم نقل کرتے ہیں جنہوں نے مذہب ابی حنیفہ اختیار کیا چنانچہ حضرت معروف کرخی کے حالات بیان کرتے ہوئے

ردالمحتار ص۳۹ جلد ا پر فرماتے ہیں۔

من المشائخ الکبار مجاب الدعوۃ یستسقی بقبرہ مات ۲۰۰ھ

حضرت معروف کرخی عظیم شائخ میں سے تھے۔ مجاب الدعوات تھے اور ان کی قبر سے بارش طلب کی جاتی تھی اور انہوں نے ۲ صدی ہجری میں وفات پائی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ علامہ شامی کے نزدیک مذہب حنفی کی عظمت وجلالت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس مذہب کے پیروکار مرجع انام تھے۔ ان کی شخصیات تو الگ رہیں۔ وصال کے بعد لوگ ان کی قبور سے بھی استعانت کیا کرتے تھے۔ بریلویوں کو قبر پرستی کا طعنہ دینے والے دیدۂ عبرت سے اس عبارت کو پڑھیں اور غور کریں کہ قبر کے نزدیک دعا مانگنے سے بارش کا حاصل ہو جانا سبب عادی ہے یا غیر عادی؟ اگر سبب عادی ہے تو ہر قبر کے پاس دعا مانگنے سے بارش کیوں نہیں ہوتی اور معروف کرخی کے پاس دعا مانگنے سے بارش کے حصول میں ان کی کیا خصوصیت باقی رہی اور علامہ شامی کا اسے ان کے فضائل میں ذکر کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔ جس طرح آگ حرارت کے لئے سبب عادی ہے۔ اور ہر آگ سے حرارت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہر قبر کے پاس دعا کرنے سے بارش کیوں نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ سبب عادی نہیں تو پھر آپ کی کلی ٹوٹ گئی اور ثابت ہوا کہ مافوق الاسباب امور میں بھی غیر اللہ سے استعانت جائز ہے۔ نیز اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اپنی حاجات اور مشکلات میں قبر پر جا کر دعا مانگنا اور صاحب قبر کو وسیلہ بنانا یہ عہد صحابہ تابعین اور اتباع ابی حنیفہ کے معمولات ہیں۔ یا چودھویں صدی کی بدعت ہے۔ ؎

آپ دیکھیں تو سہی ربط محبت کیا ہے
اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے سے

حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی چیز بدعت ہے۔ تو وہ ما فوق الاسباب اور ماتحت الاسباب امور میں جواز اور عدم جواز کے لحاظ سے فرق کرنا ہے۔ تصرفات اولیاء اللہ کا انکار بدعت ہے۔ کمالات انبیاء سے عناد بدعت ہے۔ اسباب شرک میں افراد زمان و مکان کا فرق کرنا بدعت ہے۔ اللہ تعالےٰ کے لئے امکان کذب کا عقیدہ ایجاد کرنا بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل تنقیص وہابیہ اور اسماعیلی بدعت کے فرزندوں کو سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔

سرفراز صاحب کی شرک کی بحث میں دوسری غلطی

مولوی سرفراز صاحب نے شرک کی تعریف میں زندہ اور پاس ہی موجود شخص کی دو قیدیں اور بھی لگائیں ہیں۔ اور ان قیود کے احتراز کا فائدہ وہ خود اپنے کلام میں ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ صـ ۲۹ پر فاعینونی بقوۃ کے تحت لکھتے ہیں یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرت انبیاء اولیاء شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب۔ ان سے اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے۔ جس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور شریعت حقہ اس کیلئے وقف ہے۔ اس ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا ما فوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا۔ اور عوام الناس کو مغالطہ دینا جیساکہ مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے۔ اہل علم کی شان نہیں ہے انتہیٰ

مولوی سرفراز صاحب کی اس عبارت میں کئی وجہ سے بحث ہے۔ اولاً یہ کہ اعینونی سے جو خاص استعانت ثابت ہے۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس سے مطلق استعانت ثابت نہیں ہوتی۔ ان کے علمی افلاس کا اظہار کر رہا ہے۔ اہل علم پر مخفی نہیں کہ مطلق الشئی یتحقق بتحقق فرد ما۔ پس مطلق استعانت

استعانت کے ایک فرد کے تحقق سے متحقق ...... ہو جائے گی۔ ثانیاً یہ کہ مولوی سرفراز صاحب نے زندہ اور قریب سے ماتحت الاسباب امور میں استعانت کو جائز قرار دیا اور میت بعید اور مافوق الاسباب امور میں استعانت کو شرک کہا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ امور ماتحت الاسباب میں استعانت مطلقاً جائز ہے یا من حیث اعتقاد عدم استقلال المستعان بر تقدیر اول لازم آئیگا۔ کہ اگر کوئی شخص امور ماتحت الاسباب میں مستعان کو مستقل بالذات سمجھ کر اس سے استعانت کرتے تو یہ بھی جائز قرار پائے ۔حالانکہ اس کے شرک ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ و بر تقدیر ثانی یعنی اگر امور ماتحت الاسباب میں من حیث عدم استقلال بالذات استعانت جائز ہو تو ثابت ہُوا کہ جواز اور عدم جواز کا مدار مستعان کو مستقل بالذات سمجھنے پر ہے۔ نہ کہ محض امور ماتحت الاسباب پر۔ کیونکہ وہ تو شق اول میں بھی موجود ہے۔ اور شرک سے مفر نہیں پس بحمداللہ ثابت ہو گیا۔ شرک تب ہو گا کہ مستعان کو مستقل بالذات سمجھ کر استعانت کی جائے۔ خواہ زندہ ہو یا مُردہ۔ قریب ہو یا بعید اور ماتحت الاسباب امور میں استعانت ہو یا مافوق الاسباب میں۔ ورنہ سرفراز صاحب نے جو شرک اور عدم شرک کی بناء قائم کی ہے۔ کہ زندہ سے استعانت کی جائے تو جائز اور مردہ سے کی جائے تو شرک قریب سے کی جائے۔ تو جائز بعید سے کی جائے تو شرک پس اس سے لازم آئیگا کہ زندہ کو سجدہ کرے تو جائز مردہ کو کرے تو شرک۔ زندہ کے نام پر جانور ذبح کرے تو جائز مُردہ کے نام پر کرے تو شرک۔ زندہ کو خدا کہے تو جائز، اور مُردہ کو کہے، تو ناجائز۔ قریب کو مالک ارض وسما کہے تو جائز بعید کو کہے تو شرک، قریب کے لئے نماز پڑھے۔ تو جائز، بعید کیلئے پڑھے تو شرک (ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)

ان نادانوں کو آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ شرک کس کو کہتے ہیں۔ اور ان کی خود ساختہ توحید درحقیقت انہیں کس طرح شرک کی دلدل میں پھنسا دیتی ہے۔ کہ انہوں نے میت اور بعید سے استعانت کو شرک کہہ کر کروڑوں زندہ اور قریب افراد کو خدا کا شریک بنا دیا اور یہ تمام ٹھوکریں مولوی سرفراز صاحب کا مقدر اس لئے بن گئیں کہ انہوں نے شرک کا خود ساختہ معنیٰ مقرر کیا۔

جسے چاہیں اُسے حق مانتے ہیں
جسے چاہیں خطا گردانتے ہیں

اور متقدمین کی تعریف کو اختیار نہ کیا۔ دیکھئے شرح عقائد نسفی ص۵۶ پر ہے:۔

الاشراك هو اثبات الشريك في الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام۔	اشراک مجوس کی طرح کسی کو الوہیت میں بمعنی وجوب وجود کے شریک کرنا ہے۔ یعنی خدا کو کسی کے سوا الٰہ اور واجب الوجود اعتقاد کیا جائے یا بُت پرستوں کی طرح کسی کو مستحق عبادت سمجھا جائے:۔

حقیقت یہ ہے کہ جو امر شرک ہو اس میں زمان و مکان اور افراد کی تخصیص نہیں ہُوا کرتی۔ جو چیز شرک ہو' وہ ہر شخص کیلئے شرک ہوگی' ہر جگہ شرک ہوگی۔ ہر وقت شرک ہوگی۔ مثلاً سجدہ عبودیت شرک ہے۔ پس جس جگہ جس وقت اور جس شخص کے لئے سجدہ عبودیت کیا جائے۔ وُہ شرک ہوگا۔ یہ نہیں کہ کوئی امر پہلے زمانہ میں شرک نہ ہو۔ اور اب شرک ہو جائے۔ یا زید کو عبودیت کا سجدہ کریں۔ تو شرک ہو۔ اور عمرو کو کریں تو نہ ہو۔ پس زندہ سے استعانت کا جائز ہونا اور مُردہ سے استعانت کا شرک

ہونا ایک ابلیسی منطق ہے۔ جو کسی دیندار اور ہوشمند کی عقل میں نہیں آئے گی۔

دراصل مولوی سرفراز صاحب نے یہ سبق اکابر دیوبند سے سیکھا ہے۔ چنانچہ خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ صا۵ پر لکھا ہے۔

"علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہے۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے۔ کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

سوال یہ ہے کہ جب علم محیط زمین غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا جائے۔ پھر بھی شرک ہے اور ابلیس اور ملک الموت کیلئے ثابت کیا جائے۔ پھر بھی شرک ہے۔ یہ کونسا قاعدہ ہے کہ جو چیز شرک ہو اس کا ابلیس کے لئے اثبات جائز ہو اور حضور علیہ السلام کے لئے ناجائز۔ کیا ان کے زعم فاسد میں ابلیس کو خدا کا شریک ماننا جائز ہے۔ اور حضور علیہ السلام کو ناجائز۔ مولوی انبیٹھوی نے تو جہاں اپنا ٹھکانا بنانا تھا۔ بنا چکے۔ اب سرفراز صاحب ہی اس معمے کو حل کر دیں۔ بلکہ مولوی انبیٹھوی کے تمام اذناب اور مولوی سرفراز صاحب کے تمام اعوان و انصار مل کر ہی یہ پرانا قرضہ چکا دیں۔ نصف صدی سے زیادہ بیت چکی۔ اعلیحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض مولوی انبیٹھوی پر قائم کیا تھا۔ اور آجتک ذریت دیوبند اس کا جواب نہ دے سکی۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

اب ہم شرک کی اس تعریف کو جو مولوی سرفراز صاحب کے معتمد علیہ شاہ ولی اللہ صاحب نے الفوز الکبیر میں ذکر کی ہے۔ نقل کرتے ہیں جس کو مولوی سرفراز صاحب نے بڑے دھڑلے سے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

والشرک ان یثبت لغیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ شیئا من صفاتہ المختصۃ بہ (الفوز الکبیر)	شرک یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ کی صفات مختصہ میں سے کوئی صفت اسکے غیر کے لئے ثابت کی جائے:۔

اور خاصہ کہتے ہیں کہ ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہٖ۔ یعنے جو صفت جس کا خاصہ ہو اس میں پائی جائے ، اور اس کے غیر میں نہ پائی۔ اب غور فرمائیے۔ مولوی سرفراز صاحب کہتے ہیں ، مردہ سے استعانت شرک۔ بعید سے استعانت شرک۔ اور مردہ اور بعید سے استعانت شرک تب ہوگی۔ جبکہ یہ خدا کی صفت مختصہ ہو۔ پس مولوی سرفراز صاحب کے عقیدہ فاسدہ پر لازم آیا۔ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ مردہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھوالحی القیوم اور خاکت بدہن۔ اللہ بعید ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ شارح عقائد اور صاحب الفوز الکبیر کے کلام سے یہ امر ظاہر ہوگیا کہ شرک کا مدار تین امروں پر ہے۔ خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود سمجھا جائے ، یا اس کو مستحق عبادت اعتقاد کرے ، یا اللہ کی صفات مختصہ مثلاً علم ذاتی ایجاد اور قدرت ذاتیہ میں سے کوئی صفت غیر کے لئے ثابت کرے۔ اور چونکہ یہ اہم نکات مولوی سرفراز صاحب کی نگاہ سے اوجھل رہے۔ اسی لئے انہوں نے اس باب میں بے سروپا باتیں کیں۔ مثلاً اسی بحث میں ص۳۳ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"جملہ مشرکین غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے۔ مگر اس کو مستقل سمجھ کر استعانت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ ان کو عون الٰہی اور امداد الٰہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کرتے تھے۔ اور یہی شرک کی حقیقت ہے ، کیونکہ دنیا میں کسی مشرک

نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا۔ بایں طور اس کو واجب الوجود تسلیم کیا ہو۔ اور قدرت و طاقت کا بالاستقلال منبع اس کو یقین کر لیا ہو۔ بلکہ مشرکین عطائی اختیارات کے تحت ہی ان سے استعانت کرتے تھے۔"

مولوی سرفراز صاحب کی یہ عبارت کئی وجہ سے مردود ہے۔ اولاً اس لئے کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا کہ دُنیا میں آجتک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں مانا۔ حالانکہ ہم ابھی شرح عقائد سے نقل کر چکے ہیں۔

الاشراک ھو اثبات الشریک فی الالوھیۃ بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس الخ اس عبارت کا صریح منطوق یہ ہے کہ مجوس دو واجب الوجود مانتے تھے۔ چنانچہ نبراس ص ۲۶۵ پر اس کے تحت ہے۔

فانھم یعتقدون الٰھین یزدان خالق الخیر واھرمن خالق الشر۔ ان کے علاوہ کواکب پرستوں کی ایک جماعت بھی کواکب کے واجب الوجود ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی۔ دیکھئے تفسیر کبیر میں وجعلوا للہ شرکاء الجن کے تحت امام رازی ارقام فرماتے ہیں۔

من المشرکین الذین یقولون	بعض مشرکین میں سے وہ ہیں جو کہتے
مدبر ھذا العالم ھو الکواکب	ہیں کہ اس عالم کے مدبر کواکب ہیں پھر
وھؤلاء فریقان منھم یقول انھا	انکے دو فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہیں جو کہتے
واجبۃ الوجود لذواتھا۔ الخ	ہیں یہ کواکب واجب الوجود ہیں۔

ثانیاً اس لئے کہ اس عبارت میں مولوی سرفراز صاحب نے عطائی اختیارات مان کر استعانت کرنے کو بھی شرک قرار دیا ہے۔ اور چند سطر بعد الفوز الکبیر سے شرک کی تعریف اس طرح نقل کی۔ والشرک ان یثبت لغیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ

شیئا من صفاته المختصة یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے کسی ایک صفت کو بھی غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

پس اس تعریف کے مطابق عطائی اختیارات والے سے استعانت تب شرک ہوگی۔ جب عطائی اختیارات اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہوں اور جب اللہ تعالےٰ کے لئے عطائی اختیارات ثابت ہوئے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ مخلوق کے اختیارات ذاتی ہیں۔ یا عطائی بر تقدیر اول مخلوق کا خالق پر غالب ہونا لازم آئیگا اور بر تقدیر ثانی خدا کے غیر متناہی شرکاء لازم آئیں گے۔ فرمن المطر وقام تحت المیزاب۔ سبحان اللہ یہ ہے اہل دیوبند کی توحید جسے ثابت کرنے کیلئے وہ تمام مسلمانوں کو مشرک بناتے پھرتے ہیں۔ ثالث نقض تفصیلی ہے۔ اور اسکی تقریر یہ ہے کہ مشرکین کی استعانت اس وجہ سے شرک نہیں تھی کہ وہ عطائی اختیارات والوں سے استعانت کرتے تھے کہ سرفراز صاحب کے ناپاک اعتقاد کی گنجائش نکل سکے۔ بلکہ ان کی استعانت اس لئے شرک تھی۔ کہ وہ مستعان کو باوجود غیر مستقل اور ممکن ماننے کے مستحق عبادت سمجھتے تھے۔ جیساکہ ابھی شرح عقائد سے گذرا۔ او بمعنی استحقاق العبادۃ کما العبدۃ الاصنام اور ان کے اصنام کو مستحق عبادت سمجھنے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ مشرکین کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ — ہم ان بتوں کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ یہ ہمکو اللہ کے قریب کردیں۔

تنقید صفحہ ۹۳ پر سرفراز صاحب صدر الافاضل علیہ الرحمۃ پر تبرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں ــ " ساتھ ہی ساتھ بعض عبارتوں میں مولوی صاحب کے ذہن کی عدم صفائی اور ناہمواری بھی آشکارا ہوجاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نشہ میں

سرشار کوئی ملنگ ہے جو بے تکیاں ہانک رہا ہے۔ انتہی۔ اسلئے ضروری ہے کہ ضروری ہے کہ سرفراز صاحب کو آئینہ دکھایا جائے تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ نشہ میں دھت ہو کر لکھنے کون بیٹھا ہے ۔ ۔

ہم اگر بات کریں گے تو شکائت ہوگی

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قلم کو شراب میں ڈبو کر لکھا ہے۔ اس لئے ان کا آوارہ قلم اس باب میں بار بار بہکا ہے۔ پہلے تو امور مافوق الاسباب میں استعانت کو شرک قرار دیا۔ پھر مطلقاً عون الٰہی کے مظہر ہونے کو شرک کہا۔ آگے چل کر عطائی اختیارات سے استعانت کو بھی شرک بنا ڈالا۔ چلئے چھٹی ہوئی۔ اب مافوق الاسباب ہوں یا ماتحت الاسباب۔ مستعان زندہ ہوں یا مردہ۔ قریب ہوں یا بعید جن کیلئے بھی عطائی اختیارات مانے جائیں شرک لازم آئیگا۔ اور ذاتی اختیار مان کر غیر اللہ سے استعانت کی جائے۔ تو مولوی سرفراز کی تعریف کے تحت شرک نہ ہوگا۔ خواہ مخلوق کا خالق پر تفوق ثابت ہو جائے۔ غور فرمائیے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل پر طعن کرنے والے کسی قدر علمی بے مائیگی کا شکار ہیں ۔

صاحب مالا بدمنہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی

شرک کی بحث میں مولوی سرفراز نے مالا بدمنہ صا سے ایک عبارت نقل کی ہے ۔

الشرك هو اعتقاد ان لغير الله اثرا فوق ما وهبه الله من الاسباب الظاهرة وان لشئ من الاشياء سلطانا عما خرج عن قدرة المخلوقين۔ اور اس عبارت کے ظاہری ترجمہ سے یہ تاثر دینے کی سعی مذموم کی ہے کہ امور مافوق الاسباب میں استعانت شرک ہے۔ اول تو عبارت میں

سرے سے کہیں استعانت کا ذکر نہیں۔ مولوی سرفراز نے بددیانتی سے کام لے کر محض اپنا عقیدہ باطلہ ثابت کرنے کے لئے اس عبارت میں استعانت کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی ہے۔ ثانیا یہ کہ عبارت کا مفاد محض یہ ہے۔ کہ مخلوق کیلئے قدرت علی وجہ الکسب ثابت ہے۔ اور قدرت علی وجہ الایجاد نہیں اور اللہ تعالے نے مخلوق کے کسی فرد کو اسباب ظاہرہ یعنی اسباب اور آلات کسب سے زیادہ اثر نہیں دیا۔ اور کسب کے بعد اثر کا مرتبہ ایجاد ہے۔ جو اللہ تعالے کا خاصہ ہے پس مخلوق کے کسی فرد کی قدرت کسب اور اس کے اسباب ظاہرہ سے متجاوز نہیں۔ اور کسب کا تعلق امور عادیہ اور غیر عادیہ دونوں کے ساتھ ہے۔ عوام کے افعال میں کسب کا تعلق امور عادیہ سے اور انبیاء و اولیا کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔ ثالثا یہ کہ اگر اس عبارت میں اسباب ظاہرہ کا وہ مطلب لیا جائے۔ جو مولوی سرفراز صاحب نے سمجھا ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے۔ کہ مخلوق کو قدرت صرف ماتحت الاسباب العادیہ پر ہوتی ہے۔ تو معجزات اور کرامات کا انکار لازم آئیگا۔ حالانکہ معجزات کو معتزلہ بھی مانتے ہیں۔ اور ایسے بدترین عقیدہ کی نسبت صاحب مالا بد منہ کی طرف کرنا حیاداروں کا کام نہیں۔

مولوی سرفراز صاحب کی زیر نظر عبارت میں تیسری بحث یہ ہے۔ کہ انہوں نے کہا یہ وہ امداد نہیں۔ جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء و اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں۔ کہ نہ وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب۔ اس عبارت میں مولوی سرفراز صاحب نے انبیاء و شہداء اور اولیاء کی حیات کا بلا کسی قید کے انکار کر دیا۔ چلئے قصہ ہی ختم ہوا۔

دیوبندی بدعت خوارج اور معتزلہ کی فرع ہے

ہماری تحقیق کے مطابق فتنۂ دیوبندیت حقیقت میں معتزلہ اور خوارج سے ماخوذ ہے چنانچہ خوارج کے بارے میں شامی جلد ثالث میں ہے۔ هذا غير شرط في مسمى الخوارج بل هو بيان لمن خرجوا على سيدنا علي رضي الله عنه والا فيكفي فيهم اعتقادهم كفر من خرجوا عليه كما وقع في زماننا في اتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد و تغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم المسلمون وان من خالفوا اعتقادهم مشركون

یعنی خوارج کے مصداق کیلئے تکفیر صحابہ شرط نہیں ہے۔ بلکہ یہ قید بیان واقعہ کیلئے ہے۔ کہ انہوں نے حضرت علیؓ پر خروج کیا ورنہ ان کے خوارج ہونے کیلئے ان کا اس شخص کے بارے میں کفر کا اعتقاد کافی ہے جس پر یہ خروج کریں۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں اتباع عبدالوہاب ہیں جو نجد سے نکل کر حرمین پر قابض ہو گئے۔ اپنے آپکو حنبلی بتاتے ہیں لیکن ان کا اعتقاد ہے کہ وہی مسلمان ہیں اور جو اعتقاد میں ان کا مخالف ہو۔ وہ مشرک ہے۔

آپ دیکھ لیں کہ وہابیہ کو شامی نے خوارج قرار دیا اور وہابیہ کی کم وبیش تمام بدعات اہل دیوبند میں پائی جاتی ہیں۔

سوا اس کے کہ وہ اپنے آپ کو حنبلی کہتے تھے اور یہ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔

دیکھئے فتاوی رشیدیہ جلد سوم ص۷ پر دیوبندیوں کے قطب عالم رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

"محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔ سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا۔ اور عامل بالحدیث تھا۔ انتہی

جلد دوم ص۱۱ پر لکھتے ہیں۔ اس وقت ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور

دیندار کو کہتے ہیں۔ انتہٰی

اور معتزلہ حیات الاموات کی نفی کر کے عذاب قبر وغیرہ مسائل کا انکار کرتے ہیں۔ اس طرح وہابیہ حیٰوۃ انبیاء، اولیاء کی نفی کر کے استمداد وغیرہ کا انکار کرتے ہیں۔ دیکھئے شرح عقائد نسفی ص۲ پر ہے۔ وانکر عذاب القبر بعض المعتزلۃ والروافض لان المیت جماد لاحیواۃ لہ۔ ہمارا موضوع سخن اس وقت عام اموات کی حیات نہیں ہے۔ اسلئے ہم انبیاء، اولیاء اور شہداء کی حیات پر گفتگو کرتے ہیں جس کا مولوی سرفراز صاحب نے مطلقاً انکار کر کے اپنی جان اور ایمان پر ظلم عظیم کیا ہے۔

حیات انبیاءؑ دنیاوی اور جسمانی ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ شہداؑ کے حق میں فرماتا ہے۔

ولاتقولوالمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون	اور نہ کہو شہداءؑ کو مُردہ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

اس کے تحت شیخ صاوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

ای حیوٰۃ اخرویۃ بالجسم و الروح لیست کحیاۃ اھل الدنیا لایشاھدھا الا اھل الاخرۃ و من خصہ اللہ بالاطلاع علیھا و ھذا ھوالتحقیق خلافالمن قال انھم احیاء بالروح فقط لانہ یرد بان کل انسان حیی الروح مسلما کان اوکافرا لعدم فناء الروح ولا	یعنی حیات اخروی جسم اور روح کے ساتھ ہے اور اس کا مشاہدہ صرف اہل آخرت کرتے ہیں یا جنہیں اللہ تعالیٰ اس پر اطلاع کے ساتھ خاص کرلے اور یہی تحقیق ہے بخلاف اس شخص کے جس نے فقط ان کی حیات روحانی کا قول کیا کیونکہ یہ اس لئے مردود ہے کہ ہر انسان خواہ مومن ہو یا کافر روحانی طور پر زندہ ہوتا ہے

مزية للشهيد على غيره وهذه الحيواة حقيقة وانما خروجه انتقال من دار الى اخرى وهى مزية من مزايا الانبيآ فلا يقال انهم ساوو هم۔

اس لئے کہ روح پر فنا نہیں ہے۔ اور پھر اس میں شہید کی اپنے غیر پر فضیلت نہیں ہے گی۔ اور یہ حیات حقیقی ہوتی ہے۔ اور روح کا خروج حقیقت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اور یہ انبیا کرام علیہم السلام کی بے شمار فضیلتوں میں سے ایک فضیلت ہے۔ پس یہ نہ کہا جائے کہ انبیائے کرام کے ساتھ شہداء کی مساوات لازم آجائے گی۔

شیخ صاوی کے علاوہ علامہ ابو سعود کرخی جمل اور بے شمار محققین علماء اہل سنت کا یہی مسلک ہے کہ شہدأ کی حیات جسمانی ہوتی ہے۔ اور سب کو چھوڑئیے مولوی خلیل احمد صاحب دیوبندی عقائد علماء دیوبند ص۱۶ پر لکھتے ہیں۔

"ہمارے نزدیک ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اور آپ کی حیات دُنیا کی سی ہے۔ بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیاتِ مخصوص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیا علیہم السلام اور شہدا کے ساتھ یہ حیات برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو۔ انتہٰی

علاوہ ازیں مشکوٰۃ شریف ص۱۲۱ پر ہے

قال ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل احساد الانبیآ فنبی اللّٰہ حی یرزق۔ اس کے تحت ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں فیہ اشارۃ ان العرض علی مجموع الروح والجسد منھم۔ یعنی اس میں یہ اشارہ ہے کہ نبی علیہ السلام پر بعد وصال کے درود شریف روح اور جسد کے مجموعہ پر کیا جاتا ہے نیز فرماتے ہیں۔ وصح الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ یہ حدیث صحیح ہے کہ

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور وہ نماز ادا فرماتے ہیں۔ اور اسی حدیث کو شرح الصدور میں امام سیوطی نے بیہقی اور ابو یعلی کے حوالہ سے نقل کیا نیز مسلم شریف میں ہے۔

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ مر بموسیٰ صلوات اللہ علیہ۔ وھو قائم یصلی فی قبرہ

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام لیلۃ المعراج کو حضرت موسیٰ کے پاس سے گذرے درآنحالیکہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے

اس حدیث کو ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اسی مقام پر ذکر کیا۔ اور علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں ص۸۴ پر وہ طرق کثیرہ ذکر کئے جن سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اشعۃ اللمعات" اور "جذب القلوب" میں انبیاء کی جسمانی حیات پر کافی طویل کلام کیا ہے۔ جسے ہم نے طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا۔

حیاتِ اولیاءؒ

باقی رہی حیاتِ اولیاء، تو اس کے بارے میں سرفراز صاحب کے لئے دیوبند کی شہادت سے یہ کہنا کافی ہے کہ جب عام انسانوں کو قبر میں برزخی حیات حاصل ہے۔ تو اولیاء اللہ کو اعلیٰ اور ارفع درجہ کی حیات حاصل ہوگی۔ امام فخر رازی "تفسیر کبیر ص۹۵ ج۳" پر اور ملا علی قاری حنفی ص۲۴۱ ج۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

اولیاء اللہ لایموتون ولکن ینتقلون من دار الی دار۔

اولیاء اللہ مرتے نہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں۔

بہر حال حق یہ ہے کہ اہلِ سنت کا اولیاء اللہ کی برزخی حیات پر اتفاق ہے۔ اگر مولوی سرفراز صاحب اس کا انکار کر کے کسی اور فرقے میں اپنی جگہ بنائیں۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ انبیاء، شہداء اور اولیاء کی حیات پر یہاں اختصار کے پیشِ نظر اجمالی کلام کیا گیا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ العزیز باب حاضر ناظر میں کی

جائیگی۔ مولوی سرفراز صاحب کی مذکورہ بالا عبارت پر ابحاث ثلاثہ کے بعد ہم پھر اصل مسئلہ یعنی استمداد اور استغاثہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

استمداد کا ثبوت احادیث سے

مشکوۃ شریف ص۸۴ پر ہے۔

وعن ربیعۃ بن کعب قال کنت ابیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتیتہ بوضوئہ وحاجتہ فقال لی سل فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنۃ قال اوغیر ذالک قلت ھو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود (رواہ مسلم)

ربیعہ بن کعب سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک رات گذاری پس میں آپ کے وضو کیلئے پانی اور دیگر ضروریات کو لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مانگ میں نے عرض کیا میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں آپ نے فرمایا اس کے سوا اور کچھ۔ میں نے عرض کیا میرا مدعا یہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا۔ تو کثرت سجود سے میرے لئے اپنے نفس پر مدد کر (یعنی کثرت سے نمازیں پڑھو تاکہ تو جنت میں میری رفاقت کا اہل ہو سکے)۔

اس حدیث کے تحت شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں۔

از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ وتخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔ سوال کو مطلق رکھنے سے کہ آپ نے فرمایا مانگ اور کسی مطلوب خاص کے ساتھ مقید نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ تمام امور آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ جسے چاہیں جو چاہیں اللہ عزوجل کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔ ملا علی قاری مرقاۃ میں اسی مقام پر ابن حجر کا کلام نقل کرتے ہیں۔ ویؤخذ من اطلاقہ علیہ السلام الامر بالسوال ان اللہ مکنہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق۔ نبی علیہ السلام نے سوال کرنے کے امر کو جو مطلق رکھا ہے اس سے یہ مستفاد

ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو خزائن حق سے ہر اس چیز کے عطا کرنے پر قادر کر دیا جس کا آپ ارادہ فرمائیں۔

آگے چل کر ابن سبع کا کلام نقل فرماتے ہیں۔ ان اللہ تعالیٰ اقطعہ ارض الجنۃ یعطی منہا ما یشاء لمن شاء۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی زمین آپ کو عطا فرمائی ہے کہ اس زمین سے جس کے لئے چاہیں جتنی قدر چاہیں عطا فرمائیں۔

ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اذن الٰہی سے جو چاہیں جسے چاہیں عطا فرما دیں۔ خواہ امور عادیہ سے ہو یا غیر عادیہ سے۔ انگلیوں سے چشمے جاری کر کے کثیر التعداد صحابہ کو سیراب کر دینا۔ سلمۃ بن اکوع کی شکستہ پنڈلی کو دم فرما کر درست کر دینا۔ مافوق الاسباب العادیہ کے طور پر امداد کے چمکتے ہوئے ایسے دلائل ہیں۔ جن کی تابناکیوں سے آج تک اہل تنقیص کی آنکھیں زمین میں گڑی جا رہی ہیں۔ پھر ربیعہ بن کعب کو سل فرما کر آپ نے اپنی ذات سے حاجت روائی کا جواز ہی بیان نہیں کیا۔ بلکہ امر فرمایا ہے۔ دیکھئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سل کی تفسیر کرتے ہیں۔ ای اطلب منی حاجۃ یعنی مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو۔ اور سوال کو مطلق رکھ کر یہ بھی سمجھا دیا کہ امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ جس امر میں چاہو مجھ سے حاجت روائی کرو۔ اسی مطلب پر پہنچ کر حضرت ربیعہ بن کعب نے آپ سے جنت کا سوال کیا۔ حالانکہ جنت کا دینا عادۃ کسی کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔ اگر یہ شرک تھا تو چاہیئے تھا کہ حضور اس سوال سے روک دیتے۔ کیونکہ آپ کی بعثت ہی شرک کے قلع قمع کے لئے ہوئی تھی۔ لیکن آپ نے فرمایا۔ اوغیر ذالک اس کے علاوہ بھی کچھ مانگنا ہو۔ تو مانگ۔ حضور علیہ السلام بار بار مانگنے کی اور اپنی ذات سے حاجت روائی کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اور ازلی محروم شرک کی تسبیح رول رہے ہیں۔ کیا حضور کے

فرمان سل ای اطلب منی حاجۃ (مجھ سے اپنی حاجت طلب کر) کے بعد بھی مولوی سرفراز صاحب کا یہ ہذیان قابل توجہ رہ جاتا ہے۔ کہ کتب حدیث کے وافر ذخیرہ میں ایک بھی صحیح اور صریح حدیث ایسی نہیں ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہو۔ کہ مافوق الاسباب طور پر اہل اللہ سے استعانت کرو۔ ص ۲۷ بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبی است۔

اس سلسلے میں دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ طبرانی شریف میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

و ان اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی وقد جرب ذالک

اور اگر مدد چاہے تو اُسے چاہیئے کہ یوں پکارے اے اللہ کے بندے میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندے میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندے میری مدد کرو۔ یہ امر مجرب ہے۔ (حصن حصین ص ۲۲)

اسی حدیث کو طبرانی نے عتبہ بن غزوان سے روایت کیا۔ ابن سنی نے عبداللہ ابن مسعود سے ابن ابی شیبہ اور بزاز نے ابن عباسؓ سے روائت کیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حدیث طرق متعددہ سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ہر طریقہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ علاوہ ازیں محدثین نے اس حدیث کے حسن ہونے پر تصریح بھی قائم کی ہے۔

طبرانی اور بیہقی سے علامہ یوسف نبھانی نے شواہد الحق ص ۱۰۳ پر ذکر کیا۔ اور مولوی سرفراز صاحب کے حکیم الامت نے "نشر الطیب" ص ۳۰ پر درج کیا ہے کہ

عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف بن عمہ عن عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ان رجلا کان یختلف الی

عثمان بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک شخص کسی اپنے کام میں حضرت عثمان کے پاس جایا کرتا تھا اور حضرت عثمان

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فی حاجۃ
فکان عثمان لا یلتفت الیہ ولا ینظر
فی حاجتہ فلقی ابن حنیف فشکا ذلک
الیہ فقال لہ عثمان بن حنیف ائت
المیضاۃ فتوضأ ثم ائت المسجد
فصل فیہ رکعتین ثم قل اللھم انی
اسئلک واتوجہ الیک بنبینا محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا
محمد (صلی اللہ علیک وسلم) انی اتوجہ
بک الی ربی فیقضی حاجتی وتذکر
حاجتک ورح حتی اروح معک
فانطلق الرجل فصنع ما قال لہ ثم
اتی باب عثمان بن عفان فجاء البواب
حتی اخذ بیدہ فادخلہ عثمان بن عفان
فاجلسہ معہ علی الطنفسۃ فقال
ما حاجتک فذکر حاجتہ وقضاھا
لہ ثم قال لہ ما ذکرت حاجتک حتی
کان الساعۃ وقال ما کانت لک من
حاجۃ فاذکرھا ثم ان الرجل خرج
من عندہ فلقی عثمان بن حنیف
فقال لہ جزاک اللہ خیرا ما کان ینظر

اسکی طرف توجہ نہ کرتے تھے پس اسکی ملاقات
حضرت ابن حنیف سے ہوئی پس عثمان بن
حنیف نے کہا کہ وضو کی جگہ جا اور وضو کر پھر
دو رکعت نماز پڑھ پھر یوں دعا مانگ
اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری
طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے نبی علیہ السلام کے
وسیلہ سے جن کا نام نامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) میں آپ کی
وساطت سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں
تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے۔ پھر تو
اپنی حاجت بیان کرنا اور شام کو جانا میں
بھی تمہارے ساتھ جاؤنگا پس وہ شخص
گیا اور اسکے مطابق عمل کیا۔ پھر حضرت
عثمان کے ہاں گیا، تو دربان خود اسے حضرت
عثمان کے پاس لے گیا۔ اور ان کے پاس غالیچہ
پر بٹھا دیا۔ پس حضرت عثمان نے اس سے حاجت
پوچھی اس نے بیان کی اور انہوں نے اسکی
حاجت کو پورا کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ تو نے
آبتک کیوں نہ اپنی حاجت بیان کی تھی۔ اور
آئندہ جو کام ہو مجھ سے ذکر کرنا۔ پھر اسی
شخص کی دوبارہ عثمان بن حنیف سے ملاقات

فی حاجتی ولا یلتفت الیّ حتی کلمته فی فقال عثمان بن حنیف واللہ ما کلمته ولکن شهدت رسول اللہ واتاہ ضریر فشکا الیه ذهاب بصرہ فقال له النبی صلی اللہ علیه وسلم او تصبر فقال یارسول اللہ انه لیس لی قائد وقد شق علیّ فقال له النبی صلی اللہ علیه وسلم ایت المیضاۃ فتوضاء ثم صل رکعتین ثم ادع بهٰذہ الدعوات فقال ابن حنیف فواللہ ما تفرقنا حتی دخل علینا الرجل کانه لم یکن به ضر قط

ہوتی۔ تو اس نے ابن حنیف سے کہا کہ تیرا خدا بھلا کرے۔ تو نے حضرت عثمان سے میری سفارش کی اور وہ مجھ پر مہربان ہو گئے پس ابن حنیف نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے حضرت عثمان سے تیرے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ البتہ ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا۔ کہ ایک نابینا آیا اور حضور سے اپنی آنکھوں کی شکائت کی تو آپ نے فرمایا بہتر ہو گا کہ تو صبر کرے۔ اس نے عذر پیش کیا کہ مجھکو کوئی راہ بتلانے والا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ وضو کر مسجد میں جا دو رکعت نماز پڑھ۔ اور پھر دعا مانگ (اسی طریقہ سے) ابن حنیف نے کہا۔ کہ ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہی نابینا شخص آ پہنچا اور اس کی آنکھیں بالکل درست تھیں۔ گویا کبھی اندھا ہوا ہی نہ تھا۔

اس حدیث سے استعانت مافوق الامور العادیہ میں فی الحیات بھی ثابت ہوئی۔ اور بعد الوصال بھی۔ لیکن سرفراز صاحب کو اس سے کیا غرض۔ وہ فقدان بصیرت اور عناد انبیاءؑ کی وجہ سے یہی کہتے ۔۔۔ رہیں گے۔ کہ اس استعانت کے باب میں ایک حدیث بھی موجود نہیں۔

بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے مالک الدار سے روائت کیا۔

اصاب النّاس قحط فی زمان

حضرت عمر بن خطاب کے دورِ خلافت

عمر بن الخطاب فجاء رجل الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ استسق لامتک فانھم قد ھلکوا فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال ائت عمر فاقرئہ السلام واخبرہ انھم مسقون وقل لہ علیک الکیس فاتی الرجل عمر رضی اللہ عنہ فاخبرہ فبکی عمر ثم قال یا رب ما آلو الا ما عجزت عنہ (شواہد الحق ص ۳۲۵) (قرۃ العینین مصنفہ شاہ ولی اللہ ص ۱۹)

میں قحط پڑ گیا۔ پس ایک شخص نبی علیہ السلام کی قبر پر حاضر ہوا اور عرض گذار ہوا اے اللہ کے رسول اپنی امت کیلئے بارش طلب کیجئے کیونکہ آپکی امت ہلاک ہو رہی ہے تو نبی علیہ السلام نے اسکو خواب میں تشریف لاکر فرمایا کہ (حضرت) عمر کے پاس جا اور انہیں سلام کہہ اور خبر دے کہ وہ عنقریب سیراب کئے جائینگے اور کہہ کہ تمکو (امور خلافت میں) بیدار مغزی لازم ہے پس وہ شخص حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور خبر دی پس حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہوا اور کہنے لگے اے اللہ میں نہیں ترک کرتا مگر اس چیز کو جس سے میں عاجز ہو جاؤں۔

نیز مدارک التنزیل جلد اول ص ۳۶۵۔ شواہد حق میں ص ۲۹۹ اور نشر الطیب میں ص ۳۰۳ پر ہے۔

قیل جاء اعرابی بعد دفنہ علیہ السلام فرمی بنفسہ علی قبرہ وحثا من ترابہ علی راسہ و قال یا رسول اللہ قلت وسمعنا وکان فیما انزل علیک ولو انھم اذ ظلموا انفسھم وقد ظلمت نفسی وجئتک استغفر اللہ من ذنبی فاستغفر لی من ربی فنودی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونیکے بعد ایک اعرابی آیا۔ اس نے اپنے آپ کو قبر شریف پر گرا دیا۔ اور خاک سر پر بکھیر کر عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ جس وقت ہم پر قرآن نازل ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی جان پر ظلم کریں تو آپکی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انکی شفاعت

من قبرہٖ قد غفرلك۔ کریں تو یہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے)

اور میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں، آپ میری بخشش کی دعا کیجئے۔ پس قبر سے ندا آئی کہ تجھے بخش دیا گیا۔

استمداد کا ثبوت اعلام اُمت سے

مذکورہ بالا احادیث و آثار کے بعد اب ہم اس مسئلہ میں علما اہل سنت کا مسلک انکے اقوال کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اشعتہ اللمعات جلد اول صہ ۷۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

وحجۃ الاسلام امام محمد غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ میشود بوے بعد از وفات ویکے از مشائخ عظام گفتہ است دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف میکنند در قبور خود مانند تصرفہائے شاں در حیات خود یا بیشتر و شیخ معروف کرخی و شیخ عبدالقادر جیلانی و دو کس دیگر را از اولیا شمردہ و مقصود حصر نیست۔ آنچہ خود دیدہ و یافتہ است گفتہ و سیدی احمد بن مرزوق کہ از اعاظم فقہا و علما و مشائخ دیار مغرب است گفت کہ روزے شیخ ابو العباس حضرمی از من پرسید کہ

اور حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا۔ جن سے زندگی میں استمداد حاصل کی جاتی ہے۔ ان سے بعد وفات بھی استعانت کی جاتی ہے اور مشائخ عظام میں سے بعض نے کہا کہ میں نے چار حضرات کو دیکھا کہ وہ جس طرح اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے اسی طرح اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ایک شیخ معروف کرخی اور دوسرے شیخ عبدالقادر جیلانی اور انکے علاوہ دو کا اور نام لیا اور ان کا مقصد ان چار میں حصر کرنا نہیں تھا۔ بلکہ محض اپنے مشاہدہ کو بیان کیا۔ اور سید احمد بن مرزوق رحمہ کہ دیار مغرب کے مشائخ اور فقہا میں سے ہیں

امداد حی قوی است یا امداد میت
من گفتم قومے میگویند کہ امداد حی
قوی تر است و من میگویم کہ امداد
میت قوی تر است۔ پس شیخ
گفت نعم زیرا کہ وے در بساط حق
است و در حضرت اوست و نقل
دریں معنی ازیں طائفہ بیشتر ازانست
کہ حصر و احصا کردہ شود و یافتہ
نمے شود۔ در کتاب و سنت و اقوال
سلف صالح کہ منافی و مخالف ایں باشد
و رد کند ایں را و بتحقیق ثابت شدہ
است بآیات و احادیث کہ روح
باقی است و اورا علم و شعور بزائراں
و احوال ایشاں ثابت است و ارواح
کاملاں را قربے و مکانتے در جناب
حق ثابت است چنانکہ در حیات بود
یا بیشتر اناں و اولیاء را کرامات
و تصرف در اکوان حاصل است
و آں نیست مگر ارواح ایشاں را و
ارواح باقی است و متصرف حقیقی
نیست۔ مگر خدا عزشانہ وہمہ بقدرت

انہوں نے فرمایا کہ ایک دن شیخ
ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا کہ زندہ
کی امداد زیادہ قوی ہے یا میت کی۔ میں نے
کہا۔ کہ ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد
قوی ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ میت کی امداد
زیادہ قوی ہے پس شیخ نے کہا کہ ہاں۔ اس لئے
کہ وہ اللہ کی پناہ میں ہیں اور اس معنی میں اس
طائفہ سے بیشمار منقولات ہیں جو کہ حد و شمار
سے باہر ہیں اور کتاب و سنت اور اقوال
سلف و صالحین میں اسکے خلاف کوئی تصریح
نہیں پائی جاتی اور تحقیق یہ ہے کہ آیات و
احادیث سے ثابت ہے کہ روح باقی رہتی ہے
اور اسکو زائرین اور انکے احوال کا علم و
شعور بھی ہوتا ہے اور ارواح کاملین کا
خدا کی بارگاہ میں عظیم قرب اسی طرح ہوتا
ہے۔ جیسے حیات دنیاوی میں تھا۔ بلکہ
اس سے بھی زیادہ اور اولیا کو کرامات
اور تصرف فی الکون حاصل ہے اور اس
کا ثبوت نہیں مگر ان کی ارواح کیلئے اور
ارواح باقی رہتی ہیں اور متصرف حقیقی
سوائے اللہ عزشانہ کے اور کوئی نہیں اور ہمہ قدرت

اوست وایشاں فانی اند در جلال حق در حیات و بعد از ممات پس اگر دادہ شود مراحدے را چیزے بوساطت یکے از دوستان حق و مکانتے کہ نزد خدا دارد دور نباشد چنانکہ در حالتِ حیات بود و نیست فعل و تصرف در ہر دو حالت مگر حق را جل جلالہٗ وعم نوالہٗ و نیست چیزے کہ فرق کند میان ہر دو حالت دیافتہ نشدہ است دلیلے برآن۔

اسی کی ہے۔ اور وہ حیات و ممات میں حق سبحانہٗ کی ذات میں فنا ہو چکے ہیں۔ پس اگر کسی کو ان کی وساطت سے کچھ دیا جائے بسبب اس مرتبہ کے جو خدا کے نزدیک ان کیلئے ثابت ہے۔ تو بعید نہیں جیسا کہ حالتِ حیات میں تھا۔ اور فعل و تصرف ہر حالت میں اللہ عزوجل ہی کے لئے ہے۔ اور کوئی چیز نہیں جو حالتِ حیات اور ممات میں فرق کرے اور نہ اس پر کوئی دلیل پائی گئی ہے۔

اب سرفراز صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ شیخ محقق دہلوی کی ان تصریحات اور اولیاءُ اللہ سے استمداد فی الحیات و بعد الممات کی تشریحات کی وجہ سے شیخ پر شرک کا فتویٰ لگائیں گے۔ یا اپنی بے بصیرتی اور بے علمی کا اعتراف کر کے اپنی بدعقیدگی سے رجوع کریں گے۔ ؎

کاش کوئی حضرت ناصح سے اتنا پوچھ لے
کون ہے وہ خود جو دیوانوں کو سمجھانے چلے

اور یہی شیخ محقق "اشعۃ اللمعات" جلد ۳ صا۴۰۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

واما استمداد باہلِ قبور منکر شدہ اند۔ آنرا بعض فقہاء اگر انکار از جہت آن است کہ سماع و علم نیست ایشاں را بزائران و احوال ایشان

بہر نوع بعض فقہائے اہلِ قبور کی استمداد کا انکار کیا ہے۔ اگر ان کا یہ انکار اس پر مبنی ہے کہ موتیٰ کو سماع اور زائرین کے احوال کا علم نہیں ہوتا تو اس مبنی کا

پس بطلان او ثابت شد و اگر بسبب آنست کہ قدرت و تصرف نیست مر ایشاں را دراں موطن تا مدد کنند بلکہ محبوس و ممنوع اند و مشغول اند بآنچہ عارض شدہ است. مر ایشاں را از محنت و شدت آنچہ باز داشتہ است از دیگراں گویم کہ ایں کلیہ نمے ماند خصوصاً در شان متقین کہ دوستان خدا اند. شاید کہ حاصل شود ارواح ایشاں را از قرب در برزخ و منزلت و قدرت بر شفاعت و دعا و طلب حاجات مر زائراں را کہ متوسل اند بایشاں چنانکہ در روزِ قیامت خواہد بود و چیست دلیل بر نفی آن و تفسیر کردہ است بیضاوی کریمہ. والنازعات غرقا الآیہ را بصفات نفوس فاضلہ در حال مفارقت از بدن کہ کشیدہ می شوند از ابدان و نشاط می کنند بسوئے عالم ملکوت و سیاحت میکنند دراں پس سبقت میکنند بحظائر قدس پس

بطلان ظاہر ہو چکا ہے۔ اور اگر وجہ انکار یہ ہے کہ موتی کیلئے اس جگہ قدرت اور تصرف ثابت نہیں۔ بلکہ جن حالات میں وہ مبتلا ہیں اُنکی وجہ سے وہ مقید اور پابند ہو چکے ہیں اور اُنہیں دوسروں سے روک دیا گیا ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ یہ کلیہ نہیں ہے۔

خصوصاً متقین کے حق میں جو اولیاء اللہ ہیں اور ممکن ہے کہ اُنہیں اللہ کی طرف سے برزخ میں ایسا ہی مرتبہ حاصل ہو۔ جیسا قیامت میں اُنہیں منصب شفاعت عطا ہوگا جس کی وجہ سے وہ ان زائرین کے حق میں جو اُن سے متوسل ہیں دعا اور شفاعت کرینگے اور بھلا اسکی نفی پر کونسی دلیل قائم ہے۔ اور علامہ بیضاوی رح نے آیۂ کریمہ والنازعات غرقا کی تفسیر ان نفوسِ فاضلہ کی صفات سے کی ہے۔ جو حالِ مفارقتِ بدن میں ابدان سے عالم ملکوت کی طرف نکالی جاتی ہیں۔ اور وہاں سیر و سیاحت اور تسبیح کرتی ہیں۔ اور مقدس چراگاہ

می گردند بشرف و قوت از مدبرات
و لیت شعری چہ میخواہند ایشان باستمداد و
امداد کہ ایں فرقہ منکر اند آنرا آنچہ ما
می فہمیم ازاں ایں است کہ داعی محتاج
فقیر الی اللہ دعا می کند و طلب میکند
حاجت خود را از جناب عزت و تمنائے
وے و توسل میکند بروحانیت ایں
بندۂ مقرب و مکرم در درگاہ عزت
وے و میگوید خداوندا برکت ایں بندۂ
تو کہ رحمت کردہ بروئے و اکرام کردہ
او را و بلطف و کرمے کہ بوے داری بر
آوردہ گرداں حاجت مرا کہ تو معطی
کریمی یا ندا می کند ایں بندۂ مکرم و مقرب
را کہ اے بندۂ خدا اے ولی وے شفاعت
کن مرا و بخواہ از خدا کہ بدہد مسئول و
مطلوب مرا و قضا کند حاجت مرا پس
معطی و مسئول و مامول پروردگار است
تعالیٰ و تقدس و نیست ایں بندہ مگر وسیلہ
و نیست قادر و فاعل و متصرف در وجود
مگر حق سبحانہ و اولیائے خدا فانی
و ہالک اند در فعل الٰہی و قدرت

میں پیش ہوتی ہیں اور شرف و قوت
کی وجہ سے مدبرات سے ہو جاتی ہیں۔
اور کاش ان منکرین کے سامنے میری
سمجھ موجود ہوتی۔ آخر یہ استمداد اور
امداد کو کیا سمجھ کر انکار کرتے ہیں۔
جو ہم نے سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ دعا کرنے
والا اُس بندۂ مقرب کے توسل سے
اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے
کہ اے بار الٰہ اس بندۂ مقرب کی برکت سے
جسے تُونے بے اندازہ الطاف و اکرام
سے نوازا ہے۔ میری حاجت کو پورا
فرما کہ تو ہی مُعطی کریم ہے۔
یا دعا مانگنے والا اُس بندۂ مقرب
کو ندا کرتا ہے کہ اے بندۂ خدا اے اللہ
کے ولی میری شفاعت کر۔ اور اللہ تعالےٰ
سے دعا کر کہ مجھے میرا سوال اور مطلوب
عطا فرمائے اور یہ بندۂ مقرب درمیان
میں صرف وسیلہ ہوتا ہے اور قادر اور
فاعل سوائے اللہ تعالےٰ کے اور
کوئی نہیں ہوتا۔ اور اولیا اللہ تو اللہ
کے فعل اور قدرت میں فنا ہوتے ہیں۔

وسطوت وے ونیست ایشان را
فعل وقدرت وتصرف نہ اکنوں کہ در
قبور اند ونہ دراں ہنگام کہ زندہ بودند در
دنیا واگر ایں معنی کہ در امداد واستمداد
ذکر کردیم موجب شرک وتوجہ بما سوائے
حق باشد چنانکہ منکر زعم میکند پس باید کہ
منع کردہ شود توسل وطلب دعا از
صالحان ودوستان خدا درحالتِ حیات
نیز وایں ممنوع نیست بلکہ مستحب و
مستحسن است باتفاق وشائع است
در دین واگر می گویند کہ ایشاں بعد از موت
معزول شدند وبیروں آوردہ شدند
ازاں حالت وکرامت کہ بود ایشاں را
در حالتِ حیات چیست دلیل برآں
یا گویند کہ مشغول وممنوع شدند بآنچہ
عارض شد از آفات بعد از ممات پس
ایں کلیہ نیست ودلیل نیست بر دوام
واستمرار آں تا روزِ قیامت نہایت
آنکہ ایں کلیہ نباشد وفائدۂ استمداد
عام نباشد بلکہ ممکن ہست کہ بعضے
منجذب باشند بعالم قدس ومستہلک

اور اولیاء کو نہ اب قبروں میں کسی امر
پر قدرت ہوتی ہے۔ اور نہ جس
وقت دُنیا میں تھے اس وقت کسی
چیز پر قدرت تھی۔ اور امداد واستمداد
کا جو معنی میں نے ذکر کیا ہے اگر موجب
شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم
ہوتا۔ جیسا کہ منکر کا زعم فاسد ہے۔
تو چاہیئے تھا۔ کہ صالحین سے طلب دعاء
اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہوتا حالانکہ
یہ بجائے ممنوع ہونے کے بالاتفاق جائز
اور مستحسن ومستحب ہے۔ اور اگر یہ منکر
کہیں کہ موت کے بعد اولیاء اللہ اپنے
مرتبہ سے معزول ہوجاتے ہیں۔ اور زندگی
میں جو فضیلت وکرامت تھی۔ وہ باقی
نہیں رہتی تو اس پر کیا دلیل ہے اور اگر
یوں کہیں کہ بعد موت کے وہ ایسی آفات و
بلیات میں مبتلا ہوئے کہ انہیں دعاء
وغیرہ کی فرصت نہ رہی تو یہ کلیہ نہیں ہے
اور نہ اس پر دلیل ہے کہ اولیاء کیلئے ابتلاء
مستمر الی یوم القیامۃ رہتا ہے۔ زیادہ سے
زیادہ یہ ہے کہ کلیۃً سب اہل قبر سے استمداد

باشند در لاہوت حق چنانکہ ایشاں
راشعورے وتوجہے بعالم دُنیا نماندہ
باشد وتصرفے وتدبیرے در وے
نہ چنانکہ دریں عالم نیز از تفاوت حال
مجذوباں ومتمکناں ظاہر مے گردد
نعم اگر زائران اعتقاد کنند کہ اہلِ
قبور متصرف ومستبد وقادر اند
بے توجہ بحضرت حق والتجا بجناب
تعالے چنانکہ عوام وجاہلاں وغافلاں
اعتقاد دارند چنانکہ می کنند
آنچہ حرام ومنہی عنہ است در
دین از تقبیل قبر وسجدہ آنرا ونماز
بسوے وے وجز آن ازاں چہ
نہی وتحذیر واقع شدہ است
ایں اعتقاد وایں افعال ممنوع و
حرام خواہد بود وفعل عوام اعتبارے
ندارد و خارج مبحث است وحاشا
از عالم بشریعت وعارف باحکام دین
کہ اعتقاد بکند ایں اعتقاد را وایں
فعل را بکند وآنچہ مروی ومحکی
است از مشائخ اہلِ کشف در

نہیں ہے۔ اور نہ امداد کا دوام ہے بلکہ
یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اولیاء جذب و
استغراق کی کیفیت میں ہوں اور عالم
لاہوت سے اس طرح منسلک ہوں کہ اس
دُنیا کے حالات کی طرف توجہ اور شعور نہ
رہے پس اس دنیا میں تصرف نہ کریں
جیسا کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کے حالات
مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اولیاء اللہ کے
حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ امداد
میں مستقل ہیں۔ اور اللہ کی جناب میں توجہ
کئے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد
کرتے ہیں۔ جیسے بعض جہلا کا عقیدہ ہے
کہ وہ قبر کو تقبیل اور سجدہ کرتے ہیں
اور اسکی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں
اور یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں۔
اور عوام جہلاء کے افعال کا کوئی اعتبار
نہیں۔ اور وہ خارج از بحث ہیں اور
عارف بشریعت و عالم باحکام دین
ان تمام منکرات سے سخت بیزار ہیں اور
مشائخ اور اہل کشف سے

استمداد از ارواح کمل و استفادہ
ازاں خارج از حصر است و مذکور
است در کتب و رسائل ایشاں و
مشہور است میان ایشاں حاجت
نیست کہ آنرا ذکر کنیم و شاید کہ منکر
و متعصب سود نکند اور اکلمات
ایشاں عافانا اللہ من ذالک

سخن درینجا از وجہ علم و شریعت
است۔ آرے مروی و مسنون در زیارت
سلام بر موتیٰ و استغفار مر ایشاں را
و قرات قرآن است ولیکن درینجا
نفی استمداد نیست پس زیارت
برائے امداد مر موتیٰ را و استمداد از
ایشاں ہر دو باشد، بر تفاوت حال
زائر و مزور و باید دانست کہ خلاف
در غیر انبیاء است صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین
کہ ایشاں احیاء اند بحیات حقیقی دنیاوی
باتفاق و اولیاء بحیات اُخروی معنوی
و کلام دریں مقام بحد اطناب و تطویل
کشید بر زعم منکراں کہ در قرب ایں زمان
فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد و

ارواح کمل سے استفادہ کے باب
میں جو کچھ مروی حصر سے خارج ہے اور
اُن کی کتابوں میں مشہور اور مذکور
ہے۔ حاجت نہیں کہ ہم اُس کا
ذکر کریں۔ اور ممکن ہے کہ وہ منکر
متعصب کو فائدہ نہ دے

یہاں پر کلام از روئے شریعت
ہے۔ ہاں زیارت قبر میں موتیٰ
کو سلام کرنا اور استغفار کرنا اور
قرآن پڑھنا مسنون ہے لیکن
اس جگہ پر استمداد کی نفی نہیں ہے۔
پس موتیٰ کی زیارت کرنا اُن کی امداد
اور اُن سے استمداد زائرین کے اختلاف
حال سے ہر دو جائز ہے اور جاننا
چاہیئے کہ استمداد میں بعض کا اختلاف انبیاءً
کرام علیہم السلام کے ماسوا میں ہے کہ وہ
بالاتفاق حیات حقیقی دنیاوی سے زندہ
ہیں۔ اور اولیاء حیاتِ اُخروی و معنوی سے
اس زمانہ میں ایک فرقہ ظاہر ہوا ہے جو
اِن اولیاء اللہ سے استعانت کا منکر ہے

استعانت را از اولیاء خدا کہ نقل کردہ شدہ اند ازیں دار فانی بدار بقا و زندہ اند نزد پروردگار خود مرزوق اند و خوشحال اند و مردم را ازاں شعور نیست و متوجہان بجناب ایشاں را مشرک بخدا و عبدۃ اصنام می دانند و میگویند آنچہ میگویند و عمرے است کہ تحقیق و تفصیل ایں مسئلہ مخطور خاطر فاتر بود و الآن توفیق الٰہی بداں مساعدت کرد۔ والحمد للہ اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ واللہ اعلم وعلمہ احکم۔

جو دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہو گئے۔ اور اللہ کی بارگاہ میں خوش حال اور مرزوق ہیں پس یہ منکر اُن کی بارگاہ میں توجہ کرنے والوں کو مشرک کہتے ہیں۔ اور بُت پرستوں میں شمار کرتے ہیں۔ اور جو منہ میں آتا ہے۔ کہتے ہیں۔ مدت سے اس مسئلہ کی تحقیق اور تفصیل کا دل میں خیال تھا اور اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مَیں نے اسکو تحریر کیا۔ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں اے اللہ ہمیں حق دکھلا۔ اور اس کی اتباع کی توفیق دے اور باطل کے بطلان کو ہم پر ظاہر کردے۔ اور اس سے اجتناب کی توفیق دے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اور اُس کا علم احکم ہے۔

استمداد کا انکار بدعت ہے

دیگر فوائد کے علاوہ شیخ محقق کی اس عبارت سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ استمداد اولیاءؒ کا انکار گیارھویں صدی کی بدعت ہے۔ اور اولیاء اللہ سے استعانت کرنیوالوں پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا اس فرقہ ضالہ کی اختراع ہے۔ جس کے بارے میں شیخ محقق فرما رہے ہیں۔ کہ وہ ان کے زمانہ کے قریب ظاہر ہوا۔ ہم نے علماءِ دیوبند کے لئے عموماً اور سرفراز صاحب گکھڑوی کے لئے خصوصاً تاریخ کا آئینہ پیش کر دیا۔

ہے۔ وہ اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھیں اور سوچیں کہ غیر اللہ سے استمداد کو شرک کہہ کر انہوں نے اپنا قارورہ کس جماعت سے جا ملایا ہے:۔
امام رازی تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۵۸۴ پر یہ فرماتے ہیں:۔

الانبیاء وھم الذین اعطاھم اللہ تعالیٰ من العلوم والمعارف مالاجلہ یقدرون علی التصرف فی بواطن الخلق وارواحھم وایضًا۔ اعطاھم من القدرۃ والمکنۃ مالاجلہ یقدرون علی التصرف فی بواطن الخلق۔

انبیاء علیہم السلام۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور روحوں پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں اسقدر قدرت اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے بواطن پر بھی تصرف کر سکتے ہیں۔

"دیوبند" کے مسلّم اکابر سے استعانت کا ثبوت

مولوی سرفراز صاحب نے اپنی کتاب میں شاہ ولی اللہ صاحب پر بہت زیادہ اعتماد کیا ہے۔ اور بار بار ان کی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں۔ اب ہم شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے ثابت کر دیتے ہیں کہ اہل قبور سے استمداد جائز ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔
شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ "ہمعات" میں "حدیث نفس" کا علاج بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بارواح طیبہ مشائخ متوجہ شود وبرائے ایشان فاتحہ خواند یا بزیارت قبر ایشاں رود۔ وازآنجا انجذاب

مشائخ کی ارواح طیبہ کی طرف متوجہ ہو۔ ان کیلئے سورۃ فاتحہ پڑھے یا انکی قبر کی زیارت کیلئے جائے۔ اور ان سے انجذاب

دریوزہ کند۔	کی بھیک مانگے۔

پس لامحالہ شاہ صاحب کی ان تمام عبارتوں کو جن میں انہوں نے استعانت کو شرک کہا۔ استعانت علیٰ وجہ العبادۃ یا مستقل بالذات پر محمول کرنا پڑیگا ورنہ اگر استعانت سے مراد عام ہو تو شاہ صاحب اپنی تحقیق سے خود مشرک قرار پائیں گے ؎

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

ابنار بدعت عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ مولوی سرفراز صاحب نے سوچ سمجھے بغیر اپنی کتاب میں شاہ صاحب کی عبارتوں کو وارد کیا ہے۔ اب ہم حضرت شاہ صاحب ہی کے کلام سے اولیاء اللہ کی امداد بعد الوصال اور ان سے استمداد کے جواز پر شہادت پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ صفحہ ۵ پر حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

از اولیاء مدفونین ودیگر صلحاء مؤمنین انتفاع واستفادہ جاری است و آنہارا افادہ واعانت نیز متصور بخلاف مردہ ہائے سوختہ کہ این چیزہا اصلاً نسبت بآنہا در اہل مذہب آنہا نیز واقع نیست۔	وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلحاء مؤمنین سے استفادہ اور استعانت جاری وساری ہے اور ان اولیاء وصلحاء سے افادہ اور امداد بھی متصور ہے بخلاف ان مردوں کے جن کو جلا دیا جاتا ہے کیونکہ ان سے یہ امور انکے مذہب میں بھی جائز نہیں ہیں۔

شاہ صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اولیاء سے بعد الوصال استعانت اور ان کا مدد کرنا یہ مسلمانوں کی خصوصیت ہے۔ اور امداد و استمداد کا نہ ہونا یہ کفار کا خاصہ ہے پس اب آپ غور فرمائیے۔ کہ اولیاء سے استعانت کا انکار

کرکے سرفراز صاحب نے اپنا قارورہ کس جماعت اور کس گروہ سے جا ملایا ہے۔ نیز شاہ صاحب کے نزدیک جن اموات سے استعانت جائز نہیں۔ یہ وہ مُردے ہیں جن کو جلا دیا جاتا ہے۔ پس سرفراز صاحب نے اولیاء اللہ سے استعانت کو ناجائز قرار دیکر انہیں (معاذ اللہ) جلے ہوئے مردوں میں شامل کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرفراز صاحب نے اپنے اس قول سے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ لاکھوں اولیاء اللہ کی توہین کی ہے۔ ناموس اسلام پر زبردست برہمنی وار کیا ہے۔ جو کسی بھی غیرت مند مسلمان کے لئے برداشت کے قابل نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

گھائل تیری نظر کا بنوعِ دگر ہر ایک
زخمی کچھ ایک بندۂ درگاہ نہیں ہے

تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ ص ۱۱۳ پر حضرت شاہ صاحب مرنے کے بعد کی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمے گردد و اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از انہا مے نمایند و ارباب حاجات و مطالب حل مشکلات خود از انہا مے طلبند و	وہ خواص اولیاء اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے وفات کے بعد بھی دنیا میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں اور انکا امور اخروی میں مستغرق ہونا بسبب وسعت ادراک کے دنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ اویسی سلسلہ کے حضرات اپنے باطنی کمالات انکی طرف منسوب کرتے ہیں اور حاجتمند ان سے حاجت طلب کرتے ہیں

مے یابند وزبان حال آنہا در آنوقت بہم مترنم باین مقالات است مصرعہ
"من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن"

ادھر او پاتے ہیں اور انکی زبان حال اسوقت یہی گویا ہوتی ہے کہ اگر تم بدن سے میری طرف بڑھو گے تو میں روح سے تمہاری طرف پیش قدمی کرونگا۔

ابناء بدعت سے عموماً اور سرفراز صاحب سے خصوصاً گذارش ہے کہ وہ شاہ صاحب کی اس عبارت کو بغور پڑھیں۔ اور اس امر پر ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ دین کی جس شاہراہ کو انہوں نے اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اسکی منزل کہیں دیوانہ سفر تو نہیں ہے۔ اولیا سے استعانت کو شرک کہہ کر انہوں نے عہد صحابہ سے لیکر آجتک کے تمام صلحاؑ کو مشرک بنا ڈالا اور اس طرح وہ اب سفر آخرت کے اس راستہ میں بالکل تنہا رہ گئے ہیں۔ اور جو بکری گلہ سے علیحدہ ہو جاتی ہے اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ یہ اہلِ خرد اور زبان رسالت سے آشنا حضرات کی نظر سے مخفی نہیں ہے بہرحال ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ دُنیاوی جھوٹے وقار کی خاطر ہمیشہ کی مذلت کو اختیار کر لینا بڑے خسارے کا سودا ہے۔ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے۔

یہی شاہ عبدالعزیز صاحب اقرأ باسم ربک کا شان نزول بیان کرتے ہوئے تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۲۴۵ پر فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نانبائی سے خوش ہو کر فرمایا۔

بخواہ چہ بخواہی او عرض کرد کہ مرا مثل خود بساز ید فرمودند تحمل ایں حالت نمی توانی کرد چیزے دیگر بخواہ او بر ہمیں سوال اصرار داشت وخواجہ اعراض می فرمودند تا آنکہ محتاج او بسیار شد

مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنا ہم شکل بنا دیجئے۔ فرمایا تو اسکو برداشت نہ کر سکے گا۔ اور کچھ مانگ لے۔ اس نے اسی سوال پر اصرار کیا۔ اور خواجہ اعراض فرماتے رہے۔ پس جب اس کا اصرار بہت بڑھا تو

ناچار او را در حجرہ بردند و تاثیر اتحادی برشے کردند چوں بر حجرہ بر آمدند در میان خواجہ و در میان نانوائی در صورت و شکل ہیچ فرق نماندہ بود و مردم را امتیاز مشکل افتاد ایں قدر بود کہ حضرت خواجہ ہشیار بودند و آں نانبائی مدہوش و بے خود	آپ اندر لے گئے اور اس پر توجہ کی جب باہر آئے تو دونوں کی شکل و صورت میں فرق نہ تھا۔ اور لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہوگیا۔ بس اتنا فرق تھا کہ حضرت خواجہ ہشیار تھے اور ...... نانبائی مدہوش اور بے خود تھا۔

اب آپ مولوی سرفراز صاحب کی تحقیق پر غور کریں۔ جو کہتے ہیں کہ جو امر عادۃً بس اور اختیار میں ہو۔ اس کو مانگنا جائز ہے۔ اور جو عادۃً بس اور اختیار میں نہ ہو۔ اس کو مانگنا شرک ہے۔ تو کیا ہم شکل بنا دینا خلاف عادت نہیں ہے اگر ہے تو وہ نانبائی مشرک اور حضرت خواجہ باقی باللہ شرک کی تقریر کرنے والے ہوئے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟ اور اگر ہم شکل بنا دینا خرق عادت نہیں ہے تو کیا سرفراز صاحب بھی کسی کو اپنا ہم شکل بنا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ مولوی سرفراز صاحب جہل اور عناد کی وجہ سے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز اور تمام اکابر اسلام کے گلوں پر خنجر شرک رکھ دیں۔ مگر اس کو کیا کریں کہ شرک کی یہ تلوار اکابر دیوبند کو بھی نہیں بخشتی۔ غور فرمائیے۔ ارواح ثلاثہ جو اسلاف دیوبند کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کے ص ۳۲۲ پر ہے کہ مولوی معین الدین صاحب نے جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار بہت کثرت سے ہوئی تو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ دیتا اسے ہی آرام ہو جاتا۔ پس لوگ اس کثرت سے مٹی

لے گئے۔ کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈالوں تب ہی ختم کئی مرتبہ ڈال چکا پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جاکر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی۔ یاد رکھو اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے۔ ایسے ہی پڑے رہیو۔ لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر سے ہی چلیں گے بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی۔ ویسے یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لے جانا ہی بند کر دیا تھی

اب سلوف دیوبند کو کس خانہ میں رکھنے گا۔ یا تو اپنے اس باطل قول سے رجوع کیجئے۔ کہ انبیاء و اولیاء سے استمداد کرنا شرک ہے۔ یا پھر سلوف دیوبند کو مشرک قرار دے کر جہنم کی آگ میں جھونک دیجئے۔ ؎

من نگویم کہ ایں نہ کن آں کن مصلحت ہیں و کارِ آساں کن

سرفراز صاحب کا وجوہ فاسدہ سے استدلال اور اس کے جوابات

مولوی سرفراز صاحب نے استعانت کو باطل کرنے کیلئے ص ۲۷ پر ایک استدلال پیش کیا ہے۔ جو تفسیر اور احتمال ایاک نستعین کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہٖ وہ ایاک نعبد میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حضرت انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کو سجدہ کرتا ہے۔ یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ انکے نام کی ادا کرتا ہے۔ اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں۔ مگر ان حضرات کو صرف تقرب الٰہی کا مظہر سمجھتا ہوں۔ تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری۔ اور کس دلیل سے۔ اور اگر غلط ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیونکر حق قرار پایا۔ اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے

عقیدہ باطلہ ٹھہرا، انتہی

سرفراز صاحب کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل اور مردود ہے اولاتو اسلئے کہ انکی دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ میں بھی جاری ہوتی ہے۔ حالانکہ مدعا متخلف ہے۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہہ سکتا ہے کہ جس طرح اقیموا الصلوٰۃ میں نماز کا حکم ہے اسی طرح اٰتوا الزکوٰۃ میں زکوٰۃ دینے کا حکم ہے پس کیا وجہ ہے کہ نماز تو دن میں پانچ مرتبہ پڑھی جائے۔ اور زکوٰۃ سال میں صرف ایک بار دی جاتی ہے۔ نیز نماز پڑھنے پر تو ہر امیر و غریب مجبور ہے اور زکوٰۃ کا صرف صاحب نصاب مکلف ہے۔ پس یا تو زکوٰۃ بھی دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جائے۔ یا نماز بھی سال میں صرف ایک بار پڑھی جائے۔ اسی طرح یا تو زکوٰۃ بھی ہر امیر و غریب پر فرض ہو یا نماز بھی صرف صاحب نصاب پڑھا کرے۔ تو بتلائیے کہ سرفراز صاحب کی اس منطق کو ہوش و خرد کی دنیا میں کون قبول کریگا؟ ثانیاً ہدایہ جلد اول صـ پر ہے:۔

من قاء او رعف فی صلاۃ فلینصرف ولیتوضأ ولیبن علی صلاتہ مالم یتکلم — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں قے آ گئی یا اسکی نکسیر پھوٹ گئی وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے جب تک اس نے کسی سے بات نہ کی ہو۔

اس فرمان میں دو حکم ہیں۔ ایک وضو کرنے کا۔ دوسرا نماز پر بناء کرنے کا پہلا واجب ہے۔ اور دوسرا اباحت کیلئے ہے۔ لیکن سرفراز صاحب کی منطق پر لازم آئیگا کہ دونوں کا حکم ایک جیسا ہو یا وضو بھی مباح ہو اور یا بناء بھی واجب ہو۔ ثالثاً مولوی سرفراز صاحب کا یہ استدلال اس باطل قاعدہ سے مستعار ہے کہ قِران فی الذکر قِران فی الحکم پر دلالت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جب دو چیزوں کا ذکر مقرون ہو تو ان کا حکم بھی ایک ہی ہو۔ حالانکہ احناف اہل سنت کے نزدیک

یہ ضابطہ باطل اور مردود ہے۔ ہدایہ کے اس مقام پر حاشیہ ملا عبد الغفور میں ہے۔

لایقال الامر فی قولہ ولیبن للاباحۃ بالاتفاق فکذا ما قارنہ لانا نقول القران فی الذکر لا یدل علی القران فی الحکم

یہ سوال نہ کیا جائے کہ حضور کے فرمان ولیبن میں امر اباحت کیلئے ہے پس اسی طرح اس کے مقارن (ولیتوضا) میں بھی ہونا چاہیئے کیونکہ ہم (احناف) کہتے ہیں۔ کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم پر دلالت نہیں کرتا۔

صاحب منار نے قرآن فی الذکر کو وجوہ فاسدہ سے شمار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

وقیل ان القران فی النظم بحرف الواو یوجب القران فی الحکم

بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم کو واجب کرتا ہے۔

اور ملا جیون رحمتہ اللہ علیہ اس پر فرماتے ہیں۔

وھذا وجہ رابع من الوجوہ الفاسدۃ

اور یہ وجوہ فاسدہ میں سے چوتھی قسم ہے۔

(نور الانوار ص ۱۶۱)

کیا سرفراز صاحب کا فراڈ اب بھی حیز خفا میں رہیگا؟ کیا دیدۂ بینا پر یہ امر اب واضح نہیں ہو گیا کہ سرفراز صاحب کا استدلال اور احتجاج وجوہ فاسدہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اور جس کا مبنی فاسد ہو وہ فاسد نہیں تو اور کیا ہوتا ہے۔

رابعاً تفسیر بیضاوی ص۷ پر علامہ بیضاوی عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ عبادت مدد حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ہے اور وسیلہ مقصود پر مقدم ہوتا ہے۔

وقدمت العبادۃ علی الاستعانۃ لیتوافق رؤس الآیۃ

عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا گیا تاکہ رعایت فواصل ہو۔

ويعلم منه ان تقديم الوسيلة على طلب الحاجة ادعى الى الاجابة

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسیلہ کو مقصود پر مقدم کرنا اجابت کے زیادہ قریب ہے

قرآن فی الذکر وجوہ فاسدہ سے

پس جب ثابت ہو گیا کہ اس مقام پر عبادت طلب اور استعانت مسبب ہے

تو ظاہر ہو گیا کہ دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔ خامسا چلئے ہم خود سرفراز صاحب سے منوائے دیتے ہیں کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک نہیں ہے۔ ص ۲۰۳ پر انہوں نے تسلیم کیا ہے۔ کہ زندہ اور قریب سے امور عادیہ میں استعانت جائز ہے۔ اور اس کو وہ ظاہری استعانت کہتے ہیں۔ حالانکہ زندہ اور قریب کی ظاہری عبادت تو کسی طور جائز نہیں پس اب اگر وہ اس ظاہری استعانت کو شرک قرار دیں۔ تو خود مشرک ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ ظاہری استعانت جائز ہو تو انکی کلی ٹوٹتی ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک طرح نہیں کیونکہ غیر اللہ سے ظاہری استعانت جائز ہے اور غیر اللہ کی عبادت ظاہری باطنی حقیقی مجازی کسی طور جائز نہیں ہے صیہونی تحریف کے سہارے دیوار بنانے والوں کی عمارت کا یہی حال ہوتا ہے۔ جھوٹ کا محل کسی وقت بھی گر کر جھوٹے کو پیوند زمین کر دیتا ہے۔ سرفراز صاحب محاسبہ سے بے خوف ہو کر من مانی تفسیروں سے روح قرآن پر رندا چلا رہے تھے۔ لیکن اب ان کا یوم حساب آ پہنچا ہے۔ انہوں نے قرآن میں جس قدر تحریفات کی ہیں ایک ایک کر کے ان کا مواخذہ ہوگا۔ نشہ ضلالت میں سرمست قلم توڑ دیا جائیگا۔ اور ان کی مجرمانہ خیانتوں پر عبرتناک تعزیر دی جائے گی ؎

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر\
کام ان کی بیقرار نگاہوں سے پڑ گیا

مظہر افعال و صفات

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ آلات خدام احباب وغیرہ عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ نیز فرمایا۔ مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے۔ اس پر مولوی سرفراز صاحب نے ص ۷۹ پر یہ بیہودہ اعتراض قائم کیا۔ اسی طرح مولانا نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں سراسر مردود ہے۔ کیونکہ جب ان مقربان حق کا وجود پروردگار کے وجود کا غیر ہے اور وہ غیر اللہ ہیں۔ تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں۔ ہاں یہ کہ عیسائیوں کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈمڈ کر دیا جائے۔ اور اثنینیت ختم کر دی جائے۔ تو معاملہ الگ ہے۔ انتہیٰ

الجواب۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے (تھانوی صاحب نے اسکا ترجمہ کیا ہے)

فلما اتٰھا نودی من شاطئ الوادی الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من شجرۃ ان یٰموسٰے انی انا اللہ رب العٰلمین۔

سو جب وہ اسی آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ کی داہنی جانب تھی) اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العٰلمین ہوں۔

اب یا تو کہیے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کو درخت میں گڈمڈ کر دیا اور اثنینیت ختم کر دی۔ یا صدر الافاضل کی بات پر ایمان لا کر کہیے کہ درخت کلام الٰہی کا مظہر تھا۔ اور درخت میں یہ اللہ تعالےٰ کا کلام تھا۔

مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۷ پر ہے۔

فلذا اجبتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ و

پس جب میں اپنے بندے کو محبوب بنا لیتا ہوں میں اس کے

بصرہ الذی یبصربہ ویدہ	کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے
التی یبطش بہا ورجلہ التی	اور میں اسکی آنکھیں ہوجاتا ہوں جس سے وہ
یمشی بہا۔ الحدیث (بخاری)	دیکھتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں

جس سے وہ پکڑتا ہے اور پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (بخاری)

اب ذرا مولوی صاحب سے پوچھئے۔ کہ اگر حق تعالیٰ کے افعال وصفات کا مظہر ہونا۔ عیسائیت اور اثینیت کو ختم کر دینا اور ذات کو گڈمڈ کر دینا ہے تو یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ نے جو بندۂ محبوب کو اللہ تعالیٰ کے تصرفات کا مظہر قرار دیا اور اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ کیا یہ عیسائیت کی تعلیم ہے۔ ممکن ہے مولوی گکھڑوی کے ذہن میں مظہریت کے خلاف کوئی اور معنی راہ پائے پس ہم اتمام حجت کیلئے اس حدیث کے ذیل میں مولوی انور شاہ کشمیری کے کلام کو پیش کرتے ہیں۔ فیض الباری شرح بخاری میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

فاذا صح الشجرۃ ان ینادی	جب درخت سے میں اللہ ہوں کی آواز آسکتی ہے تو
فیہا بانی انا اللہ فما بال المتصرف	متصرف بالنوافل کا کیا حال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ
بالنوافل ان لا یکون اللہ سمعہ	اس کی سمع و بصر نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ
وبصرہ کیف وان ابن آدم الذی	کا اپنے مقرب بندوں کی سمع و بصر ہو جانا
خلق علی صورۃ الرحمٰن لیس	ایسی صورت میں کیونکر محال ہو سکتا ہے۔
بادون من شجرۃ موسیٰ علیہ السلام	جبکہ وہ ابن آدم جو رحمٰن کی صورت پر

پیدا کیا گیا۔ شرف وکمال میں شجرہ موسیٰ سے کسی طرح کم نہیں ا۔

اب آپ کو اجازت ہے۔ کہ پوئے شرح صدر سے مظہریت کو عیسائیت قرار دے کر مولوی انور شاہ کو جہنم میں پہنچا دیجئے۔ یہ کیسا ظلم ہے کہ جو بات آپ کے معنوی آباء کی کتابوں میں موجود ہو وہ سب ایمان وعرفان ہے۔ اور وہی بات اگر ہمارے

اسلاف بیان فرمائیں۔ تو کفر و شرک ہو جائے۔ مزید توضیح کیلئے امام فخر رازی کا وہ نورانی بیان ملاحظہ فرمائیے۔ جو انہوں نے تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۴۷ پر اسی حدیث کے تحت ارقام فرمایا ہے۔

وھذا الخبر یدل علی انہ لم یبق فی سمعھم نصیب لغیر اللہ ولا فی بصرہم ولا فی سائر اعضائھم اذ لو بقی ھناک نصیب لغیر اللہ تعالیٰ لما قال انا سمعہ وبصرہ۔

(آگے چل کر فرماتے ہیں)

ولھذا قال علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ما قلعت باب خیبر بقوۃ جسدانیۃ ولکن بقوۃ ربانیۃ وذلک لان علیا کرم اللہ وجھہ فی ذالک الوقت انقطع نظرہ عن عالم الاجساد واشرقت الملئکۃ بانوار عالم الکبریاء فتقوی روحہ وتشبہ بجواھر الارواح الملکیۃ وتلألأت فیہ اضواء عالم القدس والعظمۃ فلاجرم حصل لہ من القدرۃ ما قدر بہا علی ما لم یقدر علیہ غیرہ وکذالک العبد

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندگانِ مقربین کی آنکھوں کانوں بلکہ تمام اعضا میں غیر اللہ کیلئے کوئی حصہ باقی نہیں رہا اسلئے کہ اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کیلئے حصہ باقی رہا ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہ فرماتا کہ میں اسکی سمع اور بصر ہو جاتا ہوں۔

اور اسی لئے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ ربانی قوت سے اکھاڑا تھا۔ اور اسکی اصل وجہ یہ تھی کہ اسوقت حضرت علی کی نظر عالم اجساد سے منقطع ہو چکی تھی۔ اور ملکی قوتوں نے حضرت علی کو عالم کبریا کے نور سے چمکا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے انکی روح قوی ہو کر ارواح ملکیہ کے جواہر سے مشابہ ہو گئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہ قدرت حاصل ہو گئی جو انکے غیر کو حاصل نہ تھی۔ اور اسی طرح جب کوئی بندہ

اذا واظب علی الطاعات بلغ المقام الذی یقول کنت له سمعا وبصرا فاذا صار نور جلال الله سمعا له سمع القریب والبعید واذا صار ذالك النور بصرا له رای القریب والبعید واذا صار ذالك النور یدا له قدر علی التصرف فی الصعب والسهل والبعید والقریب

نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے۔ تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کُنتُ لہٗ سمعا و بصرا فرمایا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اسکی سمع ہو جاتا ہے۔ تو وہ قریب اور دور کی آوازوں کو سن سکتا ہے اور جب نور اسکی بصر ہو گیا۔ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب نور جلال اس کا ہاتھ ہو جائے تو یہ بندہ مشکل اور آسان دور اور قریب چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث کے تحت مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

فرای ان ما به الکمال من السمع والبصر وقوۃ القوی انما هو من آثار سمعه وبصره وقدرته وقوته واما هو فعدم محض.

پس وہ عبد مقرب یہ اعتقاد کرتا ہے کہ اس کی سمع بصر اور تمام قوی کے کمالات حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی سمع اور بصر اور قدرت قوت کے آثار سے ہیں۔ رہا وہ بندہ تو وہ معدوم محض ہے۔

اور یہی مظہریت کا معنی ہے کہ بندے کی اپنی ذات اور اس کے افعال فنا ہو جائیں اور اس کی سمع، بصر وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے افعال ظاہر ہوں۔

صدر الافاضل اور شاہ عبدالعزیز دونوں نے استعانت کی ایک جیسی تفسیر کی ہے

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں ایاك نستعین کے تحت فرماتے

ہیں۔ لیکن درینجا باید فہمید کہ
استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد بر
آں غیر باشد واورا مظہر عون الہی
نداند حرام است واگر استعانت
محض بجانب حق است واورا یکے
از مظاہر عون دانستہ ونظر بکارخانہ
اسباب وحکمت او تعالےٰ در آں
نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید
دور از عرفان نخواہد بود ودر شرع نیز
جائز وروا است وانبیاء واولیاء
ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند
ودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر
نیست بلکہ استعانت بحضرت حق
است لاغیر۔

لیکن یہاں یہ بات سمجھنا چاہیئے کہ
غیر اللہ سے استعانت اس وقت حرام
ہوگی جب اس پر بھروسہ کرتے ہوئے
اسکو عون الہی کا مظہر نہ جانے۔ لیکن
اگر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور غیر اللہ کو
مظہر عون سمجھتا ہو اور اسباب وحکمت الہی
کو پیش نظر رکھے اور غیر سے استعانت ظاہری
کرے تو یہ عرفان الہی سے
بعید نہیں اور شریعت میں بھی
جائز ہے۔ اس قسم کی استعانت
انبیاء اور اولیاء نے بھی غیر اللہ سے کی ہے
اور حقیقت میں یہ استعانت
غیر سے نہیں بلکہ خود حق تعالےٰ
سے ہی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز کی شخصیت کو تمام امت دیوبند اپنا معنوی پدر تسلیم کرتی ہے۔ سرفراز صاحب ان کے ہم مشرب علماء شاہ صاحب کی عبارتوں کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ اور شاہ صاحب کا فیصلہ ذریت دیوبند کے حق میں حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تمہید کے بعد گذارش ہے کہ آپ شاہ صاحب کی مذکورہ بالا تفسیر کو صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی تفسیر کے ساتھ ملاکر دیکھیں کہ ان میں کس قدر ہم آہنگی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن

دیکھے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ واگر التفات محض بجانب حق است (اور اگر توجہ محض اللہ کی طرف ہو)۔

صدر الافاضل صاحب نے فرمایا۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات و خدام واحباب عونِ الٰہی کے مظہر ہیں۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ واو رایکے از مظاہر عون دانستہ (یعنی غیر اللہ کو عون الٰہی کا مظہر سمجھے)

صدر الافاضل صاحب نے فرمایا۔ مقربانِ حق کی امداد، امدادِ الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ ودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرتِ حق است لا غیر (اور حقیقت میں استعانت کی یہ قسم استعانت بالغیر نہیں بلکہ حق سبحانہ سے ہی استعانت ہے)۔

صدر الافاضل نے فرمایا۔ اگر یہ استعانت ناجائز ہوتی تو احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ وانبیاء واولیا ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند۔ (اور انبیاء اولیا نے اس قسم کی استعانت بغیر کی ہے) آپ نے غور فرمایا کہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے ایاک نستعین کی تفسیر میں شاہ صاحب کی تفسیر کا ہی خلاصہ پیش کیا ہے۔ اور اسی تفسیر کے بارے میں مولوی سرفراز نے یہ کہکر حق فرزندی ادا کر دیا۔ کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے۔ وہ بجائے خود قابلِ صد نفرین ہے ص۲۷ تنقید متین

ٹھیک ہے دیوبند کے جس گھولے میں سرفراز صاحب نے تربیت حاصل

کی ہے۔ وہاں ایسے ہی آداب فرزندی سکھائے جاتے ہیں۔ جس اسکول میں نبی کے علم کی بہائم اور مجنونوں کے علم سے تشبیہ کا درس دیا جاتا ہو وہاں اپنے حکمی باپ کی تعلیمات کو قابل صد نفرین کہنا نہ سکھایا جائیگا تو اور کیا ہو گا۔

استعانت کی بحث میں حرفِ آخر

شاہ ولی اللہ صاحب شرح اطیب النغم میں فرماتے ہیں۔

لابدست از استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔	نبی علیہ السلام سے استعانت کئے بغیر چارہ نہیں۔

مولوی قاسم نانوتوی صاحب بانی دیوبند قصائد قاسمی ص۸ پر لکھتے ہیں۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اہل سنت اگر اعینونی بقوۃ (میری قوت سے مدد کرو) سے جواز استمداد کا قول کریں۔ تو آپ فرماتے ہیں۔ کہ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء، اولیاء، شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں۔ کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب۔ ان سے اس قسم کی استعانت بہرصورت شرک ہے ص۲۹۔ اور شاہ ولی اللہ اور قاسم نانوتوی نے انہیں سے استعانت کی ہے۔ تو بتلائیے آپ کے نزدیک وہ مشرک ہوئے یا نہیں۔ یہی وہ شاہ ولی صاحب ہیں جنکی عبارتوں کو بے سوچے سمجھے نقل کر کے آپ نے تنقید متین کے ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ جن کی عبارتیں نقل کرنے سے آپ کی دوکان چمکتی ہے۔ جن کا نام لینے سے آپ کا ریٹ بڑھتا ہے۔ پھر آخر کچھ تو حق نمک کا پاس کیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔	اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا۔

پھر آپ نے شاہ ولی اللہ اور مولوی قاسم کو مشرک قرار دے کر انپر دروازہ مغفرت

کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند نہیں کر دیا۔ اور جب سرخیل دیوبند ہی مشرک قرار پایا تو باقی اتباع اور اذناب کس طبقہ میں ہو گئے؟

اب ہم اس بحث کو سید العارفین ابن عربی کے قول پر ختم کرتے ہیں۔ جسے علامہ شعرانی نے کبریت احمر جلد اول ص۔ اور الیواقیت الجواہر جلد دوم ص۸۴ پر نقل کیا ہے۔

قال واما القطب الواحد فھو روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم الممد لجمیع الانبیاء والرسل والاقطاب من حین النشئ الانسانی الی یوم القیامۃ - واللہ اعلم

اور ابن عربی نے کہا کہ بہر حال قطب واحد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام انبیاء رسل اور قطب کے ابتداء آفرینش انسانیت سے لے کر یوم قیامت تک کیلئے مددگار ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے۔

اس عبارت تک پہنچنے کے بعد بھی اگر مولوی سرفراز صاحب کے ہوش و حواس قائم رہے۔ تو ان سے معروض ہے کہ الدین النصیحۃ کے طور پر ہم نے مسئلہ استعانت کو کتاب و سنت اور اقوال سلف کی روشنی میں واضح تر بیان کر دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ۔ شاہ عبد العزیز۔ مولوی محمد قاسم۔ مولوی محمود الحسن صاحب اور دیگر سلوف دیوبند جنہیں مولوی سرفراز صاحب اپنے دین و ایمان کا مرکز سمجھتے ہیں۔ ان تمام حضرات کے اقوال سے مافوق الاسباب امور میں اور اولیا اللہ سے بعد الوصال استعانت کو ثابت کر دیا ہے اور اب سرفراز صاحب کیلئے صرف دو ہی راستے ہیں۔ یا تو ان تمام کو مُشرک قرار دیکر واصل فی النار کر دیں۔ اور اگر انہیں مشرک نہیں سمجھتے۔ تو خود اپنی ضلالت سے تائب ہوں۔ دُنیا کے جھوٹے وقار اور شہرت کی طلب میں ہمیشہ ہمیشہ کی مذلت کا

خطرہ مول لینے سے گریز کریں۔ اور حق و صداقت کی راہ اختیار کر لیں۔

چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل کے علم و فضل پر جو طعن کیا تھا۔ بالآخر اسکی شامت نے ان کا منہ سیاہ کر کے چھوڑا اور اسی وجہ سے انہوں نے شرک کی تعریف میں شدید ٹھوکریں کھائی ہیں۔

بہر حال ہم نے الدین النصیحۃ کے مطابق ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالے انہیں قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔

ضاد کا مخرج

حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے غیرالمغضوب علیھم کے تحت ارقام فرمایا۔ مسئلہ۔ جو شخص ضاد کی جگہ ظاء پڑھے۔ اس کی امامت جائز نہیں۔ (محیط برہانی)

مولوی سرفراز صاحب نے صدرالافاضل کے اس مختصر کلام پر کتنی طرح سے پیچ وتاب کھایا ہے۔ لیکن یہ تحریر ان کے گلے میں جاکر اس طرح پھنسی ہے نہ اُگلے بن پڑتی ہے اور نہ نگل کر ہی وہ آرام پا سکے۔ اس عبارت پر ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ محیط برہانی کا مجمل حوالہ دیا گیا۔ تفصیل ذکر نہیں کی۔ دوسرا یہ کہ مطلقاً ایک حرف کو دوسرے سے بدلنے کا یہی حکم ہے۔ پھر ضاد کی تخصیص کی کیا وجہ۔ تیسرا یہ کہ مسئلہ امام ومقتدی سب کے لئے یکساں ہے۔ پھر امام کی تخصیص کیوں کی پھر ان اعتراضوں کے ضمن میں سرفراز صاحب نے اپنے کمزور مطالعہ اور علمی بے مائیگی کی وجہ سے جو مار کھائی ہے۔ وہ بیان سے باہر ہے ہم ان شاء اللہ العزیز اس بحث کے ضمن میں ان کی خامیوں کی طرف اجمالی اشارے کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

مجمل حوالہ کا جواب

صدرالافاضل سے آپ کو یہ شکایت ہے۔ کہ انہوں نے محیط برھانی کا مجمل حوالہ پیش کیا میں کہتا ہوں کہ کیا آپ اور آپ کے معنوی آباؤ اجداد نے کبھی کسی کتاب کا مجمل حوالہ پیش نہیں کیا۔ پھر صدرالافاضل پر غیظ وغضب کا اظہار کیوں ہے۔ بلکہ فتاوی رشیدیہ کو اگر آپ نے جانبداری کی عینک اتار کر دیکھا ہوتا۔ تو پتہ چلتا

کہ پورے فتاوی میں کہیں نام کے لئے بھی حوالہ موجود نہیں پھر مجمل حوالے تو ایک طرف ہے۔ آپ کے سلوف تو بے بنیاد اور خلاف واقعہ حوالے پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ کے اکابر نے سیف النقی میں اعلحضرت قدس سرہٗ کے والد صاحب کے نام سے ایک کتاب تحفۃ المقلدین اختراع کی۔ ایک کتاب ھدایۃ البریۃ کے نام سے ایجاد کی۔ پھر مزید ترقی کی اور مرأۃ الحقیقۃ کے نام سے ایک کتاب غوث اعظمؓ کی طرف منسوب کر کے وضع کی۔ کاش صدر الافاضل پر مجمل حوالہ کے طعن کرنے سے پہلے آپ آئینہ میں اپنی صورت دیکھی ہوتی۔ آپ کے معنوی والد مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے تفسیرات احمدیہ کے منہیات کا حوالہ پیش کیا۔ اور آپ کو بھی تسلیم ہے۔ کہ اس کے منہیات کا کہیں وجود نہیں۔ باقی یہ کہہ دینا کہ ضرور ان کے پاس کوئی منہیات والا نسخہ ہوگا دل کے بہلانے کے لئے کافی ہے۔ دلائل و براہین کی دنیا میں اس سے کام نہیں چلتا۔ ایسی بے سر و پا باتیں کہہ کر آپ صرف شاگردوں اور معتقدین کے زمرہ میں بیٹھ کر داد و تحسین حاصل کر سکتے ہیں۔ استدلال کے میدان میں ان احتمالات رکیکہ کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

صدر الافاضل کا حوالہ مجمل ہے۔ پھر کیا ہوا۔ بات تو تب تھی کہ آپ کہتے کہ یہ حوالہ غلط ہے۔ اور اسے ثابت کرتے۔ شکر کیجئے۔ صدر الافاضل نے تفصیل نہیں کی۔ ورنہ آپ کو جھینگی پڑتی۔ اگر نہیں مانتے تو لیجئے تفصیل حاضر ہے۔ شرح فقہ اکبر فصل فی القرأۃ والصلوٰۃ ص۱۶۷ پر ہے۔

وفی المحیط سئل الامام الفضلی	اور محیط میں ہے کہ امام فضلی سے سوال کیا
عمن یقرأ الظاء المعجمۃ مکان	گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو ضاد کی
الضاد المعجمۃ او یقرء اصحٰب الجنۃ	جگہ ظا یا اصحاب جنت کی جگہ

مکان اصحاب النار او علی العکس فقال لا تجوز امامته ولو تعمد یکفر۔

اصحاب النار پڑھے۔ فرمایا اس شخص کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے۔

صدر الافاضل نے تو فقط یہ فرمایا تھا، کہ ضاد کو ظاء سے بدلنے والے کی امامت جائز نہیں۔ اور صاحب محیط نے اس پر یہ زیادتی بھی کی ہے۔ کہ ایسا عمداً کرنے والا کافر ہے۔ آخر کار آپ نے اپنے آپ کو کافر ہونے سے بچھوڑا۔ یہی وہ عبارت ہے جس کو سرفراز صاحب بھی مدہوشی میں بطور ان کہی کے اپنی تنقید میں کہہ چکے ہیں۔ اس کے آگے انہوں نے جو کچھ نقل کیا وہ ملا علی قاری کا کلام ہے اور ہماری گفتگو اس وقت محیط کی اصل عبارت میں ہے۔

منیۃ المصلی کی عبارت نقل کرنے میں سرفراز صاحب کی خیانت

اس بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے کمال بددیانتی سے کام لیتے ہوئے منیۃ المصلی کی اس عبارت کو توڑ لیا جس کو صاحب منیہ نے بعض مشائخ سے نقل کیا اور اس سے چند سطر اوپر والی عبارت چونکہ ان کے عقیدہ فاسدہ کے خلاف تھی۔ اسلئے اس کو کلیۃً ترک کر دیا حالانکہ اس عبارت کو صاحب منیہ نے اکثر ائمہ کا معتمد علیہ قرار دیا ہے۔

دیکھئے یہ وہ عبارت ہے جس کو مولوی سرفراز صاحب نے نقل کیا۔

وذکر فی الذخیرۃ اذا لم یکن بین الحرفین اتحاد فی المخرج ولا قرب الا انہ فیہ بلوی عامۃ نحو ان یاتی بالذال مکان الضاد او یاتی بالزای المحض مکان الذال او

ذخیرہ میں مذکور ہے جبکہ دو حرفوں میں نہ تو اتحاد فی المخرج ہو۔ نہ قرب ہو مگر اس میں بلوی عامہ ہو۔ مثلاً ضاد کی جگہ ذال یا ذال کی جگہ زائے محض کو یا ضاد کی جگہ ظاء کہے۔ تو

الظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ (غنیۃ المستملی ص۴۸۲)

تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

اور جو عبارت سرفراز صاحب کے فسادِ نیت کی بھینٹ چڑھ گئی وہ یہ ہے۔

اما اذا قرأ مکان الذال ظاءً او مکان الضاد ظاءً او علی القلب تفسد صلوٰۃ و علیہ اکثر الائمۃ (غنیۃ المستملی ص۴۸۲)

بہر حال جب ذال کی ظاء یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھا۔ تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور اسی پر اکثر ائمہ کا اعتماد ہے۔

عبارات فقہاء کی توضیح

مولوی سرفراز صاحب کی اس خیانت کو ظاہر کرنے کے بعد اب ہم ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے پر تفصیلی کلام پیش کریں گے جس سے انشاء اللہ ظاہر ہو جائے گا کہ فقہاء کرام کی عبارتوں میں جو صوری اختلاف پایا جاتا ہے جسے مولوی سرفراز صاحب تو خات سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب ایک ہی کلمہ پر متفق ہیں۔ اس سے قبل کہ ہم تطبیق بین الاقوال کیلئے تمہید شروع کریں۔ ان اختلافات کی نشاندہی کیئے دیتے ہیں۔ امام فضلی نے جان بوجھ کر ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو کفر قرار دیا۔ اکثر ائمہ نے فساد صلوٰۃ کا سبب قرار دیا۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جیسا کہ کتب اصول میں مرقوم ہے۔

وھو اسم للنظم والمعنی جمیعا (نور الانوار ص۹، حسامی ص۳)

قرآن۔ لفظ اور معنے دونوں کا نام ہے۔

پس جس شخص نے قرآن کے ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا اور

اس صورت میں دو احتمال ہیں۔ یاتو اس تبدیل شدہ لفظ کی نظیر قرآن میں موجود ہوگی۔ اور معنی بھی مناسب ہوگا۔ اور یا اس کی نظیر قرآن میں نہ ہوگی شق اول میں لفظ نہ بدلا اور نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسے کوئی شخص لیغیظ کی ظا کو ضاد سے بدل کر لیغیض پڑھے۔ کیونکہ لیغیض کی نظیر غیض الماء قرآن میں موجود ہے اور معنی بھی مناسب ہے۔ کیونکہ غیض کا معنی ہے "کم ہونا" پس لیغیظ بھم الکفار کا معنی ہے۔ "تاکہ کفار کو جلادے" اور لیغیض بھم الکفار کا معنی ہے "تاکہ کفار کو کم کر دے" اور ان کا تناسب ظاہر کرے۔ اور شق ثانی میں یعنی حرف بدل گیا ہو۔ اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔ پس لفظ تو بہر حال متغیر ہوگیا۔ اور معنی کے اعتبار سے تین احتمال ہیں۔ یا تو لفظ بدل دینے کے بعد بھی اصل معنی برقرار رہا۔ جیسے کوئی شخص لیغیظ میں ظاء کی جگہ ذال پڑھے۔ کیونکہ دونوں کا ایک معنی ہے۔ قاموس میں ہے۔ المغتاذ المغتاظ۔ پس اس صورت میں صرف لفظ بدلا ہے۔ معنی نہیں بدلا۔ لہذا نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر اصل معنی باقی نہ رہا تو یا تو تبدیلی کے بعد لفظ مہمل رہ جائیگا۔ کہ اس کا کوئی معنی نہ ہو جیسے مغضوب میں کوئی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے کیونکہ اس لفظ کا کوئی معنی نہیں۔ غنیۃ المستملی میں ہے۔ غظب بالظاء لیس له معنی اور یا اس لفظ کا معنی تو ہوگا۔ مگر یہ معنی لفظ قرآن کے خلاف اور اس کا مغیر ہوگا جیسے کوئی شخص "تلذّ" کی ذال کو ظاء سے بدل کر تلظُّ پڑھے کیونکہ تلذ لذت سے ماخوذ ہے۔ اور تلظ کا معنی لزوم اور الحاح ہے۔ کذا فی شرح المنیۃ ص ۴۴۹۔ پس آخری دو صورتوں میں بھی جس نے مغضوب کی جگہ مغظوب پڑھا یا تلذّ کی جگہ تلظ پڑھا۔ قرآن کا لفظ اور معنی دونوں بدل گئے۔ اور قرآن چونکہ لفظ و معنی دونوں سے عبارت ہے پس یہ وہ الفاظ نہیں جنہیں اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا

اور جنہیں جبرائیل امین نے حضور پر اور حضور نے صحابہ پر پڑھا۔ اور ان غیر قرآنی الفاظ کو پڑھنے والا تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ عمداً غیر قرآن کو قرآن سمجھ کر پڑھتا ہے۔ اور یہ کفر خالص ہے۔ اور من افتریٰ علی اللہ کذبا کے تحت داخل ہے۔ پس جن فقہاء نے ضاد کی جگہ ظا پڑھنے کو کفر قرار دیا۔ وہ اسی شق پر محمول ہے۔ اور یا وہ غیر قرآن کو غیر قرآن سمجھتا ہے۔ لیکن عمداً نماز میں غیر قرآنی کلمات یعنی کلام الناس کو داخل کرتا ہے پس اس کی نماز فاسد ہو جائیگی۔ کیونکہ کلام الناس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لقولہ علیہ السلام ان صلاتنا ھذہ لا یصلح فیھا شئی من کلام الناس۔ تحقیق ہماری یہ نمازیں دنیاوی کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

اور اکثر ائمہ کرام جنہوں نے ضاد کی جگہ ظا پڑھنے کو فساد صلوٰۃ کا سبب قرار دیا۔ اسی تقدیر پر محمول ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ قاری انتہائی کوشش اور غایۃ اجتہاد سے اپنے خیال میں لفظ کو اس کے مخرج سے ادا کرتا ہے لیکن ادائیگی دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ پس اس صورت میں عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اور بعض مشائخ جنہوں نے کہا نماز فاسد ہو گی۔ ان کا قول اسی صورت پر محمول ہے۔

فقہاء کرام کی عبارتوں کو سوچے سمجھے بغیر سرفراز صاحب کا انہیں غوغا سے تعبیر کرنا چھوٹا منہ بڑی بات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور ان کا تفصیل تفصیل رٹ لگانا حقیقت میں ان عبارات کو سمجھنے کیلئے تھا۔ جو بہر حال ہم نے انہیں سمجھا دیں لیکن استفادہ کا یہ انتہائی غیر محمود طریقہ ہے جسے دیوبند کے اس فاضل نے ایجاد کیا ہے۔

دیوبند کے اہلِ حق کی قرآن میں لفظی تحریف

صدر الافاضل کا کلام نقل کرنے کے بعد تنقید ص۳۲ پر مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں :۔
" مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والوں کی امامت جائز نہیں۔ تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اہلِ حق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی "

سوال یہ ہے کہ یہ اہلِ حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہی کیوں ہیں۔ کیا انہیں قرآن میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہوئے کوئی خدا کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا بلکہ یوں کہئے کہ غیر قرآن کو قرآن قرار دینے میں اور جو بات اللہ تعالےٰ نے نہیں کہی۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں انہیں کوئی حیا نہیں آتی اور کذب باری کا مسئلہ کیا۔ اسی اعتذار کیلئے تو ایجاد نہیں کیا تھا

عمومِ بلوی کا جواب

اہلِ حق کی اسی تحریف پر عذر لنگ پیش کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب قاضی خان کی عبارت بے سمجھے نقل کرنے کے بعد ص۳۳ پر لکھتے ہیں۔

" اس سے معلوم ہوا کہ ضاد۔ ظاء۔ اور ذال کو عموم بلوی اور تمیز میں مشقت کی وجہ سے ایک دوسرے کے مقام پر پڑھنے میں وسعت دی گئی ہے۔ کہ اگر الضالین کو الظالین پڑھا گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی "

اولاً تو یہ فقہائے کرام پر محض بہتان ہے کہ انہوں نے علی الاطلاق ضاد کو ظاء پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ سرفراز صاحب نے قرآن کریم میں تحریف ثابت کرنے کے لئے یہ خلاف اقربات وضع کی ہے۔ ورنہ فقہاء کا مقام اس سے بہت بالا ہے۔ کہ وہ تحریف خالص اور کفر صریح کی اجازت دیں۔ ثانیاً یہ کہ الضالین کو الظالین پڑھنے کا منشا تو آپ نے مخارج میں عدم تمیز قرار دیا ہے

توکیا پورے دیوبند کے قرأت خانہ میں ایک بھی قاری ایسا نہیں جو الضالین کو الضالین پڑھے۔ اور دیوبند کے اکابر و اصاغر میں کوئی بھی ایسا نہیں۔ جو ضاد اور ظاء کے مخارج اور صفات میں تمیز کر سکے۔ قرآن میں تحریف کی بنیاد آپ نے رکھی بھی تو ایسی رکھی جس نے پوری امت دیوبند کی بے علمی کا راز فاش کر دیا۔

تنقید ص۲۳ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں :-

"اس سے معلوم ہوا کہ حرف ضاد اور ظاء کی تمیز خاصی مشکل ہے اور ان کی ادائیگی میں خاصی مشقت ہوتی ہے۔"

اور یہی بات ہم کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اہلِ دیوبند کو ضاد اور ظاء کے مخارج میں تمیز نہیں ہے۔ عوام تو خیر عوام ہیں۔ ان کے علماء کو بھی اتنی تمیز اور سلیقہ نہیں۔ کہ ضاد کس طرح پڑھا جاتا ہے۔ نیز دیوبند کے علماء کے کی غلطی پر عموم بلوی سے استدلال کرنا بھی عجب بھونڈی منطق ہے۔ بے چارے سرفراز صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ عموم بلوی سے عوام کیلئے حکم ثابت ہوتا ہے خواص کے لئے نہیں۔ کیا دیوبند کے تمام علماء، اور قاری حضرات عوام میں داخل ہیں کہ ان کی بے تمیزی اور غلط پڑھنے کو عموم بلوی کی وجہ سے معاف کر دیا جائے۔ ثالثاً یہ کہ فقہاء کرام نے خطاءً اور نسیاناً ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والے کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ نہ کہ عمداً ظاء پڑھنے والے کو اور ذریت دیوبند نہ صرف یہ کہ عمداً ظاء پڑھتی ہے۔ بلکہ وہ ظاء پڑھنے پر اصرار کرتی ہے۔ اور اس نے اس تحریف کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ جیسا کہ مولوی سرفراز صاحب کو بھی اقرار ہے۔ کہ "اہلِ حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہیں" اور جو عمداً ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اس کی نماز بہر حال فاسد ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ خزانۃ المفتی میں اسی بحث میں ہے :-

غیر المغضوب بالظاء والظالمین
بالذال او بالضاد قال بعضهم لا
تفسد هم ابو القاسم الصغار و محمد
بن سلمة وكثير من المشائخ افتوا
به لعموم البلوى فان العوام لا
يعرفون مخارج الحروف وقال
امام ابو المحسن والقاضي الامام
ابو العاصم ان تعمد ذالك تفسد و
ان جرى على لسانه اولم يكن
ممن يميز بين الحرفين لا تفسد

غیر المغضوب کو ظاء سے پڑھنا یا ظالمین کو
ضاد سے پڑھنا۔ بعض نے کہا کہ اس سے نماز
فاسد نہیں ہوتی۔ اور وہ ابو القاسم صفار
اور محمد بن سلمہ ہیں اور بہت سے مشائخ نے
اس پر عموم بلوی کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ
کیونکہ عوام مخارج حروف کو نہیں پہچانتے
اور امام ابو محسن اور قاضی امام ابو العاصم
نے کہا کہ اس نے جان بوجھ کر ایسے پڑھا۔ تو
نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور اگر اسکی زبان پر بلا
قصد جاری ہوا یا وہ ان دو حرفوں کے
درمیان تمیز نہ کر سکتا تھا۔ تو نماز فاسد نہیں ہوگی

خزانۃ الاکمل کی اسی بحث میں ہے۔

اذا قرء مكان الظاء ضادًا او مكان
الضاد ظاء فقال القاضي المحسن
الاحسن ان يقال ان تعمد ذالك
تبطل صلاته عالما كان او جاهلا
اما لو كان مخطئا اراد الصواب
فجرى هكذا على لسانه اولم يكن
ممن يميز بين الحرفين فظن انه
ادى الكلمة كما هي فهي غلط جائز
به الصلوٰة (عالمگیری ص ۳۱ ج ۱ رد المحتار ص ۴۴۳ ج ۱)

جب ظاء کی جگہ ضاد یا ضاد کی جگہ ظاء
پڑھا پس قاضی محسن نے کہا۔ بہترین
قول یہ ہے کہ اگر اس نے قصداً ایسا کیا ہے
تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ خواہ عالم ہو یا جاہل
اور اگر صحیح حرف ادا کرنے کی کوشش میں غلط
حرف زبان پر آ گیا یا وہ دو حرفوں
میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔ تو وہ لفظ تو
اس نے بہر حال غلط ہی پڑھا لیکن
نماز ہو جائے گی۔

ان عبارات سے یہ امر خوب واضح ہوگیا ہے۔ کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا بہر کیف غلط ہے۔ اگر یہ غلطی دیدہ دانستہ کی گئی تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور اگر بے علمی اور عدم تمیز کی بناء پر یہ غلطی ہوئی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور جن عبارتوں کو سرفراز صاحب ضاد کی جگہ ظاء کے جواز پر لائے ہیں۔ ان کا اس کے سوا اور کوئی محمل نہیں ہے۔ اور مولوی سرفراز صاحب نے جس طرح ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ وہ قرآن میں تحریف کرنے کی ایک انتہائی مذموم حرکت اور اسرائیلی کوشش ہے۔ غیر قرآن کو قرآن قرار دینے کا ایک کلیسائی حربہ ہے۔ اور ہم سطور سابقہ میں محیط برہانی کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اس طرح ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا کفر خالص ہے۔ اور ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا کا مصداق ہے۔

ضاد کو عمداً ظاء پڑھنا کفر ہے

محیط برہانی کا حوالہ شرح فقہ اکبر سے نقل کرنے کے بعد اب ہم جامع الفصولین کی عبارت کلمات کفریہ کی بحث سے نقل کرتے ہیں۔

یقراء الظاء مکان الضاد ویقرء کیف شاء اصحاب الجنة مکان اصحاب النار لم تجز امامته و لو تعمد کفر۔ (جامع الفصولین ۳۱۶/۲)

جو آدمی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اور اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھے۔ اسکی امامت تو بہر حال جائز نہیں (خواہ عمداً پڑھے یا سہواً) اگر عمداً پڑھتا ہے تو کافر ہوگیا۔

اب ذرا مولوی سرفراز صاحب منظر قیامت کو سامنے رکھکے اور خوف آخرت کو دل میں جگہ دیکر غور کریں۔ کہ مسئلہ تو امام اور مقتدی دونوں کیلئے یکساں ہے۔ پھر صاحب جامع الفصولین نے امام کا مسئلہ بالخصوص کیوں ذکر کیا۔ صدر الافاضلؒ پر سرفراز صاحب نے اس اعتراض کی بناء قائم کرکے جو طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کی ہے

اور گندہ دہنی کی بناء پر جو منہ میں آیا کہتے چلے گئے ہیں۔ کیا ان تمام ہذیانات کا رجوع صاحب جامع الفصولین کی طرف نہیں ہوتا۔ یہ کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ اگر صاحب جامع الفصولین صرف امام کا مسئلہ بیان کریں تو آپ کے صبر و اطمینان میں کوئی فرق نہ آئے اور وہی بات صدر الافاضل نے فرمائی تو آپ اس طرح چیخ اُٹھے۔ جیسے قصر دیوبند میں زلزلہ آگیا ہو۔

حرفِ ضاد کی تخصیص کا جواب

رہا مولوی گکھڑوی صاحب کا یہ اعتراض کہ فقہاء کرام کا یہ ضابطہ تو تمام حروف کو شامل ہے۔ پھر ضاد اور ظاء کا مسئلہ ہی کیوں بیان کیا۔ جواب یہ ہے کہ اول تو خصوصیت مقام قرینہ ہے۔ کیونکہ ولا الضالین میں ضاد کا ذکر ہے۔ اور ضاد کے ظاء سے ملتبس ہونے کا شائبہ تھا۔ اسلئے اس کے مسئلہ کو بیان کر دیا۔ ثانیاً یہ کہ چونکہ دیوبند کے اہلِ حق نے قرآن میں تحریف کرنے کیلئے حرفِ ضاد کو خاص کر لیا ہے۔ کما مرّ سابقا۔ اسلئے صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بالخصوص ضاد کے مسئلہ کو بیان کر دیا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ امام صاحب نے جواز مسح خفین کے اعتقاد کو اہلِ سنت کی علامت قرار دیا ہے۔ حالانکہ دوسری سنتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن چونکہ مبتدعین شدت کے ساتھ موزوں پر مسح کا انکار کرتے تھے۔ اسلئے انہوں نے جواز مسح کو اہلِ سنت کی علامت قرار دیا۔ نہ کہ باقی سنن کے عمل پر جواز کو حالانکہ ان کا بھی یہی حکم ہے۔

دیکھئے شرح فقہ اکبر ص۷۶ پر ہے۔

سئل ابوحنیفۃ رحمہ اللہ علیہ	امام ابوحنیفہؒ سے مذہب اہلِ سنت
عن مذھب اھل السنۃ والجماعۃ	کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو آپ نے
فقال ان تفضل الشیخین ای ابابکر و	فرمایا۔ کہ شیخین یعنے ابوبکر اور

عمر رضی اللہ عنہما وتحب الختنین ای عثمان وعلیا رضی اللہ عنہما و تری المسح علی الخفین وتصلے خلف کل بر وفاجر

عمر رضی اللہ عنہما کو فضیلت دو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو دامادوں یعنی عثمان اور علی رضی اللہ عنہما سے محبت محبت کرو۔ اور موزوں پر مسح کے جواز کا اعتقاد رکھو اور ہر نیک بد کے پیچھے نماز پڑھو۔

اگر آپ کو ضاد کی خصوصیت سے شکوہ ہے۔ تو قرآن کریم کے اس خاص حرف میں تحریف کرنا چھوڑ دیجئے۔ ہم بھی آپ کا پیچھا چھوڑ دیں گے۔

امامت کی تخصیص کا جواب

باقی رہا یہ کہ مسئلہ امام و مقتدی سب کیلئے یکساں ہے۔ تو امام کی تخصیص کیوں کی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ جب یکساں ہے۔ تو خواہ امام کے بارے میں بنایا جائے یا مقتدی کے بارے میں کیا فرق پڑتا ہے۔ بلکہ مقتدی کی نسبت امام کا مسئلہ بیان کرنا زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ مقتدی کی نماز فاسد ہونے سے ایک کی نماز فاسد ہو گی اور امام کی نماز کے فساد سے تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہوتی ہے علاوہ ازیں امام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امام کو عالم اور قاری ہونا چاہیئے۔ بخلاف عوام کے کیونکہ اقتداء کے لئے تجوید و قرأت کا جاننا ضروری نہیں ہے بات تو بالکل سیدھی اور صاف تھی۔ برافروختگی کی وجہ نہ تھی مگر شاید آپ کو اپنی امامت کا خطرہ پڑ گیا۔ کہ اگر لوگ اس حقیقت پر مطلع ہو گئے۔ کہ ضاد کو ظاد پڑھنے والے کی امامت صحیح نہیں۔ تو پھر آپ کی امامت جاتی رہے گی۔ اور روٹیوں کے لالے پڑ جائیں گے۔ کاش آپ نے دنیا دی چند روزہ روزگار کے بجائے متاع آخرت کو ترجیح دی ہوتی۔ خدا کے خوف کو دل میں جگہ دے کر ضاد کو ضاد ہی پڑھا ہوتا۔ انا لہ لحافظون کی

لاج رکھی ہوتی۔ چند سنہری سکوں کے عوض قرآن کو نہ بدلا ہوتا ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

مروجہ ایصال ثواب

ومما رزقنٰھم ینفقون کے تحت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے یا زکوۃ مراد ہے، جیسا دوسری جگہ فرمایا۔ یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ یا مطلق انفاق خواہ فرض وواجب ہو۔ جیسے زکوٰۃ و نذر اپنا اور اپنے اہل کا نفقہ وغیرہ خواہ مستحب جیسے صدقاتِ نافلہ۔ اموات کا ایصال ثواب۔ مسئلہ گیارہویں۔ فاتحہ تیجہ چالیسواں وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔ کہ وہ سب صدقاتِ نافلہ ہیں اور قرآن پاک و کلمہ شریف کا پڑھنا نیکی کے ساتھ اور نیکی ملا کر اجر و ثواب بڑھاتا ہے۔ انتھی

مولوی سرفراز صاحب نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے اس محققانہ کلام پر تنقید کرنے کیلئے یہ ضروری سمجھا کہ صیہونی چابکدستی سے اس عبارت میں قطع بُرید کی جائے۔ چنانچہ مسئلہ گیارہویں سے پہلے مذکورہ تمام عبارت مقراضِ گھکڑ کی نذر ہوگئی۔ اور اس مذموم جسارت سے سرفراز صاحب کا مدعا یہ ہے۔ کہ عوام کو یہ سمجھایا جاسکے کہ اہل سنت کے نزدیک ممارزقنٰھم ینفقون کی تفسیر مسئلہ گیارہویں اور اس کے لواحقات کے سوا کچھ نہیں۔ سادہ لوح عوام اور معصوم ذہنوں کو گمراہ کرنے کے شوق میں مولوی سرفراز صاحب اس تیزی سے آگے بڑھے کہ منزل عاقبت بھی ان کا منہ تکتی رہ گئی۔

تقرب لغیر اللہ کی بحث

تنقید کے ص۲۷ پر مولوی سرفراز صاحب رقم طراز ہیں۔

" گیارہویں کے بارے میں عوام الناس کے مختلف نظریات ہیں۔ بعض

جہلار کا تو یہاں تک خیال ہے کہ اگر بڑے پیر صاحب کے نام پر مقررہ تاریخ پر گیارھویں نہ دی گئی تو جانی اور مالی طور پر ناقابلِ برداشت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ گھر میں بیماری پڑ جائیگی۔ کھیتی تجارت اور کاروبار میں خسارہ ہوگا۔ اگر گیارھویں کا دودھ نہ دیا گیا تو دودھ دینے والے جانوروں کے تھنوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر بروقت گیارھویں ادا کر دی گئی تو سب کام ٹھیک ٹھاک رہیں گے۔ اور جان و مال اور کاروبار میں گوناں گوں برکت ہو جائیگی۔ ظاہر امر ہے۔ کہ غیر اللہ سے خوف ورجا اور امید و بیم کے اسی نظریہ کو تقرب لغیر اللہ کہا جاتا ہے۔ جس کے حرام اور شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔"

ہم مولوی سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کے پاس کوئی تحریری یا تقریری شہادت موجود ہے۔ جس کی بناء پر آپنے بعض جہلار کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ اور اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو اب تین ہی صورتیں ہیں یا تو آپنے خلافِ واقعہ ایک عقیدہ وضع کر کے اسے جعلی طور پر جہلا کی طرف منسوب کیا۔ یا آپ نے خلافِ نصوصِ شرعیہ سادہ لوح عوام کے حق میں یہ بدگمانی کی ہے یا پھر آپ خود کو علیمٌ بذات الصدور سمجھتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ فاسدہ رکھتے ہیں کہ آپ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کے عقائد معلوم کر لیتے ہیں۔ آخر ہمیں بھی تو سمجھائیں کہ بغیر کسی سند اور دلیل کے اور بدون کسی شہادت کے آپنے کیسے بعض لوگوں کے عقیدہ پر اطلاع حاصل کر لی۔ ثانیاً ہم پوچھتے ہیں کہ مطلقاً کسی کے نفع وضرر پہنچانے کا عقیدہ رکھنا اور اس سے تقرب حاصل کرنا شرک ہے۔ یا اس عقیدہ کو علی وجہ العبادت رکھنا شرک ہے۔ بر تقدیر اول لازم آئیگا۔ کہ زہر میں ضرر اور تریاق میں نفع سمجھنا اور آپ کا اصنام دیوبند سے تقرب حاصل کرنا یہ سب شرک ہو۔ اور

برتقدیر ثانی یعنی اگر کسی کو علی وجہ العبادۃ نافع اور رضا دا عتقاد کرنا اور تقرب علی وجہ العبادۃ شرک ہو تو پھر آپ کا مزعوم باطل ہو گیا۔ کیونکہ اس کا تو آپ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کہ جہلاء بڑے پیر صاحب کی عبادت نہیں کرتے نہ انہیں معبود سمجھتے ہیں۔ ذرا خدا کے خوف کو دل میں جگہ دے کر ملاحظہ فرمائیے۔

درمختار ص ۲۳ پر ہے۔

انا لا نسئی الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الا دمی بھذا النحر	ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس فعل ذبح کے ذریعہ کسی آدمی کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

اس کے تحت علامہ شامی فرماتے ہیں۔

ای علی وجہ العبادت لا نہ المکفر وھذا بعید من حال المسلم (رد المحتار ص ۲۰۳ ج ۵)	یعنی شارح کی مراد تقرب سے تقرب علی وجہ العبادت اسلئے کہ تقرب علی وجہ العبادۃ ہی موجب شرک ہے اور ایسا تقرب مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔

دیدہ عبرت کیلئے یہ سند کافی ہے کہ شرک کا مدار کسی کو معبود سمجھنے پر ہے آپ اگر واقعی مسلمانوں کو مشرک بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو پھر یہ ثابت کیجئے کہ جہلاء بڑے پیر کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں۔ و بدونہ خرط القتاد آئیے۔ اب ہم آپ کو بتائیں کہ اپنے پیروں بلکہ مولویوں کو بھی معبود سمجھ کر کون پوجتا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ مرثیہ گنگوہی ص ۱۲ پر مولوی محمود الحسن صاحب مولوی رشید احمد گنگوہی کی موت پر مرثیہ خوانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تمہاری تربتِ انور کو دیکر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار ارنی میری دیکھی بھی نادانی

اب آپ خود خیال کیجئے۔ کہ طور پر کس ذات نے تجلی فرمائی تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے کس ذات کے دیکھنے کیلئے بار بار ارنی فرمایا تھا۔ اور مولوی محمود الحسن صاحب کس کی قبر کو طور اور کس کے دیکھنے کو ارنی کہہ رہے ہیں اور یہ آپ کی طرح یوں ہی بے سند بات نہیں ہے۔ بھارتی دیوبند اور پاکستان کے بیشمار دیوبندی پریسوں کے مطبوعہ مرثیہ میں یہ شعر موجود ہے۔

نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کے ترتب کا عقیدہ آپ نے عوام اہل سنت یا جہلاء کی طرف بلا شہادت منسوب کر دیا۔ اس پر کوئی حوالہ یا سند لانے سے آپ عاجز رہے۔ لیکن ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ کہ یہ عقیدہ خود آپ کے سلوف میں موجود ہے۔ اور اس پر شہادت پیش کریں گے۔ وہ شاہ ولی اللہ جنہیں امت دیوبند اپنا واحد سہارا سمجھتی ہے۔ انفاس العارفین صہ ۵۳ پر اپنے والد شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات کے باب میں ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت ایشان میفرمودند فرہاد بیگ را مشکلے پیش آمد نذر کرد بابر خدایا اگر ایں مشکل بر آمد ایں قدر مبلغ حضرت ایشاں ہدیہ برم آں مشکل مندفع شود۔ و آں نذر از خاطر او رفت بعد چندے اسپ او بیمار شد و نزدیک ہلاک رسید بر سبب ایں امر مشرف شدم بدست یکے از خادمان گفتہ فرستادم کہ ایں بیماری بسبب

حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ فرہاد بیگ کو کوئی مشکل آ پڑی۔ اس نے نذر مانی کہ اے خدا اگر یہ مشکل حل ہو گئی تو میں اس قدر ہدیہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کرونگا چنانچہ وہ مشکل حل ہو گئی اور وہ نذر پوری کرنا بھول گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کا گھوڑا بیمار ہو گیا اور ہلاکت کی دہلیز تک آ پہنچا میں اس بیماری اور ہلاکت کے سبب پر مطلع ہوا اور ایک خادم کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ یہ بیماری نذر پوری نہ

عدم وفاء نذر است۔ اگر اسپ خود
مے خواہی نذرے راکہ در فلاں محل
التزام نمودۂ بفرست مے نام شد
وآں نذر فرستاد ہماں ساعت اسپ
او شفا یافت ۔

کرنے کے سبب سے ہے۔ اگر گھوڑے کی
خیریت چاہتا ہے تو فلاں نذر جو فلاں
جگہ مانا تھا پوری کر۔ وہ اپنے فعل پر نادم
ہوا اور نذر ارسال کی اور اسی وقت اس کا
گھوڑا شفایاب ہو گیا۔

اللہ اکبر آپ کہتے ہیں کسی کو نافع وضار سمجھنا بھی شرک ہے تقرب لغیر اللہ بھی شرک ہے۔ اور شاہ صاحبؒ فرہاد بیگ کو اپنے تقرب اور اپنے نفع ضر کی تلقین کر رہے ہیں۔ تو پھر آپ کے نزدیک فرہاد بیگ تو خیر مشرک ہوا ہی لیکن شاہ صاحبؒ کا مقام آپ کے ہاں ابلیس سے کیا کم ہو گا۔ کیونکہ اہلِ فہم پر مخفی نہیں کہ لوگوں کو اپنی عبادت پر راغب کرنا شیطان لعین ہی کا کام ہے۔ عقائد جہلاء پر غیر مسلح حملہ کرنے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی تو خبر لی ہوتی۔ اگر آپ کے دِل دل میں انصاف کا کوئی شمہ بھی موجود ہے تو شاہ عبدالرحیم صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ ان سب سے بیزاری کا اظہار کریں۔ حیرت ہے کہ جو لوگ آپ کے فتوٰی کی زد میں آکر مشرک قرار پاتے ہوں۔ آپ انہیں کے اقوال سے احتجاج کرتے ہیں۔ اور انہیں کی عبارتوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ صرف یہی ایک مقام نہیں دیوبند کے تمام عقائد و اعمال کا یہی حال ہے۔ جن امور کو وہ بیانگِ دہل کفر و شرک حرام و بدعت کہتے ہیں۔ ان تمام امور میں ان کے اکابر و اصاغر سر سے پاؤں تک غرق ہیں۔ اور وہ پھر بھی اہلِ حق ہیں۔ آخر کب تک دیوبند کے ان بتوں کی پوجا ہو گی۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان کے چہروں سے مکر و فریب کی نقاب اتار کر عوام کو ان کے اصلی چہروں سے روشناس کرایا جائے۔

بارہ سال کا بیڑا ۔ مولوی سرفراز صاحب نے حضرت شیخ عبدالقادر

جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کرامت دبارہ سال کے غرق شدہ بیڑا کو پار لگانا) کو افسانہ اور مفتی احمد یار خاں صاحب کی گپ قرار دیا ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض قائم کیا کہ ولی کامل کے بارے میں یہ کیوں کر باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ مثلاً ایک سیر دودھ یا سیر چاول کے نہ ملنے کی وجہ سے جوش انتقام سے لبریز ہو کر عین شادی کے موقع پر نوجوان کا بیڑا غرق کر دے۔ تنقید ص۴۲۔ انتہی کلامہ۔

جواباً گذارش ہے کہ اولاً تو آپ نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر خالص افترا باندھا ہے۔ کہ انہوں نے گیارھویں وصول نہ ہونے کی بنا پر نوجوان کا مع براتیوں کے بیڑا غرق کر دیا۔ اور بارہ سال بعد گیارھویں وصول کر کے بیڑا اتار دیا۔ ہماری تحقیق کے مطابق اصل واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت غوث جیلانی کو دریا کے کنارے ایک مغموم بڑھیا نظر آئی۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ بارہ سال ہوتے اس کا جوان سال بیٹا مع براتیوں کے غرق ہو چکا ہے دینی اور اسلامی محبت سے آپ کا دل بھر آیا۔ اور آپ نے سجدہ میں سر رکھ کر دعا مانگی کہ اے اللہ اس بڑھیا کے بیٹے اور براتیوں کے غرق شدہ بیڑے کو نکال دے۔ کارساز حقیقی اور قادر مطلق نے اپنے بندۂ کامل کی دعا منظور فرمائی اور غرق شدہ بیڑے کو نکال دیا۔ (بحوالہ سلطان الاذکار فی مناقب الابرار)

ثانیاً اس واقعہ کے محال ہونے کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ غرق شدہ بیڑے کو پار لگانا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہو۔ اور یہ قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ علیٰ کل شیئ قدیر۔ کیسی افسوسناک بات ہے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب اور زنا جیسی قباحت کو جو اللہ کیلئے محال بالذات ہے ثابت کرتے ہیں۔ تو قدرت الٰہیہ کا وظیفہ رٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ

محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا اور بارہ سال کے ڈوبے ہوئے جہاز کو ترانا جو امر ممکن اور جائز الوقوع ہے۔ اسے قدرت الہیہ سے اس قدر بعید سمجھتے ہیں۔ کہ اس کی بے سر دپا تاویلیں شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ مردوں کو زندہ کرنا قدرت الہیہ میں صرف ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسے حضرت عزیر کے واقعہ میں سو سال بعد دراز گوش کو زندہ کرنا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعدد واقعات میں جدید و قدیم مردوں کو زندہ کرنا ہے۔ ثالثاً اگر آپ اس واقعہ کو قدرت الہیہ میں جائز الوقوع مانتے ہیں۔ تو پھر اس کے محال ہونے کی ایک ہی وجہ رہ جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالٰے اپنے ولی کی دعا سے کوئی خرق عادت نہ ظاہر فرماتا ہو۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت مریم کے پاس بے موسمی پھل آتے تھے۔ اور آصف بن برخیا کو اللہ تعالٰی نے تخت کو مسافت کثیرہ سے پلک جھپکنے سے پہلے لانے پر قادر کر دیا جیسا کہ آپ کے حکیم الامت نے بھی اپنے ترجمہ میں اس واقعہ کا اسناد آصف بن برخیا کی طرف کر کے اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ کما مر منا سابقا۔ اور یہ وہ امور خارقہ للعادات ہیں جنہیں اللہ تعالٰی نے سابقہ ادیان کے اولیاء پر ظاہر فرمایا۔ پھر امت محمدیہ کے اولیاء پر خصوصاً اس عظیم الشان ولی پر جو قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی کا وصف رکھتا ہو۔ کرامت کا دروازہ کس طرح بند ہو جائے گا۔ مشکواۃ ص۱۹۷ پر ہے۔

ولئن سالنی لاعطینہ۔ اگر میرا ولی مجھ سے سوال کرے تو میں اُسے ضرور عطا فرماؤنگا۔ تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آپ کی مراد پوری نہ کر کے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ یا تو آپ رافضیوں کی طرح حضرت شیخ جیلانی کو ولی نہیں سمجھتے (العیاذ باللہ) یا خدا کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ (رابعاً) ابھی انفاس العارفین سے گزر چکا ہے۔ کہ آپ کے مسلم پیر شاہ عبدالرحیم نے نذر وصول نہ ہونے

پر ایک گھوڑے کا بیڑا غرق کر دیا۔ اور غدر لے کر چھوڑ ی گستاخی معاف یہ انتقام کس شریعت سے جائز ہو گا۔ (خامسا) اگر آپ ڈوبے ہوئے جہاز کے ترانے کے انکار پر اصرار ترک نہیں کرتے تو کرامات امدادیہ کا مطالعہ کیجئے۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے پیر صاحب کی ایسی کئی کرامتیں مل جائیں گی۔ اور اگر مردہ زندہ کرنے کو آپ غریب سمجھتے ہوں تو مرثیہ گنگوھی ملاحظہ کریں۔ یہ ایک اجمالی کلمہ ہے۔ تفصیل انشاء اللہ العزیز ہم آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔ نیز بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی ترا دینے والا واقعہ بہر حال نص قطعی سے تو ثابت ہے نہیں۔ کہ اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جائے۔ اس قسم کے واقعات خطابیات کے قبیل سے ہوتے ہیں۔ جو اگر روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہوں۔ اور اصولِ دینیہ سے متعارض نہ ہوں۔ تو ہم نہیں ظن کے درجہ میں مان لینا کافی ہوتا ہے۔ مولوی سرفراز صاحب کی اصل چونکہ اعتزال پر مبنی ہے اسلئے انہوں نے غوث اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ کی اس کرامت کو روایتہً تو طوعاً وکرہاً تسلیم کیا لیکن درایتہً تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی یہ تاویل کی ہے۔ کہ کسی بڑھیا کا کوئی دس بارہ سال آوارگی کے دریا میں غوطے کھاتا رہا ہو گا اور شیخ کی دعا سے ہدایت پا گیا ہو گا (تنقید ص۴۸ ملخصا)۔

جواب یہ ہے کہ کسی بھی واقعہ کو اس کے ظاہر سے ہٹانے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے۔ جب اس کے ظاہری محمل پر کوئی استحالہ شرعی یا عقلی لازم آتا ہو۔ اور بارہ سال بعد ڈوبے ہوئے سفینہ کو ترا دینا ایک امر خارق للعادت ہے۔ اور اس کا صدور اولیاء اللہ سے جائز ہے۔ جیسا کہ ہم سطور گذشتہ میں ثابت کر چکے ہیں۔ شرح عقائد ص۱۰۱ پر ہے:۔

وکرامتہ ظهور امر خارق للعادة   ولی کی کرامت اس کا کسی امر خارق عادت
غیر مقارن لدعوی النبوۃ ۔

کو ظاہر کرنا ہے۔ جو دعوٰی نبوت کے ساتھ مقرون نہ ہو۔ اور اگر اب بھی آپ کو پس و پیش ہے۔ تو ارواح ثلاثہ کا مطالعہ کیجئے۔ جو الف سے لیکر یا تک سلوف دیوبند کی مزعومہ کرامات سے بھری پڑی ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی کی گپ

مولوی اشرف علی تھانوی نے کراماتِ امدادیہ ص ۳۵ پر ذکر کیا ہے کہ۔۔۔ "میرے ایک دوست جو جناب بقیۃ السلف حجۃ الخلف قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا حاجی شاہ امداد اللہ شاہ صاحب چشتی صابری تھانوی ثم المکی سلمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت تھے۔ حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جاتے تھے بمبئی سے آگبوٹ میں سوار ہوئے آگبوٹ نے چلتے چلتے ٹکر کھائی۔ اور قریب تھا کہ چکر کھا کر غرق ہو جائے اُنہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ اور کونسا وقت امداد کا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارسازِ مطلق ہے۔ اسی وقت ان کا آگبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی۔ ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا۔ اُدھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر دباؤ۔ نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے کمر دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اُٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے۔ اور اکثر جگہ سے کھال اُتر گئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے۔ کمر کیوں کر چھلی۔ فرمایا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا۔ آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے۔ اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا ایک آگبوٹ ڈوبا جاتا تھا۔ اُس میں تمہارا دینی اور سلسلہ کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ و زاری

نے مجھے بے چین کر دیا۔ آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اُٹھالیا جب آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی۔ اسی لئے چھلی گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔" انتہٰی کلامہ

مولوی سرفراز صاحب چونکہ کراماتِ اولیاء کو میزانِ اعتزال سے تولتے ہیں لہٰذا اُن کی خدمت میں ہم اس واقعہ پر کچھ گذارشات پیش کرتے ہیں۔ اولاً یہ کہ آپ کے نزدیک مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت شرک ہے اور مولوی اشرف علی تھانوی کے اس دوست نے امور مافوق الاسباب میں ہی استعانت کی ہے۔ اب آپ اس کو مشرک قرار دینگے یا خود ساختہ شرک کی تعریف سے رجوع کریں گے۔ ثانیاً یہ کہ حاجی امداد اللہؒ نے جو مافوق الاسباب امر میں امداد کی ہے تو اب آپ اُنہیں خدا کا شریک قرار دیں گے یا اپنی ضلالت سے تائب ہوں گے۔ ثالثاً یہ کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے اس روایت پر اعتقاد اور اس کا بیان کیا۔ اب اُنہیں مبلغ شرک اور ابلیس قرار دیں گے۔ یا اپنے بیان کو ابلیسی منطق ٹھہرائیں گے۔ رابعاً یہ کہ ہم ور جائیں آپ کے پیر بھائی نے حاجی صاحبؒ کی طرف توجہ کی۔ تو اس نے حاجی صاحب کو قادرِ مطلق مانا یا نہیں۔ اگر نہیں تو شیخ جیلانیؒ کی طرف اس حال میں توجہ کرنے سے انکا قادرِ مطلق ماننا کس طرح لازم آئیگا۔ خامساً یہ کہ حاجی صاحبؒ باوجود شہر سے کہیں نہ جانے کہ سمندر میں جہاز بھی کندھے پر اُٹھائے ہوئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ سمندر میں حاجی صاحبؒ بعینہٖ موجود تھے یا جسم مثالی کے ساتھ بر تقدیر اول تکثر جزی لازم آئیگا۔ بر تقدیر ثانی مثل شئی تو غیر شئی ہوتی ہے پس لازم آیا کہ کندھا دینے والا حاجی صاحبؒ کا غیر ہو نہ کہ خود حاجی صاحب۔ سادساً یہ کہ جو آدمی ایسا قادر ہو کہ کوسوں میل مسافت آنِ واحد میں طے کر کے بحری جہاز سیدھا

کر دیتا ہو۔ وہ اپنی کمر سے درد کو کیوں نہیں دُور کر سکتا۔ سابعاً جو شخص کمر دبوانے میں اپنے مرید کا محتاج ہے۔ وہ جہاز میں بیٹھے ہوئے سینکڑوں آدمیوں کی حاجت روائی کیونکر کر سکتا ہے۔ ثامناً یہ کہ مولوی اشرف علی تھانوی کے دوست نے اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور اُن کی بارگاہ میں عرض کی اور وہ اس کی امداد کو آپہنچے۔ سوال یہ ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب ہر وقت ہر جگہ اپنے مریدوں کے حال پر مطلع اور ان کا کلام سنتے رہتے ہیں یا نہیں۔ بر تقدیر ثانی یعنی جب اُنہیں ہر وقت ہر جگہ کے حال کا علم نہیں تو اس وقت اس جگہ کے حال کا کیسے علم ہو گیا۔ اور یہ ترجیح بلا مرجح کس طرح جائز ہو گئی۔ نیز اس پر کونسی عقلی اور شرعی دلیل قائم ہے۔ اور بر تقدیر اول یعنی جب حاجی صاحب کو ہر وقت ہر جگہ کا علم حاصل ہے تو بتلایئے۔ کہ وہ اس صفت سے خدا کے شریک ہوئے یا نہیں۔ اگر نہیں تو حضور علیہ السلام کیلئے علم کلی ماننے سے کوئی شخص کیسے مشرک ہو جاتا ہے۔ تاسعاً یہ کہ خادم نے کمر دباتے دباتے پیراہن اُٹھایا تو کمر چھلی ہوئی تھی اور کئی جگہ سے کھال اُتر گئی تھی۔ اس میں یہ گذارش ہے کہ جب کسی جگہ سے کھال چھل جائے تو اس جگہ کو دبوایا نہیں جاتا۔ بلکہ دبوانے سے زخم میں ٹیس اُٹھنے لگتی ہے۔ کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے انتہائی بھونڈے طریقہ سے اپنے پیر کی کرامت کو ظاہر کرنے کیلئے یہ حیلہ وضع کیا ہے۔ عاشراً یہ کہ حاجی صاحب کو اپنے مرید کی بیکسی اور آہ وزاری نے بیڑا پار لگانے کی طرف متوجہ کیا۔ اور سینکڑوں بندگان خدا کی بیکسی پر کوئی رحم نہیں آیا۔ ورنہ یہ کہنے کی کیا وجہ تھی۔ کہ اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا اس کی گریہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ صرف مولوی سرفراز ہی نہیں بلکہ اُن کے تمام حواریوں کو دعوت ہے کہ وہ اُن کے وضع کردہ اصول اور مبنی شرک کے

تحت ان سوالوں کا جواب دیں۔ اس میں بہتوں کا بھلا ہو گا۔ ورنہ منصف مزاج مولوی سرفراز صاحب کے اصولوں کی روشنی میں مولوی اشرف علی تھانوی کی اس بیان کردہ گپ کو کوئی وقعت نہیں دیں گے۔

مولوی محمود الحسن کی گپ

مرثیہ گنگوہی صہ ۲۲ میں مولوی محمود الحسن نے اپنے پیر مولوی رشید احمد گنگوہی کی شان میں یہ شعر کہا ہے۔

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

بہت سے چالاک دیوبندی عام ذہنوں کو گمراہ کرنے کیلئے اس شعر کی یہ باطل توجیہہ کرتے ہیں کہ اس شعر میں مردہ سے مراد جاہل اور زندہ سے مراد عالم ہے۔ یعنی جاہلوں کو عالم بنایا۔ اور عالموں کو جاہل بننے نہ دیا۔ یہ توجیہہ قطعاً باطل و مردود ہے۔ اسلئے کہ اگر یہی معنی مقصود تھا۔ تو پھر خاص طور پر حضرت عیسٰے علیہ السلام سے تقابل کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ ہر نبی میں تعلیم کا وصف موجود ہوتا ہے۔ بالخصوص حضرت عیسٰے علیہ السلام سے تقابل کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ زندہ کرنے سے مراد حسی زندہ کرنا ہے جو کہ عیسٰی علیہ السلام کا وصف خاص تھا۔ کما شھد بہ القرآن۔

مولوی اشرف علی کی بیان کردہ کرامت سے معلوم ہوا کہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو ترا دیا۔ اور محمود الحسن صاحبؒ کے مرثیہ سے پتہ چلا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اب میں انصاف پسند حضرات سے گذارش کروں گا۔ کہ وہ سوچیں کہ اگر غوث پاک رضی اللہ تعالٰے عنہ جیسی مسلم صاحب کرامت شخصیت کے بارے کوئی یہ واقعہ بیان

کرے کہ آپ نے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے بیڑے کو ترا دیا، تو مولوی سرفراز صاحب اس کو گپ سے تعبیر کرتے ہیں اور مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے پیر کے بارے میں بے سر و پا دعوی کر کے آگبوٹ کی رام کہانی سنائی مولوی محمود الحسن صاحب نے مولوی رشید احمد گنگوہی کے مُردے جلانے کا باطل ادعا کیا تو کیا یہ سب جبرئیل امین علیہ السلام کی لائی ہوئی وحی ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا جس وصف کو انبیاء و اولیاء علیہم السلام کیلئے ثابت کرنا آپ کے نزدیک شرک اور ناجائز ہے۔ وہ اپنے پیروں اور مولویوں کیلئے عین توحید اور جائز محض کیسے ہو گیا۔ آخر کب تک آپ اپنی اس دھوپ چھاؤں کی پالیسی سے لوگوں کو فریب دیتے رہیں گے۔ آپ آخر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ لوگوں کی آنکھیں ہیں دل و دماغ ہے۔ وہ جب آپ کے اقوال و اعمال کا موازنہ کریں گے۔ تو آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ جن گیسوؤں کے دام تزویر میں آپ نے عوام کو پھانس رکھا ہے جب وہ پیچ و خم کھل جائیں گے۔ تو پھر آپ کی کیا حالت ہوگی۔

گیارہویں حرام ہونیکے دلائل کا تجزیہ

گیارہویں شریف کو حرام اور ناجائز ثابت کرنے کے لئے

مولوی سرفراز صاحب نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا ایک فتویٰ پیش کیا ہے کہ

" ماکولات و مشروبات و دیگر اعمال را نیز از راہ تقرب وادن حرام و شرک است " (تنقید صد ۴۹)

ہم گذشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں کہ مطلقاً تقرب وجہ شرک و حرمت نہیں ہے بلکہ تقرب علی وجہ العبادۃ موجب شرک و حرمت ہے۔ کما حققہ الشامیؒ اس لئے اس فتویٰ کے پیش کرنے سے مولوی سرفراز صاحب کو کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوا۔ ثانیا یہ کہ اسی فتاویٰ عزیزیہ میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ رقم

فرماتے ہیں:۔

فمتی کان اراقۃ الدم للتقرب الی غیر اللہ حرمت الذبیحۃ ومتی کان اراقۃ الدم للہ والتقرب الی الغیر بالاکل والانتفاع حلت الذبیحۃ (فتاوٰی عزیزی ص۴۶ ج ۱)

اور جب خون بہانا تقرب لغیر اللہ کیلئے ہو تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا اور جب خون بہانا اللہ تعالےٰ کیلئے اور تقرب الی الغیر کھانے کے ساتھ یا اس سے نفع حاصل کرنے کیلئے ہو تو ذبیحہ حلال ہو جائیگا۔

دیکھئے اس عبارت میں شاہ صاحب نے حرمت کا مدار مطلقاً تقرب الی الغیر پر نہیں رکھا۔ ورنہ نفع حاصل کرنے کے لئے بھی تقرب الی الغیر حرام ہوتا۔ حالانکہ اس کو شاہ صاحب نے حلال قرار دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک، جو تقرب للغیر حرام ہے۔ وہ تقرب علی وجہ العبادت کے سوا اور کچھ نہیں۔ مذکورہ بالا قواعد پر تفریع بٹھاتے ہوئے اسی صفحہ پر شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

وعلی ھذا قلنا لو اشتری لحما من السوق او ذبح بقرۃ او شاۃ لاجل ان یطبخ مرقا وطعاما لیطعم الفقراء ویجعل ثوابھا لروح فلان حلت بلا شبھۃ (فتاوٰی عزیزیہ ص۴۶ ج ۱)

کسی شخص نے بازار سے گوشت خریدا یا گائے ذبح کی یا بکری تاکہ اس کا کھانا تیار کرے اور فقراء کو کھلا کر اس کا ثواب کسی روح کو پہنچا دے۔ تو یہ بلاشبہ جائز ہے۔

علاوہ ازیں اس باب میں شاہ صاحب کی جملہ عبارات کی مزید توضیح ہم اس کتاب کے چھٹے باب میں پیش کر رہے ہیں۔ جس کے سامنے آجانے کے بعد انشاء اللہ العزیز مخالفین پر ظاہر ہو جائے گا۔ کہ شاہ صاحب کی عبارتوں میں ان کے مذموم مسلک کے اثبات کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

گیارہویں کے ایصال ثواب پر مولوی سرفراز صاحب کا دوسرا سوال

تنقید ص۴۹ پر یہ ہے کہ :۔ " بلاشبہ نفس ایصالِ ثواب صحیح ہے۔ اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ مالی قسم کے صدقہ میں جملہ ائمہ فتویٰ متفق ہیں لیکن یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہ ایصالِ ثواب کیلئے پوری امت میں سے صرف حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے۔ کیا یہ ایصالِ ثواب کسی اور کو راس نہیں آتا؟"

آگے چل کر لکھا۔ " عوام الناس اپنے ماں باپ اور دیگر لواحقین کو گیارھویں کی شکل میں ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتے۔ جن میں سے کسی کی نمازیں کسی کے روزے اور کسی کی دیگر نیکیاں چھوٹ گئی ہونگی اور اغلب ہے کہ بہت سے گناہ کئے ہونگے۔ عجیب بات ہے کہ محتاجوں کو تو ایصالِ ثواب نہ کیا جائے اور جو دریا میں ڈوبے ہوئے شخص کی طرح اپنے وارثوں کے صدقات و خیرات اور دعاؤں کے منتظر رہتے ہیں۔ اور اُس بزرگ کو ایصالِ ثواب کیا جائے جو بفضلہٖ تعالیٰ نیکیوں سے مالا مال ہو۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سرفراز صاحب کو امتِ مسلمہ کا بڑا درد ہے۔ اور وہ اس بات کے بیحد آرزومند ہیں۔ کہ لوگ اپنے ماں باپ کیلئے ایصالِ ثواب کیا کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بناوٹی رونا دھونا اور گلسرین کے آنسو ہیں۔ کیونکہ اہلِ سنت کا یہ مسلک نہیں ہے کہ ایصالِ ثواب صرف گیارھویں کی شکل میں ہو اور شیخ جیلانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص ہو۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمتہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا مسئلہ گیارھویں۔ تیجہ۔ چالیسواں وغیرہ بھی سب ممارزقنٰھم ینفقون میں داخل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ فاتحہ۔ تیجہ اور چالیسواں یہ سب عام لوگوں کے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ایصالِ ثواب کے ذرائع ہیں۔ فاتحہ سے

علی الاطلاق ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ تیجہ کے ذریعے میت کو تیسرے دن ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور چہلم کے ذریعہ چالیسویں دن میت کو اہداءِ ثواب کیا جاتا ہے پس ظاہر ہو گیا کہ مولوی سرفراز صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ اہلِ سنت وجماعت نے ایصالِ ثواب کو گیارہویں میں بند کر دیا ہے۔ باطل اور بے بنیاد ہے۔ اور اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب کا یہ ہرگز منشا نہیں کہ ایصالِ ثواب گیارہویں کے ساتھ خاص کرنے کی بجائے عام اموات کو بھی کیا جائے کیونکہ انہوں نے جس طرح گیارہویں پر بدعت کا فتویٰ لگایا ہے۔ اسی طرح سے فاتحہ، تیجہ اور چہلم ان میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کیا چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"تیجہ اور چالیسواں وغیرہ بدعت مکروہ اور مذموم حرکتیں ہیں" (تنقید ص۵۵) پس ظاہر ہو گیا کہ شیخ جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیلئے ایصالِ ثواب کرنا بھی مولوی سرفراز صاحب کے نزدیک حرام ہے۔ اور عام اموات کیلئے ایصالِ ثواب کرنا بھی مکروہ و بدعت سے خالی نہیں۔ تو پھر بتلائیے۔ وہ کونسا ایصالِ ثواب ہے جسے آپ بلاشبہ جائز اور صحیح قرار دیتے ہیں اور جس پر تمام ائمہ فتوے متفق ہیں، ممکن ہے اس کے جواب میں مولوی سرفراز صاحب یہ کہیں کہ بغیر تعیین یوم کے ایصالِ ثواب کیا جائے تو جائز ہے۔ جواباً عرض ہے کہ ذرا ہمیں بھی اس طریقہ پر مطلع کر دیں، کہ بغیر تعیین کے کسی شئی کا کس طرح تحقیق ہو جاتا ہے:۔

مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا بھی قطعاً باطل و مردود ہے۔ کہ ایسے بزرگ کے ایصالِ ثواب سے کیا حاصل جو نیکیوں سے مالا مال ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر تو کجا نیکیوں میں آپ کے برابر بھی کسی شخص کا ہونا محال ہے۔ حالانکہ مشکوٰۃ شریف ص۱۲۸ پر ہے:۔

عن حنش قال رایت علیا یضحی بکبشین فقلت له ما ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ (رواہ ابوداؤد و الترمذی عنہ)

حضرت حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا، اس کا کیا سبب ہے تو حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں پس میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔

اب بتلائیے سرفراز صاحب کیا نبی علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ وہ بیکیوں سے مالامال ہیں۔ پھر آپ نے چن کر اپنے آپ کو کیوں قربانی کے ایصال ثواب کے ساتھ خاص کر لیا۔ امت کے گنہگار افراد کے لئے کیوں نہ وصیت فرمائی۔

انفاس العارفین ص۴۱ پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

مے فرمودند در ایام وفات حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چیزے فتوح نہ شد کہ نیاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طعام پختہ شود قدرے نخود بریاں و قند سیاہ نیاز کردم شب در واقعہ دیدم کہ انواع طعام بحضور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض مے دارند و درمیان آن نخود و قند نیز معروض داشتہ، بنہایت ابتہاج و بشاشت اقبال فرمودند و آں را طلبیدند و چیزے ازاں تناول کردند

شاہ عبدالرحیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام وصال میں ان کے پاس آپ کی نیاز دینے کیلئے کوئی چیز میسر نہ تھی۔ آخر کار کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ پر نیاز دی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس انواع و اقسام کے طعام حاضر ہیں اور ان کے درمیان وہ گڑ اور چنے بھی رکھے ہیں۔ آپ نے کمال مسرت و التفات فرمایا۔ اور انہیں طلب فرمایا اور کچھ آپ نے تناول فرمایا۔ اور

دباقی در اصحاب قسمت فرمودند۔ پھر آپ نے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔

دیکھئے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے والد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ایصال ثواب کرتے ہیں۔ اب آپ یہ سوال اُن سے کیجئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ثواب سے مالا مال ہیں، شاہ صاحب دوسروں کو ایصال ثواب کیوں نہیں کرتے۔ کاش ان نادانوں کی عقل میں یہ بات آ سکتی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر مقربین حق کی بارگاہ میں ایصال ثواب اس لئے نہیں کیا جاتا کہ انہیں ہمارے ہدیہ ثواب کی احتیاج ہے اور انہیں ہم سے کسی فائدہ کی خواہش ہے۔ بلکہ انہیں ایصال ثواب کرنے کی خود ہمیں حاجت ہے تاکہ انکے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم ہو جائے۔ اور ممکن ہے میدان محشر میں یہی تعلق اور نسبت کام آ جائے۔ اور ہم مقربین حق کی شفاعت سے بہرہ مند ہو جائیں۔ مقربانِ حق سے عناد رکھنے والے اور ان کی تنقیص کی فکر میں رہنے والے اللہ تعالیٰ کی یہ وعید کیوں بھول جاتے ہیں۔

من عادلی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۷) جو میرے ولی سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

سوئم سوئم کو بدعت قرار دینے کے لئے سرفراز صاحب نے فتاویٰ رضویہ سے اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پیش کی ہے۔ ہم وہ عبارت قارئین کی حالت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

" شریعت میں ثواب پہنچانا ہے۔ دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی یہ تعیین عرفی ہے۔ جب چاہیں کریں، انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔ " (بدعت ہا)

اس پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ حیرت اور تاسف کی بات ہے۔ کہ

کہ جس چیز کو فریق مخالف کے اعلحضرت بھی بدعت کہتے ہوں۔ وہ قرآنی حکم کی تفسیر کیسے بن سکتی ہے۔ (تنقید صہ ۵۹)

مولوی سرفراز صاحب کو یا تو پتہ نہیں چلا۔ یا جان بوجھکر جاہل بنے ہیں اعلحضرت تو تعیین ضروری جاننے کو بدعت فرما رہے ہیں، جو کہ تعیین شرعی ہے۔ اور تعیین عرفی کو جائز فرما رہے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ وجوب تعیین کے اعتقاد کے بغیر سوئم جائز ہے یا نہیں۔ اور بحمداللہ سرفراز صاحب اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں لا سکے۔ خود اعلحضرت قدس سرہ العزیز کا اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "الحجۃ الفائحہ" چھپ چکا ہے۔ جس میں اکابر وہابیہ اور دیابنہ کی عبارتوں سے جواز چہلم سوئم اور عرس پر استدلال کیا گیا ہے۔ سرفراز صاحب میں اگر جرأت اور ہمت تھی تو ان عبارتوں کا جواب دیتے۔ لیکن مار کھاکر بسورنا ان لوگوں کی پرانی عادت ہے بہرحال رونے دھونے سے آپ پر رحم تو آسکتا ہے۔ لیکن دعوی تو دلائل سے ہی ثابت ہوگا۔ اسی طرح سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عبارتوں سے مواد پیش کیا ہے۔ کہ موت کے تیسرے روز ضیافت کرنا مکروہ ہے بیشک ضیافت کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر کی جاتی ہے اور یہ تو غم اور سوگ کا موقعہ ہے۔ لیکن ان کو کون سمجھائے کہ سوئم میں قل فاتحہ اور طعام کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ اور ایصال ثواب کو اصولی طور پر آپ بھی مانتے ہیں۔ کہ بلا شبہ نفس ایصال ثواب جائز اور صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اور مالی قسم کے صدقات میں جملہ آئمہ فتوے متفق ہے لیکن یہ نفس ایصال ثواب اسی وقت خارج میں متحقق ہوگا جب کسی قید کے ضمن میں ہوگا۔ یا وفات کے پہلے روز ہوگا یا دوسرے یا تیسرے

روز اور اگر شئی من حیث ھو ھو کا خارج میں تحقیق بدون کسی فرد کے متصور ہے۔ تو برائے کرم اس منطق سے ہم کو بھی مطلع کریں۔ اور اگر آپ نے ایصال ثواب کو محض لحاظ عقلی اور مرتبہ حصول میں مانا ہے۔ تو چلئے آپ اسی پر کوئی صریح حدیث پیش کر دیجئے۔ چشم ما روشن دل ماشاد۔ اب ہم مسئلہ ایصال ثواب پر ایک مختصر سی گفتگو کرتے ہیں۔

مسئلہ ایصال ثواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں

ایصال ثواب اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ اور معتزلہ چونکہ حیات الاموات کے منکر ہیں۔ اسلئے وہ ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ کو متکلمین نے کتب عقائد میں ذکر کیا ہے۔

شرح عقائد نسفی ص ۲۵۲ پر ہے :۔

وفی دعاء الاحیاء للاموات و صدقتھم ای صدقۃ الاحیاء عنھم۔ نفع لھم ای للاموات خلافا للمعتزلۃ	زندہ لوگ جو وصال شدہ حضرات کیلئے دعا مانگتے ہیں اور انکی طرف سے صدقات کرتے ہیں اس کا وصال شدہ لوگوں کو نفع پہنچتا ہے اور معتزلہ کا اسمیں خلاف ہے۔

اور مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۹ پر ہے :۔

عن سعد ابن عبادۃ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بیرا وقال ھذہ لام سعد۔	سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا پس کون صدقہ بہتر ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پانی۔ پس سعد رضی اللہ عنہ نے

کنواں کھودوا اور فرمایا کہ یہ سعد کی ماں کا کنواں ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ مسئلہ ایصال ثواب کی تحقیق میں "اشعۃ اللمعات ص ۶۹ ج ۲ پر فرماتے ہیں :-

ومذہب اہلِ حق کہ اہل سنت و جماعت اند این ست و در عبادات بدنیہ اختلاف دارند مثل نماز و تلاوت قرآن و مختار وصول ثواب است و امام عبداللہ یافعی در روضۃ الریاحین مے گوید کہ شیخ اجل اکرم عزالدین عبدالسلام را بعد از وفات او در خواب دیدند کہ گفت ما در دنیا حکم میکردیم بعدم وصول ثواب تلاوت قرآن و دریں عالم برخلاف آں یافتیم۔

مذہب حق جو کہ اہل سنت وجماعت ہے یہی ہے کہ مالی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے، اور عبادات بدنیہ میں اختلاف ہے مثل نماز اور تلاوت قرآن کے، اور مختار یہ ہے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور امام عبداللہ یافعیؒ روضۃ الریاحین میں فرماتے ہیں کہ شیخ عزالدین کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں دنیا میں کہتا تھا کہ تلاوت قرآن کا ثواب نہیں پہنچتا اور اب اس کے خلاف پاتا ہوں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسائل اربعین ص ۳۳ پر فرماتے ہیں

نزد علمائے حنفیہ ثواب عبادتِ بدنی و مالی بہ میت مے رسد، چنانچہ در ہدایہ مرقوم است

علمائے حنفیہ کے نزدیک عبادت مالی اور بدنی دونوں کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں مرقوم ہے کہ۔

ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ او صوما او صدقۃ او غیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ وفی شرح الصدور للسیوطی۔

بلاریب اہل سنت کے نزدیک انسان کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو پہنچا دے۔ خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اسکے سوا۔ اور شرح الصدور میں ہے۔

اخرج الطبرانی فی الاوسط
عن انس رضی اللہ عنہ قال سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقول ما من اھل میت یموت
منھم میت فیتصدقون عنہ
بعد موتہ الا اھداہ جبرائیل علی
طبق من نور ثم یقف علی شفیر
القبر فیقول یا صاحب القبر العمیق
ھذہ ھدیۃ اھداھا الیک
فاقبلھا فتدخل علیہ فیفرح
بھا ویستبشر ویحزن جیرانہ
الذین لا یھدی الیھم وایضا فیہ
عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ان اللہ تعالی یرفع الدرجۃ
للعبد الصالح فی الجنۃ فیقول
یارب انی لی ھذہ فیقول
باستغفار ولدک۔

کہ طبرانی نے اوسط میں اخراج کیا۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے کسی گھر
سے کوئی شخص نہیں مرتا پھر اس کے گھر والے
اکٹھی طرف سے صدقہ کریں۔ مگر اس صدقہ کو
جبرئیل ایک نورانی طبق میں رکھتا ہے پھر
برلب قبر کھڑا ہو کر کہتا ہے اے صاحب
قبر عمیق یہ ہدیہ ہے۔ جسے تیرے اہل خانہ
نے پیش کیا ہے اسکو قبول کرلے پس وہ
ہدیہ اس میت پر پیش ہوتا ہے پس وہ
متوفی اس سے مسرور ہوتا ہے اور اُسکے
وہ ہمسائے غمگین ہوتے ہیں جنکی طرف کسی نے
ہدیہ نہیں بھیجا اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ
تعالیٰ عبد صالح کا درجہ جنت میں بلند فرماتا ہے
پس وہ بندہ کہتا ہے کہ اے رب یہ مرتبہ کہاں
سے ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ
تیری اولاد کی دعا کی وجہ سے۔

ایصالِ ثواب میں تعیین کی توضیح

گذشتہ سطور میں ہم نفس ایصالِ ثواب کا شرعی ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔ جس کا اقرار بظاہر سرفراز صاحب نے بھی کیا ہے۔ اب ما بہ النزاع امر یہ رہ گیا ہے کہ سوئم۔ گیارہویں اور عرس وغیرہ کی معین تاریخوں میں بھی ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں۔ پس ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ کیونکہ دلائل شرعیہ سے ایصالِ ثواب کے حکم کلی کا جواز ثابت ہے۔ اور ایسا غوجی کے طالب العلم سے بھی یہ امر مخفی نہیں ہے کہ کلی اپنے افراد کے ضمن میں پائی جاتی پس سوئم چہلم۔ عرس اور گیارہویں وغیرہ ایصالِ ثواب کے افراد ہیں۔ اور جس طرح کلی کا بغیر افراد کے پایا جانا باطل ہے۔ اسی طرح نفس ایصالِ ثواب کا بغیر کسی معین دن کے پایا جانا باطل ہے۔

سرفراز صاحب نے اعلحضرت اور دوسرے فقہائے کرام کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ تعیین بدعت ہے۔ گذارش ہے کہ مطلق تعیین بدعت نہیں ہے بلکہ تعیین شرعی بدعت ہے۔ یعنی کوئی شخص یوں اعتقاد کرے کہ اگر گیارہ تاریخ کو ایصالِ ثواب کیا گیا تو صحیح ہے۔ اور اگر بارہ تاریخ کو کیا گیا تو حرام ہے اور ان تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو فرض یا واجب سمجھے تو تعیین یقیناً بدعت سیئہ اور باطل محض ہے۔

اور اگر آپ کو ہماری اس تحقیق کے ماننے سے تامل ہو تو لیجئے ہم آپکے پیر روشن ضمیر کی زبان سے کہلوائے دیتے ہیں دیکھئے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ فیصلہ ہفت مسئلہ ص۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

" نفس ایصالِ ثواب ارواحِ اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا فرض و واجب اعتقاد کرے

تو ممنوع ہے۔ اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید ہیئت کذائیہ ہے۔ تو کچھ حرج نہیں۔ جیسا بمصلحت نماز میں سورۂ خاص معین کرنے کو فقہا و محققین نے جائز رکھا ہے۔"

اہل سنت ان عرفی تاریخوں کو فرض یا واجب اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں کو حرام نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے علاوہ دوسرے ایام میں بھی ایصال ثواب کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ سرفراز صاحب کو بھی طوعاً وکرہاً اس کا اقرار کرنا پڑا۔ لہٰذا تنقید متین صنہ پر لکھتے ہیں۔

"اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروروں نے یہ حیلہ شروع کر دیا۔ کہ کسی جگہ تو گیارہویں تاریخ کو یہ دن منالیتے ہیں۔ اور کسی دوسری جگہ بارہویں تیرھویں کو۔"

گیارھویں کو حرام کہنا بدعت ہے

اس عبارت سے بہرحال یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نزدیک عرفی تاریخوں میں ایصالِ ثواب کرنا واجب اور ان کے غیر میں ایصالِ ثواب حرام نہیں ہے اور ہم مطلق شرعی کو اس کے اطلاق پر رکھتے ہیں لیکن سرفراز صاحب۔ آپ اور آپ کی پوری جماعت خدا اور رسول کے سامنے یقیناً جواب دِہ ہوگی کہ آپ نے ان معین تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو حرام قرار دے کر شرعی اطلاق کو باطل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں ہر دن ایصال ثواب جائز ہے۔ لیکن آپ اور آپ کی جماعت نے سوئم، ہفتم، چہلم، گیارہویں اور عرس کے ایام میں ایصالِ ثواب کو حرام کر کے رسول اللہ کی تغلیط کی ہے عافانا اللہ تعالیٰ من ذالک۔

نیز جب آپ نے تیجا۔ ساتواں۔ دسواں۔ گیارہویں۔ بارہویں۔ چہلم۔ عرس

کی معین تاریخوں میں ایصال ثواب کو حرام قرار دیا۔ اور باقی ایام میں ایصال ثواب جائز رکھا۔ تو پھر باقی ایام ایصال ثواب کیلئے آپ نے معین کر دیئے۔ سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے اگر ہم پر سات دنوں کی تعیین کا اعتراض تھا تو آپ پر تو تین سو اٹھاون دنوں کی تعیین کا اعتراض ہے۔ اور دوسرا اعتراض یہ ہے۔ کہ ان سات دنوں کو آپ نے ایصال ثواب کی تحریم کیلئے معین کر لیا اور یہ کوئی تعیین عرفی نہیں جس سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔ یہ تعیین شرعی ہے۔ کیونکہ آپ کہتے ہیں کہ ان معین دنوں میں ایصال ثواب کرنا شرعاً حرام ہے۔ بتلائیے اس شرعی حرمت اور تعیین شرعی پر آپ کے پاس کونسی صحیح اور صریح دلیل ہے۔ بے شک سرفراز صاحب تعیین بدعت ہے۔ آپ نے سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے تین سو اٹھاون دنوں کو ایصال ثواب کے جواز کے لئے معین کر لیا۔ اور سات دنوں کو حرمت کیلئے معین کر لیا۔ اور یہ تعیین بہر حال تعیین شرعی ہے۔ اور تعیین شرعی کے بدعت ہونے میں کسی کو کلام نہیں سرفراز صاحب ذرا ہوش میں آ کر جواب دیجئے۔ کہ تعیین شرعی اہلسنت بریلویوں کی بدعت ہے یا وہابی دیوبندیوں کی ؂

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

تعیین عرفی

گذشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ سوئم، چہلم اور عرس وغیرہ ایصال ثواب کے حکم کلی کے افراد ہیں اور ان تاریخوں کی تعیین شرعی نہیں۔ عرفی ہے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے شارع نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اور یہ حکم مطلق ہے۔ ظہر کی نماز اپنے پورے وقت میں سے جس وقت بھی پڑھ لی جائے۔ ادا ہو جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود مساجد میں ادائیگی کا وقت معین کر دیا جاتا ہے۔ کہیں ظہر ڈیڑھ بجے ہوتی ہے اور کہیں

دو بجے اور کہیں ڈھائی بجے۔ لیکن یہ تعیین عرفی ہوتی ہے اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ان معین اوقات کے علاوہ اگر پہلے یا بعد نماز ادا کی گئی تو نماز ناجائز ہوگی۔ اسی طرح سوئم چہلم وغیرہ کا معاملہ ان ایام کی تعیین عرفی ہے۔ اور ان ایام کے پہلے یا بعد بھی ایصال ثواب جائز ہے۔

تعیین عرفی کی ترجیح

اگرچہ ایصال ثواب کرنا ہر دن جائز ہے لیکن چونکہ لوگوں میں تیسرے چالیسویں اور سالانہ عرس کی رسم پڑ چکی ہے۔ اسلئے اموات کو ان ایام میں اپنے اقرباء کے اجزا اور ایصال کا انتظار رہتا ہے پس رفع انتظار کیلئے ان ایام میں ایصال ثواب کرنا باقی ایام کی نسبت راجح قرار پائے گا۔ دیکھئے تفسیر عزیزی ص۔۔۔ پ میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

و مدد زندگان بمردگان دریں حالت زود تر میرسد و مردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف مے باشند چنیں گماں مے برند کہ ہنوز زندہ ایم الی ان قال و صدقات و ادعیہ فاتحہ دریں وقت بسیار کار آمدی آید و ازینجا است کہ طوائف بنی آدم تا یکسال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام مے نمایند۔	عالم برزخ میں زندوں کی مدد اموات کو بہت جلد پہنچتی ہے اور اموات کو زندوں کی مدد کا انتظار رہتا ہے اور وہ یوں سمجھتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں اور صدقات فاتحہ دعا میں اسوقت بہت کام آتی ہیں۔ اسی وجہ سے لوگ ایک سال تک اور بالخصوص چالیس دن تک اسی قسم کی مدد کرتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ تعیین عرفی کی ترجیح پر معتقدین دیوبند کے مسلم شیخ حاجی امداد اللہ کا کلام

بھی ہدیہ ناظرین کیا جائے تاکہ شریعت وطریقت ہر دو طریق سے عرفی تعیین کا رجحان واضح ہو جائے۔ ملاحظہ فرمائیے جناب حکیم الامت فیصلہ ہفت مسئلہ ۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"رہا تعیین تاریخ! یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو (یعنی کسی معین وقت میں اس کام کو کرنا معمول بن چکا ہو۔ سعیدی غفرلہ) اس وقت وہ یاد آجاتا ہے۔ اور ضرور ادا ہوتا رہتا ہے اور نہیں تو سالہا سال گذر جاتے ہیں۔ کبھی خیال بھی نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے۔ محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ ذہین آدمی غور کر کے سمجھ سکتا ہے"

کاش سرفراز صاحب بھی غور کر کے سمجھ جائیں۔ ورنہ ہم تو ان کی ذہانت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ شاہ ولی اللہ همعات ص۳۰ پر فرماتے ہیں۔

از ینجاست حفظ اعراس مشائخ ومواظبت قبور ایشاں والتزام فاتحہ خواندن وصدقہ دادن برائے ایشاں

اور اسی ضمن میں بزرگوں کی عرسوں کی محافظت کرنا ہے اور انکی قبروں پر ہمیشہ جاتے رہنا اور ان کیلئے فاتحہ کو لازم کرنا اور ان کیلئے صدقہ دینا ہے۔

اب دیکھئے ذہین آدمی سمجھ جائیگا۔ کہ شاہ ولی اللہ جو مشائخ کے اعراس کی حفظ کی نصیحت فرما رہے ہیں۔ یہ حفاظت اسی صورت میں ہو سکے گی جب عرس کیلئے ایک تاریخ معین ہو جائے۔ لوگ اس میں شریک ہوں۔ فاتحہ پڑھیں اور صدقات کا ایصال ثواب کریں۔ اور اگر تاریخ معین نہ ہوئی تو کسی کو کیا معلوم کہ عرس کب ہوا کب نہ ہوا پس لوگ نہ وہاں جائیں گے نہ عرس ہو گا۔

معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک بھی عرفی تاریخوں کی تعیین لازم ہے

مگر یہ باریک بینی سرفراز صاحب کے بس کا روگ نہیں۔ اسلئے ہم انکی خدمت میں شاہ رفیع الدین صاحب کا ایک فتوٰی پیش کرتے ہیں جس میں صاف الفاظ میں اس ترجیح کو بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ فتاوٰی شاہ رفیع الدین ص۱۲۱ پر ہے۔

در حدیث است کہ . . . . یہود عرض کردند در حضور جناب نبوت کہ حق تعالٰے نصرت حضرت موسٰی و غرق فرعون دریں روز کردہ است برائے شکرانہ او روزہ میگیریم۔ جناب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند۔ انا احق ممن وفا بذمۃ الی موسٰی۔ فصام یوم عاشورا وامر الناس بصیامہ ونیز حضرت بلال را وصیت فرمودند بصوم روز دوشنبہ وفرمودند فیہ ولدت وفیہ انزل علی وفیہ ہاجرت وفیہ اموت بنابریں یاد کردن تاریخ وآں ماہ رسم مردم افتادہ اگرچہ فی الحقیقت یاد داشتن آں روز فائدہ ندانست زیرا کہ وقت تصدق ودعا ہمیشہ است لیکن چوں مردماں ازیں چناں محافظت ایں رسم گذشتند ایشاں را انتظار

حدیث میں ہے کہ یہود نے جناب نبوت میں . . . . عرض کیا کہ اللہ تعالٰے نے حضرت موسٰی علیہ السلام کی مدد اور غرقِ فرعون یوم عاشورہ کو کیا۔ اسلئے ہم اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم حق موسٰی علیہ السلام کو ادا کرنے کے زیادہ حقدار ہیں پس آپ نے عاشورہ کا خود روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم فرمایا اور نیز حضرت بلال کو پیر کا روزہ رکھنے کی وصیت کی۔ اور فرمایا کہ میں اسدن پیدا ہوا اور اس دن میں مجھ پر قرآن نازل ہوا اور اسی دن میں نے ہجرت کی اور اسی دن مجھے وفات ہوگئی بنابریں تاریخ وماہ وسال کو یاد رکھنے کی لوگوں میں رسم پڑ گئی ہے اگرچہ حقیقت میں اسدن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ وقت تصدق اور دعا ہمیشہ ہے۔ لیکن جب لوگ ان خاص

بر بسوئے والدین یا اقارب مے باشد رفع انتظار ایشاں فائدہ است معتد بہ و معاملات مکاشفہ دریافت شدہ کہ درچنین روز اجتماع ارواحے دوستاں در برزخ مے شود پس امداد بدعا و ختم و اطعام بدعت مباح است وجہ قبیح ندارد۔

ایام میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں تو اُن کے فوت شدہ اقارب کو ان خاص دنوں میں وصول ثواب کا انتظار رہتا ہے اور کشف سے ثابت ہوا ہے کہ اس قسم کے ایام میں ارواح مجتمع ہوتی ہیں پس ختم دعا اور کھانا کھلانے کے ثواب سے انکی امداد کرنا بدعت مباح ہے اور اسمیں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے

بحمد اللہ تعالےٰ ہم نے شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور حاجی امداد اللہ کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ عرفی تعیین رائج ہے اور اول الذکر تین حضرات ان لوگوں میں سے ہیں جن کی عبارات سے سرفراز صاحب نے تنقید میں استدلال اور استشہاد کیا ہے اور مؤخر الذکر تمام مبتدعین دیوبند کے متفق علیہ پیر اور مسلم شیخ ہیں۔ اب آپ کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو تعیین یوم کو مباح مان کر عرس، سوئم اور چہلم کو جائز مان لیجئے یا پھر ان تمام حضرات کو بدعتی اور مشرک قرار دے کر جہنم میں پہنچا دیجئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعیین یوم پر تصریح

اس مسئلہ کی توضیح مزید کیلئے ہم فتاوٰی عزیزیہ صفحہ ۳۸ جلد ۱ سے ایک استفتاء ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

سوال۔ تعیین و تقرر یک روز بعد سالے بنا بر زیارت قبور بزرگان جائز است یا نہ

سوال۔ سال کے بعد ایک دن کو زیارت قبور کیلئے معین کر لینا جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ رفتن بر قبور بعد سالے

جواب۔ سال کے بعد ایک دن معین

یک روزِ معین کردہ سہ صورت است
اوّل ۔ آنکہ یک روز معین نمودہ یک
شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ
مردمان کثیر بر قبور محض بنا بر زیارت و
استغفار بروند ایں قدر از روئے روایات
ثابت است و در تفسیر درِ منثور نقل نمودہ
کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بر مقابر میرفتند و دعا برائے مغفرت
اہلِ قبور مے نمودند۔ ایں قدر ثابت و
مستحب است

دوم۔ آنکہ بہیئت اجتماعیہ مردمان
کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند و
فاتحہ بر شرینی یا طعام نمودہ تقسیم
درمیان حاضران نمایند ایں قسم معمول در
زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نبود
اگر کسے ایں طور بکند باک نیست۔
زیرا کہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ
احیاء و اموات را حاصل مے شود

سوم۔ طور جمع شدن بر قبور آنست
کہ مردمان یکروز معین نمودہ و لباسہائے
فاخرہ و نفیس پوشیدہ مثل روزِ عید

کر کے قبر پر جانے کی کئی صورتیں ہیں۔
اوّل۔ ایک یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماع
کے قبر پر جائیں اور زیارت اور دعا
وغیرہ کریں۔ اور یہ از روئے روایات
ثابت ہے۔ تفسیر درِ منثور میں نقل ہے
کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
مقابر میں اہلِ قبور کی دعا کے لئے
تشریف لے جاتے تھے۔
(تفسیر رازی صفحہ ۲۰ جلد ۵ پر بھی اس
قسم کی روایات موجود ہے۔ سعیدی)

دوم۔ ہیئت اجتماعیہ سے کثیر
لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن کریں۔ اور
شیرینی یا طعام پر فاتحہ پڑھیں
حاضرین کے درمیان تقسیم کریں۔ یہ
قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ اقدس اور عہد خلفاء راشدین میں
معمول نہ تھی لیکن اگر کوئی اس طرح کرے
تو حرج نہیں کیونکہ اسمیں کوئی قباحت نہیں ہے۔

سوم۔ لباس فاخرہ پہن کر عید
کی طرح شاداں و فرحاں قبر پر ایک
معین دن جمع ہوں۔ اور قبر پر

شادمان شده برقبرها جمع میشوند
رقص و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعه
مثل سجود برائے قبور و طواف کردن
قبور مے نمانید این قسم حرام و ممنوع
است بلکہ بعضے بحد کفر میرسند و ہمیں
است محل این دو حدیث ولا
تجعلوا قبری عیدا چنانچہ در
مشکوٰۃ شریف موجود است۔ و
اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد
این ہم در مشکوٰۃ است۔

رقص و سرود کی محفل سجائیں اور
قبر پر سجدہ و طواف کریں۔ یہ قسم
حرام و ممنوع ہے۔ بلکہ حد کفر
تک پہنچتی ہے۔ اور یہی ان دو
حدیثوں کا محل ہے۔ جن میں ہے
ولا تجعلوا قبری عیدا اور
اللھم لا تجعل قبری وثنا
یعبد
دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف
میں مذکور ہیں۔

شاہ صاحب کے اس تفصیلی جواب سے ظاہر ہوا کہ عرس کے لئے دن معین کر کے ایصال ثواب کرنا۔ طعام و شیرینی پر فاتحہ پڑھنا۔ ختم قرآن کرنا یہ سب جائز ہیں۔ اور مدار حرمت قبر کے لئے سجدہ و طواف کرنا اور رقص و سرود کا ارتکاب ہے۔ نہ کہ تعیین یوم۔ ممکن ہے سرفراز صاحب کی آنکھیں کھل گئی ہوں۔ اور اب بھی اگر بدعت کا بھوت نہ اترا ہو تو ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے۔

فتاوٰی عزیزی ص ۴۵ ج ا پر شاہ صاحب کے ایک معاصر کا ان پر ایک اعتراض مندرج ہے۔ جو انہوں نے شاہ صاحب کے سال بسال عرس کرنے پر وارد کیا ہے۔

و عرس بزرگاں خود بر خود مثل
فرض دانستہ سال بسال بر مقبرہ اجتماع

انہوں نے اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے
اوپر لازم کر لیا ہے۔ سال کے سال مقابر پر

کردہ طعام و شیرینی در آنجا بردہ تقسیم
نمودہ مقابر را ثنائے عبد مے کند

جاتے ہیں طعام و شیرینی تقسیم کرتے ہیں
اور بندے کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں۔

اب آپ اس سوال کا جواب شاہ صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

ایں طعن مبنی است بر جہل احوال
مطعون علیہ زیرا کہ غیر فرائض شرعیہ
را ہیچ کس فرض نمی داند آرے زیارت
و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں
باہدائے ثواب و تلاوت قرآن و دعائے
خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و
خوب است باجماع علماء و تعیین روز
عرس برائے آنست کہ آں روز مذکر
انتقال ایشاں مے باشد از دار العمل
بدار الثواب (فتاوی عزیزی ص ۴۵ ج ۱)

یہ طعن ہمارے حال سے ناواقفیت
پر مبنی ہے کیونکہ غیر فرائض شرعیہ
کو کوئی شخص بھی فرض نہیں جانتا ہاں
قبور صالحین کی زیارت اور اُن سے
برکت حاصل کرنا اور ثواب کے ذریعے اُنکی امداد
کرنا اور تلاوت قرآن و دعائے خیر کرنا
اور کھانا اور شیرینی تقسیم کرنا باجماع علماء امر
مستحسن اور خوب ہے اور روز عرس کی
تعیین اسلئے ہے کہ اُسی دن انکا وصال
ہوا اور یہ دن انکے وصال کی یاد دلاتا ہے

شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس عبارت سے کئی فوائد حاصل ہوئے

اولاً شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر سال تاریخ معینہ پر اپنے والد کا عُرس کیا کرتے تھے۔ اہلسنت کی بریلی کو تو آپ ہمیشہ کوستے رہتے ہیں کہ یہ معین تاریخ پر سوم چہلم عرس گیارہویں وغیرہ کرتے ہیں۔ اور تعیین بدعت ہے اور کل بدعت ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔ اب اپنے مسلم شیخ و مرشد کے بارے میں کیا فتویٰ ہے کیا انہیں بھی بدعتی قرار دیکر جہنم میں پہنچائیے گا۔ اور اگر آپ کے مزعوم شیخ تعیین سے بدعتی نہیں ہوئے۔ تو آپ اہل سنت کو کیوں تعیین کی وجہ سے اہل بدعت کہتے ہیں۔ وجہ فرق بتانی ہو۔ ورنہ لوگوں کو آپ کی اصل میں شبہ پڑ جائیگا

کیونکہ اسرائیلی نسل ہی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ ایک کام کو اپنے احبار رہبان کیلئے جائز قرار دیتے۔ اور اسی کام کو جب مسلمان کرتے تو اسے غلط کہا کرتے تھے۔ پھر آپ ہی بتلائیے کہ ہم آپ کو کیا سمجھیں۔ ثانیاً اس عبارت سے مستفاد ہوا۔ کہ شاہ صاحب صالحین کے لئے ایصال ثواب کیا کرتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی عبارتوں پر تکیہ کرنے والے گھرڑوی کیلئے مقام عبرت ہے کہ وہ گیارہویں کو اسلئے حرام وغیرہ قرار دیتے ہیں کہ بڑے پیر تو ویسے ہی نیکیوں سے مالا مال ہیں۔ انہیں ایصال ثواب کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح صالحین تو ویسے ہی نیکیوں سے مالا مال ہیں۔ اب شاہ صاحبؒ سے پوچھئے۔ کہ وہ صالحین کے لئے ایصال ثواب کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں۔ ثالثاً اس ہیئت مخصوصہ کے ساتھ عرس کیا خیر القرون میں موجود تھا۔ اگر نہیں تھا تو پھر شاہ صاحبؒ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے۔ جو آپ کے مسئلہ حرام کو حلال کئے جا رہے ہیں رابعاً علماء اہل سنت کو تو آپ اپنی روایتی سوءِ ظنی اور بدگمانی کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ آڑ تو بظاہر مسئلہ کی ہے۔ مگر انتظام سب پیٹ کا ہے۔ اور عوام الناس کو وہ آئے دن بہانے دلائل و براہین کے چاولوں اور مٹھائیوں سے مطمئن کرتے رہتے ہیں۔ (تنقید ص ۵۱)

اب شاہ صاحب کے بارے میں کیا کہئے گا۔ جو فرماتے ہیں: "تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است"۔ اگر یہ مسئلہ واقعی پیٹ کے انتظام کیلئے ہے۔ تو گستاخی معاف اس کی بنیاد تو آپ کے حکمی باپ دادا نے رکھی ہے اور من سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا و وزر من عمل بہا کے فارمولے کے تحت ان امور کا وبال آپکے معنوی آباء کے قرطاس عمل کی رسوائی قرار پائے گا۔ اہل سنت پر تبرا کرنے سے پہلے کاش آپ نے ایک نگاہ اپنے

اسلاف پرکی ہوتی۔

پیٹ کا منتظم کون ہے

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کھانے والے منہ نہیں دیکھے یا پھر مسلکی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کاریگروں سے تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں بہر حال اب وقت آگیا ہے کہ اس راز سے پردہ اٹھا ہی دیا جائے۔ ملاحظہ فرمایئے فتاوٰی رشیدیہ میں ایک سوال درج ہے۔

سوال۔ ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں۔ ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں

جواب۔ درست ہے۔ رشید احمد عفی عنہ (فتاوی رشیدیہ ص ۳۸۸ بحوالہ تنقید)

ہولی اور دیوالی معین تاریخوں میں منائی جاتی ہیں۔ اور اہل ہنود کے مذہب میں ان کا آگے پیچھے کرنا جائز نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک گیارھویں کا کھانا تعیین کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے۔ تو ہولی اور دیوالی کی پوریاں تعیین کی وجہ سے کس طرح جائز ہو جاتی ہیں نیز آپ کے قطب عالم نے سبیل کے شربت پر روافض کے شعار کے تشبہ کی وجہ سے حرمت کا فتویٰ لگایا ہے۔ تو گزارش ہے کہ جب کوئی حلال کھانا مسلمانوں کے ایک گمراہ فرقہ کے شعار سے محض تشبہ کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے تو جو طعام بجائے مشابہت کے خود کفار کا شعار ہو۔ اس کا کھانا کس طرح جائز ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں آپکے مفتی علی الاطلاق نے بغیر کسی دلیل اور شرعی شہادت کے اہل ہنود کے ہاتھ کا پکا ہوا کسی قید یا استثنا کے بغیر حلال کر دیا۔ مولوی گنگوہی صاحب نے حق فرزندی ادا کرتے ہوئے

مولوی گنگوہی صاحب کی وکالت میں لکھا کہ۔

"فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ جو رقم کافر کے پاس ہو خواہ اُس نے شراب فروخت کی ہو یا سود لیا ہو۔ اور عام اس سے کہ اس نے خنزیر فروخت کر کے رقم حاصل کی۔ یا عصمت فروشی کے بعد رقم حاصل کی۔ جب وہ رقم مسلمان کے ہاتھ میں آ جائیگی اور تبدیل ملک ہو جائے گا۔ تو وہ حلال وطیب ہو جائے گی"

سبحان اللہ کیا کہنے ہیں اس استدلال کے' اگر آپ کو کافر کتا اور خنزیر بھی پکا کر پیش کرے۔ تو تبدیل ملک کے بعد وہ بھی آپ کیلئے حلال اور طیب ہو جائیگا۔ برین عقل و دانش بباید گریست

پتہ نہیں مولوی سرفراز صاحب نے خود مغالطہ کھایا ہے یا لوگوں کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔ کفار کی رقم حرام کی کمائی ہی سہی لیکن بنفسہا رقم کو تو نہیں چبایا جاتا۔ بلکہ اس سے خرید کر کوئی چیز کھائی جائے گی۔ بخلاف کافر کے ہاتھ سے پکی ہوئی چیز کے کہ اس کو خود کھایا جائیگا پس ان دونوں کا ایک حکم کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور اہل ہنود جن کا عام حال یہ ہے کہ وہ گائے کے پیشاب کو پاک سمجھتے ہیں۔ اس کے پینے کو سعادت جانتے ہیں۔ کتا اُن کے برتنوں کو چاٹتا رہتا ہے۔ خود دن رات انواع واقسام کی نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ سے معین دن میں پکے ہوئے طعام کو بلا کسی قید و استثناء جائز قرار دینا مولوی رشید احمد گنگوہی جیسے فقیہہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اب پتہ چلا کہ مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کون ہیں اور اگر اب بھی طبیعت صاف نہ ہوئی ہو تو ایک اور حوالہ بھی پیش خدمت

ب۔ مکالمۃ الصدرین صفحہ ۱۶ پر مرقوم ہے کہ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی مولوی حفظ الرحمٰن صاحب کے جواب میں کہتے ہیں۔

"دیکھئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گذرتا۔ اب اسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اسکو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا۔"

دیکھا آپ نے یہ ہے مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام۔ مولوی تھانوی اور عثمانی اپنے پیٹ کا انتظام بھی کرتے رہے اور شرعاً ماخوذ بھی نہ ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی عثمانی اپنی اور تھانوی صاحب کی براءت میں خواہ کچھ کہتے رہیں لیکن سوچنے والے ضرور سوچیں گے کہ حکومت برطانیہ آخر ان مولویوں کو اس قدر رقوم کیوں مہیا کرتی تھی اور دیو بند کی چار دیواری میں ان سے وہ کونسا کام لیا جاتا تھا۔ جس کے لئے حکومت کو اتنی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔

امید ہے کہ آئینہ میں اس قدر واضح خد و خال دیکھنے کے بعد مولوی سرفراز صاحب کیلئے اب یہ حقیقت راز نہ رہی ہو گی۔ کہ کھانے پینے کا رسیا کون ہے اور فقہی رعائتوں سے کس نے فائدہ اُٹھایا ہے۔

ضابطہ سنت بیان کرنے میں سرفراز صاحب کی فاش غلطی

گیارہویں شریف کو خلاف سنت اور بدعت قرار دینے کیلئے مولوی گکھڑوی صاحب نے ایک اور مذموم کوشش کی ہے چنانچہ تنقید صہ۲ پر لکھتے۔ "کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہویں دینے کا حکم فرمایا ہے"

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر کسی جزئیہ کے سنت ہونے کا مدار اس امر پر ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالخصوص اس جزئیہ کا حکم فرمایا ہو تو دنیا میں بے شمار جزئیات سنت ہونے سے رہ جائیں گے۔ مثلاً وعظ و تبلیغ کرنا سنت ہے۔ پس اب کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص مولوی سرفراز صاحب کو وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے اگر ایسا ہے۔ تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے۔ ورنہ ثابت ہوا کہ مولوی گکھڑوی کا وعظ کرنا بدعت ہے۔ اس کے بعد سرفراز صاحب نے دوسرا سوال یہ قائم کیا ہے کہ "ایصالِ ثواب کیلئے کیا کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے"۔ (تنقید صہ۲)

جواباً التماس ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد" ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ اہلِ سنت سوئم و چہلم وغیرہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عام افرادِ امت کے لئے ہوتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ ایصالِ ثواب کے لئے ایک ہی شخصیت کا انتخاب کر لیا ہے۔ ارے صاحب۔ اگر آپ کے خیال میں اہلِ سنت صرف گیارہویں دیتے ہیں۔ تو تیجہ۔ چالیسواں اور عرس کا نام نہ لیجئے۔ اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اہل سنت سوئم وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ تو یہ نہ کہئے کہ سُنیوں نے نے ایصالِ ثواب کو صرف بڑے پیر کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ آپ ہی غور

کریں کہ آپ کے کلام میں کس قدر تناقض پایا جاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت پر تبرا کرتے وقت آپ کی عقل ہوش وحواس سب ماؤف ہوگئے تھے۔ اور بیان کی شکل میں آپ اُلٹی سیدھی کہتے چلے گئے۔ یا لکھنے سے پہلے شمپئن کی بوتل چڑھالی تھی۔ اور نشہ میں دھت بے تکیاں ہانکتے چلے گئے۔ اس کے بعد پھر یوں گویا ہوئے کہ۔

"کسی کے ایصال ثواب کیلئے دنوں کی تعیین کا فرمان دیا گیا ہے۔ تو اس کی صحیح سند با حوالہ مطلوب ہے اور پھر گیارہویں سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں" (تنقید ص۵۲)

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ آپ جو جمعہ میں خطبہ سے پہلے وعظ کرتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعیین کا حکم دیا ہے۔ اگر دیا گیا ہے تو اسکی صحیح سند با حوالہ مطلوب ہے۔ تب یہ سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں۔ چلئے آپ کے جمعہ کا وعظ بھی بدعت ہو کر جہنم کی نذر ہو گیا۔ بلکہ نیت کا جو قاعدہ آپ نے باندھا ہے۔ اس سے تو خدا کے فضل سے آپ کا ہر وہ کام جسے آپ سنت سمجھ کر کرتے ہیں۔ بدعت قرار پائیگا۔ کیونکہ ہم کہیں گے کہ آپ کے اصول سے یہ سنت تب ہوگا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص اس کی تعیین کا حکم دیا ہو۔ ورنہ بدعت ہو گا۔ اور تعیین پر صحیح سند باحوالہ آپ لا نہیں سکتے۔ لہذا سر سے پاؤں تک بدعت آپ کا احاطہ کر لے گی۔ اور ابتدا سے انتہا تک آپ کا ہر عمل بدعت کی زد میں آجائیگا۔ اور پھر آپ کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ یہ آپ سوچیں۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

شاطبی کی عبارت کی وضاحت

مولوی سرفراز صاحب نے اپنی بے سمجھی اور نادانی سے تعیین کو بدعت قرار دینے پر علامہ شاطبی کی ایک عبارت پیش کی ہے ہم اُسے

نقل کر کے مولوی صاحب کی غلط فہمی دُور کر دینا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو علامہ شاطبی کا قول یہ ہے۔

فالتقييد فى المطلقات التى لم يثبت بدليل الشرع تقييدٌ ممارای فی التشريع فكيف اذا عارضهٔ الدليل الخ. (الاعتصام ص۲۸۳ ج ۱ بحوالہ تنقید)

اُن مطلق احکام میں قید لگانا کہ جن کی قید کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں اپنی رائے سے شریعت بنانا ہے خصوصاً جبکہ اس کے معارض کوئی دلیل موجود ہو۔

علامہ شاطبی کے قول میں تقیید سے مراد قید وجوبی ہے بمثلاً ایصال ثواب کیلئے کوئی شخص سوئم کو بایں طور مقرر کرے کہ اگر اس دن ایصال ثواب ہوا تو جائز ہوگا۔ اور اگر اس کے آگے پیچھے ہوا تو ناجائز۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شرع میں زیادتی ہے۔ جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اور علامہ شاطبی کے کلام کا اس کے سوا اور کوئی صحیح محمل نہیں۔ کیونکہ اطلاق شرعی کا تحقق ظاہر ہے۔ بغیر کسی فرد کے متصور ہو ہی نہیں سکتا۔ ورنہ مولوی گکھڑوی ہی ہم کو کسی اطلاق شرعی پر بغیر اسے مقید کئے عمل کر کے دکھادیں۔ نیز اسکی مزید وضاحت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس کلام سے ہوتی ہے جسے ہم تعیین عرس کے سلسلہ میں نقل کر چکے ہیں۔ فانظر و تدبر۔

کیا غنیۃ الطالبین شیخ جیلانیؒ کی تصنیف ہے

مولوی گکھڑوی صاحب کے ضعیف مطالعہ اور نہایت جسارت کی ایک اور بیّن مثال یہ ہے کہ انہوں نے غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کی تصنیف قرار دیا، حالانکہ شیخ ابن حجر مکیؒ نے فتاوی حدیثیہ میں علامہ عبدالعزیزؒ نے نبراس میں علامہ ملتانیؒ نے

حاشیہ نمبر اس میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ترجمہ غنیہ میں تصریح فرمائی ہے۔ کہ یہ کتاب آنجناب کی تصنیف نہیں ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم نے عبارات پیش نہیں کیں۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں بعض حنفیہ کو فرقہ مرجیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس میں ایسے مسائل شامل ہیں جو جمہور اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں۔ مثلاً اس میں رویت باری جل و علا کا انکار کیا گیا ہے۔ حالانکہ انکار اعتزال پر مبنی ہے۔ اور اس نظریہ کا اہل سنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور جناب شیخ رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات اس بدعقیدگی سے بہت بلند و بالا ہے۔

طعام پر فاتحہ پڑھنا

مولوی گکھڑوی صاحب نے کھانے پر فاتحہ پڑھنے کو ہندوانی رسم قرار دیتے ہوئے ذکر کیا "لیکن جس تاریخ کو کوئی مرا۔ اس تاریخ میں انہیں ثواب پہنچانا ضروری مانتے ہیں۔ اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے۔ اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں۔ جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے۔ ان کی زبان میں اجمشٹ من کہلاتا ہے۔ اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں۔" (تنقید ص۲۱)

اس بیان میں انتہائی بے باکی اور دروغگوئی سے کام لیا گیا ہے اور ادنیٰ سوجھ بوجھ رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں ہے کہ ہندوؤں میں نہ قیامت کا تصور ہے۔ اور نہ ثواب و عذاب کا بس یہ کہنا کہ ہندو ثواب پہنچانے کے لئے طعام پر بید پڑھواتے تھے۔ ایسی یاوہ گوئی ہے جسے ماننے کیلئے کوئی ہوشمند تیار نہیں ہو گا۔ نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر عزیزی سے نقل کر چکے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا دیتے ہیں۔ ان کے مذہب میں مرنے والوں کو

زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ تفسیر عزیزی ص۵۴ دیکھئے توضیح البیان
پھر بتلائیے آپ کے حکمی دادا کی اس تحقیق کے مقابلہ میں آپ کے ہذیان پر کون کان
دھریگا۔ آپ کہتے ہیں ہندو اپنے مُردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں شاہ صاحب
فرماتے ہیں۔ ایں چیز ہا اصلاً نسبت بآنہا در اصل مذہب آنہا نیز واقع نیست
اب بتلائیے کہ آپ جھوٹے ہیں یا آپکے حکمی دادا (ثانیاً) چلیئے۔ اس جھوٹ کو مان
بھی لیں تو بھی آپ کا کچھ نہ بنا۔ کیونکہ آپ طعام پر قرآن پڑھنے کو کھانے پر بید
پڑھنے کی مشابہت کی وجہ سے حرام کہتے ہیں اور آپ کے مرکزی پیر حاجی امداد اللہ
مہاجر مکیؒ باوجود اس مشابہت کے اسے جائز فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے
فیصلہ ہفت مسئلہ ص۹ "رہا شبہ تشبیہ کا اس میں بحث از بس طویل ہے۔
مختصر اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ تشبہ اس وقت تک رہتا ہے جبتک وہ عادات
اس قوم کے ساتھ ایسی مخصوص ہو کہ جو شخص وہ فعل کرے۔ اسی قوم سے سمجھا جاوے
یا اس پر حیرت ہو اور جب دوسرے قوموں پر پھیل کر عام ہو جاوے تو وہ تشبہ
جاتا رہتا ہے۔ ورنہ اکثر امور متعلق عادات اور ریاضات جو غیر قوموں سے ماخوذ
ہیں مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے ہیں کہ کسی عالم درویش کا گھر بھی اس سے
خالی نہیں۔ یہ امور مذموم نہیں ہو سکتے قصہ تطہیر اہل قبا اس میں کافی حجت ہے۔
البتہ جو ہیئت عام نہیں وہ موجب تشبہ ہے۔ اور ممنوع پس یہ ہیئت کہ وجہ
ایصال کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارہویں حضرت غوث پاک قدس سرہ
کی دسویں بیسویں چہلم ششماہی۔ سالانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق
ردولوی رحمۃ اللہ علیہ اور سہ منی حضرت شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ وحلوائے
شب برات اور دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدہ پر مبنی ہیں۔"
ثالثاً مشابہت مذکورہ کا یہ جواب بطور جدل متعصبین دیوبند کے مسلمہ

کے کلام سے پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ اس امر میں تحقیق یہ ہے۔ کہ ایصال ثواب کرنے کیلئے طعام پر قرآن پڑھنے میں بر تقدیر تسلیم اہل ہنود کی اصلا مشابہت نہیں بلکہ سراسر مخالف ہے کیونکہ وہ طعام پر وید کا کلام پڑھتے ہیں اور ہم طعام پر اللہ کا کلام پڑھتے ہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ مشرکین وقت ذبح جانور پر بتوں کا نام لیتے تھے۔ تو مسلمانوں کو ان کی مخالفت میں جانور پر اللہ کا نام لینے کا حکم ہوا۔ پس جس طرح جانور پر بتوں کی جگہ اللہ کا نام لینا کفار کی مشابہت نہیں۔ مخالفت ہے۔ اسی طرح طعام پر وید کی جگہ اللہ کا کلام پڑھنا ان کی مشابہت نہیں۔ مخالفت ہے۔ ورنہ آپ کے قاعدے سے تو ذبح پر اللہ کا نام لینا طواف میں اللھم لبیک لا شریک لک کہنا یہ سب کفار کی مشابہت قرار پائیگا۔ ممکن ہے سرفراز صاحب اپنی روایتی کجروی سے یہ عذر پیش کریں کہ ذبح پر اللہ کا نام لینا اور طواف میں تلبیہ کے احکام تو منصوص ہیں۔ طعام پر کلام پڑھنے کی کونسی نص موجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مخصوص جزئیہ پر نص نہ سہی۔ مشرکین کی مخالفت تو ثابت ہے اس قسم کی مخالفت کی نظیر بھی پیش کی جا چکی ہے اور فاتحہ طعام دونوں کے ثواب پہنچانے کے دلائل بھی ہم پیش کر چکے ہیں۔ باقی یہ عذر کہ دونوں کا ثواب اکٹھا کیوں پہنچایا جاتا ہے۔ الگ الگ فاتحہ اور طعام کا ثواب کیوں نہیں پہنچایا جاتا جواب یہ ہے کہ الگ الگ ثواب پہنچانا بھی جائز ہے اور لوگ پہنچاتے ہیں۔ آپ اپنی کور بینی اور بدظنی کا علاج کیجئے اور دونوں کو جمع کر کے طعام پر فاتحہ پڑھ کے ثواب پہنچانا بھی جائز ہے۔ الگ الگ پہنچانا تو آپ بھی مانتے ہیں۔ دونوں کو جمع کر کے ثواب پہنچانے کے بارے میں گذارش ہے کہ جمع بین العبادات بھی ثابت ہے۔ جیسے قران میں حج اور عمرہ کو جمع کرنا حالت جہاد میں ذکر کرنا۔ عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات پڑھنا۔ حضرت علی کا حالت نماز میں زکوٰۃ

ادا کرنا اہلِ مکہ کا تراویح اور طواف کو جمع کرنا۔ اہلِ مدینہ اور امام مالک کا تراویح کی بیس رکعات کے ساتھ طواف کے قائم مقام سولہ رکعتوں کو جمع کرنا نیز شیخ محقق۔ اشعۃ اللمعات جـ ۱ ص ۳۴ پر فرماتے ہیں۔

"ایک عمل خیر میں ثوابہائے متعددہ کی نیات کو جمع کیا جاسکتا ہے چنانچہ مسجد میں جانا ایک فعل ہے۔ اور اس میں بارہ نیات جمع کی جاسکتی ہیں۔ (۱) زیارت حق (۲) انتظار نماز (۳) اعضا کو معاصی سے پاک رکھنا (۴) اعتکاف (۵) قصد درود (۶) تجرد برائے ذکر (۷) قصد ادراک ثواب حج وعمرہ (۸) افادہ واستفادہ (۹) زیارت برادر دینی (۱۰) سلام (۱۱) تفکر و مراقبہ (۱۲) قصد مشاہدہ حق۔ اور نیت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نیۃ المؤمن خیر من عملہ یعنی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے پس نیت بھی عبادت ہے اور مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر عبادت ہے۔ اور جب ایک وقت میں بارہ عبادتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ تو طعام اور تلاوت کے ایصال ثواب کی دو عبادتیں جمع ہونے میں کونسی چیز مانع ہے۔ دالعا۔ انصاف پسند حضرات کیلئے تو سطور بالا میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے۔ کافی ہے۔ لیکن مبتدعین دیوبند چونکہ دلائل سے زیادہ اپنے آباء کے اقوال کو سند سمجھتے ہیں۔ اسلئے ہم ان کے اطمینان کے لئے ان کے مرکزی پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا کلام پیش کرتے ہیں جس کے ضمن میں طعام پر فاتحہ پڑھنے کی مکمل وضاحت ہو جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ ملاحظہ فرمائیے حاجی صاحب کا فیصلہ ہفت مسئلہ ص۸ پر لکھتے ہیں۔

"سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کر لی۔ متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں

نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب ولسان کیلئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے۔ تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشارالیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا روبرو دلانے لگے۔ کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے۔ اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے۔ اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاویگا کہ جمع بین العبادتین ہے ؎

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں۔ پڑھی جانے لگیں کسی نے خیال کیا کہ دعا کیلئے رفع یدین سنت ہے ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کہ کھانا جو مسکین کو دیا جاویگا۔ اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے۔ پانی پلانا بڑا ثواب ہے۔ اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہو گئی"۔

خامساً حاجی صاحب آپکے طریقت کے شہنشاہ کہلاتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز شریعت کے بادشاہ۔ اسلئے آئیے اب آپ کو بادشاہ شریعت کی زبان سے بھی طعام پر فاتحہ پڑھنے کے جواز کا حکم سنوا دیں۔ اس کے بعد بھی اگر آپ کے نصیب سے ضلالت نہ مٹ سکے تو ہمارا کیا چارہ ہے۔ شاہ صاحب فتاوٰی عزیزی ص ۳۸ ج ۱ پر لکھتے ہیں:۔

ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شیرینی	ختم قرآن کریں اور طعام یا شیرینی پر فاتحہ
یا طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضران	پڑھیں اور اسکو حاضرین میں تقسیم کریں اور
نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا	یہ قسم حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

وخلفاء راشدین نبود اگر کسے ایں طور بکند باک نیست۔ زیراکہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ احیاء واموات حاصل مے شود۔

اور خلفاء راشدین کے عہد میں معمول نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس میں زندوں اور مردوں دونوں کا فائدہ ہے۔

اور فتاوٰی عزیزی ص۱ ج۱ پر فرماتے ہیں۔

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمائید و بر آن فاتحہ و قل و درود خواندن تبرک مے شود و خوردن بسیار خوب است۔

جس طعام کا ثواب امامین کی نیاز ہو، اور اس پر سورہ فاتحہ اور قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے وہ تبرک ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے

سادسًا۔ ہم طعام پر فاتحہ پڑھنے کے جواز اور اباحت کے قائل ہیں، اسکو فرض یا واجب نہیں سمجھتے۔ اور آپ اسے حرام کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم تعیین عرفی کو جائز کہتے ہیں۔ اسے فرض واجب نہیں سمجھتے۔ اور آپ اس تعیین کو حرام کہتے ہیں اب گذارش یہ ہے کہ ہم سے تو ایک امر کی اباحت پر اسقدر شد و مد سے نص صریح اور حدیث صحیح کا مطالبہ ہے۔ لیکن آپ جو حرمت کا فتوٰی دیتے ہیں آپ کے پاس اس مخصوص حکم کی حرمت پر کونسی صریح اور متواتر حدیث یا قرآن کریم کی نص قطعی موجود ہے۔

۱؎ ملاحظہ فرمائیے تنقید متین ص۵۲ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں کیا جناب رسول اللہ نے گیارہویں دینے کا حکم اجرا فرمایا ہے؟ یا ایصال ثواب کیلئے کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے؟ یا کسی کیلئے ایصال ثواب کیلئے دنوں کی تعیین کا فرمان دیا ہے؟ اگر ایسا فرمایا ہے تو اسکی صحیح سند یا حوالہ مطلوب ہے، پھر گیارہویں سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں۔"

پس ہم بھی کہتے ہیں کہ آپ جو گیارہویں کو حرام کہتے ہیں۔ اور حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے بتلائیے قرآن کریم کی کونسی نص قطعی یا خبر متواتر میں گیارہویں کو حرام کیا ہے، اور اگر کوئی خبر متواتر ہے تو اسکی صحیح سند یا حوالہ مطلوب ہے پھر گیارہویں حرام ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں۔

جس کی وجہ سے آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو بیک جنبش قلم حرام کر دیا۔ اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے۔ کہ قرآن کریم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث متواتر سے سوئم، چہلم، عرس، گیارہویں اور فاتحہ علی الطعام کی حرمت ثابت ہے۔ ان امور کی حرمت پر آپ دلیل قطعی تو بجائے خود خبر واحد بھی نہیں لا سکتے ہیں قیامت تک کی مہلت دیکر مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنے حرمت کے دعوٰی پر کوئی صاف اور صریح نص پیش کریں۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ

بغیر کسی دلیل کے اپنی اہواء سے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنا، اللہ اور رسول کے منصب پر غاصبانہ قبضہ ہے۔ مشرکین کا شعار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

آپ دیکھیں گے کہ اہل دیوبند کے پاس کوئی صریح دلیل ایسی موجود نہیں ہے جس سے وہ فاتحہ علی الطعام یا سوئم یا چہلم کی حرمت ثابت کر سکیں کہیں۔ کل بدعۃ ضلالۃ کے عموم سے استدلال ہوگا کہیں نفس بدعت کو لیکر رد کیا جائیگا۔ کہیں من احدث فی امرنا ھذا لیس منہ فھو رد سے احتجاج ہوگا۔ کہیں شہود ظنی سے عقائد اختراع کئے جائیں گے۔ غرضیکہ دعوٰی کسی خاص کی حرمت کا کریں گے اور دلیل میں ایسے عمومات اور اطلاقات شرعیہ کو لائیں گے جن کا دعوٰی سے دُور کا بھی علاقہ نہ ہوگا۔

مولوی گکھڑوی صاحب نے اگرچہ ایصال ثواب کا قرار کیا ہے لیکن ایصال ثواب کی جس قدر ممکنہ صورتیں تھیں۔ ان سب کا انکار کر کے حقیقت میں انہوں نے نفس ایصال ثواب کا ہی انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ کسی تعین وقید کو ماننے پر تیار نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بغیر قید اور تعین کے نفس ایصال ثواب کا تحقق ممکن نہیں۔ پس قید اور تعین کا انکار کرنا حقیقت میں نفس ایصال ثواب کا انکار

کرنا ہے۔ اور اب ہم ناظرین پر یہ امر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب نہ کرنے والے معتزلہ تھے۔ دیکھئے طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۷۶ پر ہے

وقالت المعتزلة ليس للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره	اور معتزلہ نے کہا کہ کسی انسان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کو پہنچائے

پس ملاحظہ فرمائیے کہ ایصالِ ثواب کا انکار کر کے مولوی گکھڑوی نے اپنا قارورہ کن لوگوں سے جا ملایا ہے۔ (نعوذ باللہ من تلك الخرافات الباطلة۔

عہدِ رسالت میں ایصالِ ثواب

مولوی سرفراز صاحب راہ سنت کے ص۳۳ پر لکھتے ہیں۔

"آپ کی دو ازواج مطہرات حضرت خدیجہ اور حضرت زینب ام المساکین اور آپ کے چچا سید الشہدا حضرت حمزہ اور آپ کی تین صاحبزادیاں حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، اور حضرت زینب اور جملہ صاحبزادے آپ کی زندگی میں دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ مگر نہ تو آپ نے ان کا تیجا کیا نہ ساتواں نہ دسواں نہ چالیسواں" الخ۔

اسی صفحہ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ "ایصالِ ثواب ہوتا تھا۔ مگر نہ تو دنوں کی تعیین ہوتی تھی" الخ شکر ہے کہ آپ نے ایصالِ ثواب کا اقرار کر لیا ورنہ اگر آپ اس کا بھی انکار کر دیتے۔ تو ہم آپ کا کیا بگاڑ لیتے۔ رہی دنوں کی تعیین تو اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ عہدِ رسالت میں جن دنوں میں ایصالِ ثواب ہوتا تھا وہ نفس الامر میں معین نہ تھے۔ تو پاگل خانے جا کر اپنی عقل کا علاج کرائیں۔ اور اگر مطلب یہ ہے کہ کہ شرع میں کسی دن کو معین کرنا واجب نہ تھا تو بسر و چشم ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شرع میں ایصالِ ثواب کیلئے کوئی دن معین نہیں ہے کہ سوئم چہلم اور گیارہویں کو ایصالِ ثواب کیا جائے۔ تو جائز ہو اور اس کے سوا کسی اور

تاریخ کو کیا جائے تو ناجائز ہو۔ ہم ان تاریخوں کو ضروری نہیں سمجھتے اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں میں بھی ایصال ثواب کرتے ہیں جس کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ اسکی تعبیر ایسے ہی مکروہ انداز میں کرتے ہیں جیسا کہ مکروہ آپ کا مذہب ہے۔ چنانچہ تنقید متین ص۵ پر لکھتے ہیں۔

"اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروروں نے یہ حیلہ شروع کر دیا کہ کسی جگہ تو گیارہویں تاریخ کو یہ دن منا لیتے ہیں۔ اور کسی دوسری جگہ بارھویں تیرھویں کو۔ وہ بتلاتے تو یہ ہیں کہ لیجئے ہم گیارہویں تاریخ ہی کو ضروری نہیں سمجھتے لیکن اصل بات وہ عوام الناس سے بالکل اوجھل رکھتے ہیں۔ وہ یہ کہ اس طریقے سے ان کے بطن مبارک کے لئے متعدد جگہیں نکل آتی ہیں۔ اور کوئی جگہ ہاتھ سے نہیں جاتی"

نیت کا حال تو بہرحال خدا کو معلوم ہے لیکن سرفراز صاحب کی سوء ظنی سے یہ بات بہرکیف معلوم ہو گئی۔ کہ انہیں نفس ایصال سے ہی ضد ہے اور زبان سے اگرچہ ایصال ثواب کا اقرار کرتے ہیں لیکن اپنے طرز عمل اور انداز تبلیغ سے وہ سنت ایصال ہی کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ جب گیارہویں شریف کو ایصال ثواب کیا گیا۔ تو انہوں نے واویلا مچایا۔ کہ تعیین بدعت ہے۔ اس کا عہد رسالت میں کوئی ثبوت نہیں۔ واقعہ وفات تو زمانہ نبوی میں بھی تھا۔ لیکن ان تاریخوں میں ثواب نہیں پہنچایا جاتا تھا۔ اور جب انہیں بتایا گیا کہ گیارہویں تاریخ ضروری نہیں دوسری تاریخوں میں بھی ہم ایصال ثواب جائز سمجھتے ہیں تو کہنے لگے کہ بطن پروری کے لئے متعدد مواقع فراہم کر لئے، سرفراز صاحب آپ ہی بتلائیے۔ کہ جب نفس ایصال ثواب سنت ہے اور ثابت ہے تو وہ کس طریقے سے کیا جائے معروف تاریخوں میں کیا جائے تو بدعت اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں میں کیا جائے تو بطن پروری

اب ذرا ہوش میں آکر یہ بتلائیں کہ حضور نے یہ حکم بدعت کے لئے دیا ہے یا بطن پروری کے لئے۔

بدعت سیئہ کا سرفرازی ضابطہ اور اس میں ان کی شدید ٹھوکر

سرفراز صاحب راہِ سنت ص ۹۵ پر لکھتے ہیں۔

ایسے امور ہیں جن کے تمام اسباب و دواعی و محرکات اس وقت موجود تھے۔ نہ قیاس ہو سکتا ہے اور نہ بدعت حسنہ کا درجہ پا سکتے ہیں۔ یہ امور قطعی طور پر بدعت قبیحہ اور سیئہ کی مد میں داخل ہیں اس میں ایک رتی برابر شک نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفی تحریر فرماتے ہیں۔ اور اگر آپ کے زمانہ میں سبب موجود ہو۔ لیکن کسی عارضی وجہ سے متروک ہو اور حضور کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا ہو۔ تو ایسے امر کا احداث بھی جائز ہے۔ جیسے قرآن کا جمع کرنا کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ مانع تھا۔ وحی برابر آتی رہتی تھی۔ اللہ تعالےٰ جو چاہتا تھا بدل دیتا تھا حضور کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا۔ اور جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو۔ باوجود اس کے حضور نے نہ کیا ہو۔ تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے۔ کیونکہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرورِ کائنات اس فعل کو خود ضرور کرتے یا ترغیب فرماتے۔ اور جب آپ نے خود نہ کیا۔ اور نہ کسی کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ وہ بدعت سیئہ قبیحہ ہے؟

سرفراز صاحب نے جو بدعت سیئہ کا یہ ضابطہ وضع کیا ہے۔ چند وجہ سے مردود اور باطل محض ہے۔

اولاً اس لئے کہ مرقاۃ ص ۱۹۳ ج ۲ پر ہے۔

وذکر السیوطی فی رسالتہ انہ ‏ امام سیوطی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے

يستحب لاهل المدينة ستا وثلاثين ركعة تشبيها باهل مكة حيث كانوا يطوفون بين كل ترويحتين طوافا ويصلون ركعتين ولا يطوفون بعد الخامسة فاراد اهل المدينة مساواتهم فجعلوا مكان كل طواف اربع ركعات ولو ثبت عددها بالنص لم يجز الزيادة عليه

ہے کہ اہلِ مدینہ کے لئے اہلِ مکہ کی مشابہت کی وجہ سے چھتیس ۳۶ رکعات تراویح پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ اہلِ مکہ ہر ترویحہ کے بعد طواف کرتے ہیں۔ اور پھر دو رکعت نماز پڑھتے۔ اور پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے پس اہلِ مدینہ نے طواف کے قائم مقام دو رکعات کو کیا (اور اس طرح ہر ترویحہ کے بعد چار رکعات پڑھیں پس سولہ رکعات زیادہ کیں) اور اگر تراویح کے عدد کی تعیین نص سے ثابت ہوتی تو یہ لوگ زیادتی نہ کرتے۔

سوال یہ ہے کہ طواف کا داعیہ کعبہ معظمہ ہے۔ اور وہ عہدِ رسالت میں بھی موجود تھا۔ اور تراویح کا داعیہ رمضان ہے۔ اور وہ بھی دورِ نبوی میں کئی بار آیا اور پھر باوجود سبب اور عدم مانع کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو تراویح چھتیس رکعت پڑھیں۔ نہ دو ترویحوں کے درمیان طواف کیا۔ پھر اہلِ مکہ کیلئے مع طواف کے اٹھائیس رکعات اور اہلِ مدینہ کے لئے بغیر طواف کے چھتیس ۳۶ رکعات کس طرح مستحب ہو گئیں۔ غور فرمائیے۔ جس امر کو آپ بدعت سیئہ اور قبیحہ قرار دیتے ہیں۔ اسی کو امام سیوطی مستحب فرما رہے ہیں۔ اور یہی امام مالک کا مذہب ہے۔

ثانیاً۔ چلئے ہم ارخاء عنان کے لئے خیر القرون کے احداث فی الاسلام سے صرف نظر کئے لیتے ہیں۔ تب بھی گذارش ہے کہ قرآن پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگائے اور وہ آپ کی تحقیق کے مطابق خیر القرون میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ راہ سنت ص ۲۷ پر آپ نے قرن کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا۔ اس سے انسانوں کا بہترین طبقہ

مراد ہے۔"

حجاج بن یوسف کے بارے میں مؤرخین اور محدثین کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کا بدترین انسان تھا۔ بنایہ شرح ہدایہ صـ۲۲ ج ا پر علامہ عینی فرماتے ہیں۔

وکان افسق اھل زمانہ حجاج بن یوسف۔

حجاج بن یوسف اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ فاسق شخص تھا۔

پس ثابت ہوا کہ وہ خیر القرون سے خارج ہے۔ اب فرمائیے کہ اس بدترین فاسق کا احداث فی الاسلام کس طرح جائز ہو گیا۔ اعراب لگانے کا داعیہ اور سبب عہدِ رسالت میں بھی موجود تھا۔ کیونکہ آپ کے زمانہ اقدس میں بھی بے شمار عجمی اسلام لا چکے تھے۔ اور عہد فاروقی اور عثمانی میں تو اسلام کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ اعراب لگانے کا سبب اور داعیہ عہد نبوی اور دورِ خلافتِ راشدہ دونوں میں موجود تھا اور مانع کوئی نہیں تھا اس کے باوجود قرآن پر اعراب نہ لگائے گئے۔ پس حجاج بن یوسف کا یہ احداث فی الاسلام بدعت سیئہ قبیحہ قرار پایا۔ حجاج کا تو جو حشر ہو گا سو ہو گا۔ اس بدعت قبیحہ پر جن صحابہ اور ائمہ دین نے ثنائیہ کی انہیں آپ کس کھاتے میں رکھیں گے۔ نیز آپ کے حکمی دادا شاہ عبدالعزیز صاحب فتاوٰی عزیزی صـ۳۸ ج ا پر عرس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ہیئت اجتماعیہ مردان کثیر جمع شوند وختم کلام اللہ کنند فاتحہ بر شیرینی یا طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضران نمائید ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا وخلفائے راشدین نبود

ہیئت اجتماعیہ سے کثیر لوگ جمع ہوں ختم قرآن کریں اور فاتحہ طعام اور شیرینی پر پڑھیں اور اسے حاضرین میں تقسیم کریں، یہ صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد میں معمول نہ تھی۔

اگر ایں طور بکند باک نیست۔ زیرا کہ لیکن اسکے کرنے میں کوئی حرج نہیں
دریں قسم قبح نیست کیونکہ اس میں کوئی قبح نہیں۔

بقول آپ کے عرس کا داعیہ عہد رسالت میں موجود تھا۔ اور مانع کوئی نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی اس ہیئت کذائیہ سے نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرس نہ کیا نہ خلفائے راشدین نے اور شاہ صاحب کو بھی یہ تسلیم ہے کہ یہ صورت خیر القرون میں معمول نہ تھی۔ اس کے باوجود آپ اس صورت کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ اور آپ کے شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قبح نہیں اب بتلائیے کہ آپ سچے ہیں یا شاہ عبد العزیز صاحب۔

پس اب اس کے سوا اور کوئی مفر نہیں کہ آپنے جو بدعت سیئہ قبیحہ کا معیار مقرر کیا ہے۔ وہ باطل اور مردود ہے۔ اصل میں بدعت سیئہ ہر وہ نیا امر ہے۔ جو مزاج اسلام کے خلاف اور اس کا مغیر ہو جس کا منشا کتاب و سنت میں موجود نہ ہو۔ اور اس کو دین میں داخل کر دیا جائے (محصلہ شامی ص ۳۹۳ ج ۱) اور جو شخص بھی کسی ایسی بدعت سیئہ کا ارتکاب کرے۔ وہ بندہ ہوا بدعتی ضال اور مضل ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ صحابہ کرام تابعین عظام اور ائمہ دین نے جن امور کا احداث کیا۔ ان سب کی اصل کتاب و سنت سے ثابت ہے اور وہ منشا اسلام کے مطابق ہیں۔ ان پر بدعت سیئہ قبیحہ کی تعریف کسی طور پر سچی نہیں آتی۔ بدعت سیئہ کیا ہے۔ سنیئے۔ حیات انبیاء کے انکار کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ امکان کذب کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ عطائی علم غیب کے انکار کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ علم الٰہی کو حادث ماننا (کمافی بلغۃ الحیران الحسین علی) بدعت سیئہ ہے انبیاء کی شان میں تنقیصی اور توہینی کلمات کو صحیح کہنا بدعت سیئہ ہے۔ الغرض مجموعی طور پر پورا کارخانہ دیو بدعت سیئہ ہے۔ کاش آپنے

بریلی کے کسی طالبعلم ہی سے پڑھ لیا ہوتا تو یہ رسوا ئیاں آپ کا مقدر نہ بنتیں۔ اور ابراہیم حنفی کی عبارت ہمارے نزدیک ان امور پر محمول ہے جن کا منشا شریعت میں ثابت نہ ہو۔ اور بیشک جس کا منشا شریعت میں موجود نہ ہو اور مالیس منہ کا مصداق ہو۔ وہ مردود ہے۔ اور جس کا داعیہ عہد رسالت میں موجود ہو اور مانع کوئی نہ ہو اور پھر بھی حضور اس کو نہ کریں۔ یہ اسی وقت مردود ہوگا۔ جب اس کا منشا اسلام میں موجود نہ ہو۔ اور وہ مزاج اسلام کے خلاف ہو۔ اور یہی بدعت سیئہ ہے۔ بخلاف اہل سنت کے معمولات کے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا منشاء اسلام میں موجود ہے۔

بدعت حسنہ کا استنباط

راہ سنت ص ۹۷ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ " باقی غیر مجتہد کا اجتہاد خصوصاً اس زمانہ میں ہرگز کسی بدعت کو حسنہ قرار نہیں دیتا۔"

الجواب - مجتہد سے کیا مراد ہے۔ مجتہد فی الشرع جس کا کام اصول کلیہ وضع کرنا ہے یا مطلقاً خواہ کسی درجہ کا مجتہد ہو۔ اگر شق اول مراد ہے کہ مجتہد فی الشرع کا غیر کوئی بھی کسی ضرورت کے پیش نظر کسی اصل سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا۔ تو یہ بداہتہ باطل ہے۔ کیونکہ ہر نماز میں تثویب کو متاخرین فقہا نے مستحسن قرار دیا اور ان میں سے کوئی بھی مجتہد فی الشرع نہیں ہے۔

نیز ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں۔ کہ موجودہ زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ انہیں حل کرنے کے لئے اس زمانہ میں کونسا مجتہد ہے مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز۔ ریڈیو اور ٹیلیفون پر چاند کی خبر سینما اور ٹیلی ویژن وغیرہ کا جواز اور عدم جواز اور ایسے صدہا مسائل جن کے بارے میں صریح نصوص موجود نہیں ہیں۔ بتلائیے آپ اور آپ کی جماعت کے جغادری علماء انہیں حل کرتے ہیں یا نہیں اور سب کو چھوڑیئے۔ آپ کے قطب عالم نے جو کوا کھانے کو کار ثواب

اور ہولی دیوالی کی پوریوں کو جائز قرار دیا ہے۔ اس پر کونسی صحیح اور صریح نص موجود ہے۔ اور بغیر کسی نص صریح کے جو آپ کے پیشوا نے یہ اجتہاد کیا ہے اس کو کس کھاتے میں رکھئے گا۔

نیز آپ جو اپنے فاسد اجتہاد سے خدا رسول کے بے شمار حلال کردہ امور کو دن رات حرام کرتے ہیں۔ وہ کونسے شرعی اجتہاد سے انجام دیتے ہیں۔

سرفراز صاحب نے "راہ سنت" میں بدعت کی بحث میں دیوبندی نظریے کو جو سہارا دینے کی کوشش کی تھی۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے اسے پیوند زمین کر دیا ہے اور اگر سرفراز صاحب اس مردہ کو پھر اکھیڑنا چاہیں تو بصد شوق! وہ انشاء اللہ ہمیں اپنے تعاقب میں کمربستہ پائیں گے۔

نور و بشر

ومن الناس من یقول کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل تحریر فرماتے ہیں کہ "من الناس" فرمانے میں لطیف رمز یہ ہے کہ یہ گروہ بہتر صفات وکمالات سے ایسا عاری ہے کہ اس کا ذکر وصف خوبی کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ یوں کہا جاتا ہے۔ کہ یہ بھی آدمی ہیں۔

مسئلہ - اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل وکمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء علیہم السلام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ اور در حقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے"۔

اس پر مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ تنقید متین ۶۵ -

تنقیل " نہ تو یہاں لفظ بشر ہے۔ اور نہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے بلکہ اس مقام پر (من الناس) کا لفظ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں منافقین کی تردید کی ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مولوی نعیم الدین مراد آبادی صاحب نے بزور اپنا گندہ عقیدہ یہاں ٹھونسنے کی لاحاصل کوشش کی ہے اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے۔ قرآن وسنت۔ اجماع امت کے مسلمہ اصول اور عقائد اسلام کے سراسر خلاف کہا ہے (اولاً) اسلئے کہ بشر و انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا ابلیس لعین کا کام ہے۔ نہ کہ کسی مسلمان کا۔ معصوم فرشتوں نے بھی بحکم خداوندی بشر کو سجدہ کرکے اسکی خداداد برتری۔ فوقیت اور فضیلت کا اقرار کیا ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو فرشتوں سے فرمایا کہ

میں بجنے والی مٹی اور سڑے ہوئے گارے سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو بنا چکوں اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا۔ فرشتوں نے بلا قیل و قال تعمیل حکم میں سجدہ کیا۔ مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔"

مسئلہ بشریت

علماء اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے جنس بشر اور نوع انسان سے مبعوث ہونے کا کب انکار کیا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی بشریت بے شمار فضائل و کمالات کی حامل ہوتی ہے۔ اور چونکہ کتاب و سنت سے نبی علیہ السلام کی نورانیت بھی ثابت ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک نبی علیہ السلام بشریت اور نورانیت دونوں کے علیٰ وجہ الکمال جامع ہیں اور اس اجتماع میں کوئی منافات نہیں ہے۔ بلکہ کتاب و سنت میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ البتہ نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہی صدرالافاضل کا مطلب ہے۔ جس کی انہوں نے خود اپنی تفسیر میں جگہ جگہ تصریح فرمائی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔ سورۂ کہف کے اخیر میں قل انما انا بشر مثلکم کی تفسیر میں حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"بہر حال آپ کی ذات و کمالات میں آپ کا کوئی بھی مثل نہیں۔ اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار اور تواضع کیلئے حکم فرمایا گیا یہی فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (خازن) مسئلہ۔ کسی کو جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہے کیونکہ جو کلمات اصحاب عزت و عظمت بطریق تواضع فرماتے ہیں انکا کہنا دوسرو کیلئے روا نہیں ہوتا۔ دوم یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فضائل جلیلہ و مراتب رفیعہ عطا فرمائے ہوں۔ اس کے ان فضائل و مراتب ....

کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام میں ذکر کرنا جو ہر کہہ و مہ میں پایا جائے۔ ان کمالات کے نہ ماننے کا مشعر ہے۔ سوئم یہ کہ قرآن کریم میں جا بجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیاء کو اپنی مثل بشر کہتے تھے اور اسی سے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔

سورہ حٰم سجدہ میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں (فائدہ) سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر انا بشر مثلکم فرمانا حکمت ہدایت وارشاد کیلئے بطریق تواضع ہے۔ اور جو کلمات تواضع کیلئے کہیں جائیں۔ وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتی ہے۔ چھوٹوں کا ان کلمات کو اسکی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈھنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی امت کو روا نہیں۔ کہ وہ حضور علیہ السلام سے مماثل ہونے کا دعوی کرے۔ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ کہ آپ کی بشریت سب سے اعلیٰ ہے۔ ہماری بشریت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔"

صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ کے اس کلام سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔ (۱) بشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق ہے (۲) کمالات کے اعتبار سے آپ کی بشریت میں کوئی آپ کا مثل نہیں ہے (۳) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور کو اپنی مثل بشر کہے (۴) انبیاء کو اپنی مثل بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا طریقہ رہا ہے۔ پس یہ ثابت ہوا کہ ومن الناس من یقول کے تحت جو صدر الافاضل نے فرمایا ہے کہ "اسلئے قرآن پاک میں جا بجا انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے" اس کلام میں بھی بشر[۱]

[۱] ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ صدر الافاضل نے یہاں صراحۃً بیان کیوں نہیں کیا کہ اپنی مثل بشر کہنا کفار کا دستور ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں اختصار کے پیش نظر اجمالی کلام کیا گیا ہے اور جس جگہ اس موضوع پر بحث ہے۔ وہاں اس تفصیل کو پیش کر دیا ہے۔ فافھموا واستقم۔

کہنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو انبیاء کرام کو اپنی مثل بشر کہتے تھے۔ جیسا کہ خود صدر الافاضل نے دو جگہ تصریح فرمائی ہے۔ جس کو ہم نقل کر چکے ہیں۔ تیسری جگہ ص ۳۲۳ پر صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "اس امت میں بہت سے بدنصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہتے ہیں اور ہمسری کا خیال فاسد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی سے بچائے۔"

اس حوالہ سے بھی یہ ثابت ہو گئی کہ صدر الافاضل نفس بشر کے تحقیق کو جائز رکھتے ہیں۔ البتہ ہم مثلی کے عقیدہ کو فاسد قرار دیتے ہیں۔ اصل تفسیر میں یونہی مرقوم تھا۔ ہمارے پاس مراد آباد کا قدیم مطبوعہ نسخہ موجود ہے۔ جس میں یہ عبارت اسی طرح ہے بعد میں جب تاج کمپنی سے یہ شائع ہوا تو بعض بددیانت سرفرازیوں نے اس میں اس طرح تحریف کر دی ہے۔

"اس امت میں بھی بہت سے بدنصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کے منکر ہیں۔"

یہود کے جان نشینوں نے تاج کمپنی کے عملہ میں شامل ہو کر جس طرح صدر الافاضل کی تفسیر میں تحریف کی، اس کی تفصیلات اخبارات میں آ چکی ہیں۔ تاج کمپنی کا معذرت نامہ بھی چھپ چکا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی حقیقت نہ جانی جا سکے۔ ہمارے پاس قدیم نسخہ موجود ہے۔ جس سے مقابلہ کر کے اصل حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے۔

بہر حال صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت اس مقصد پر نص ناطق ہے کہ بدنصیبی اور گمراہی۔ بشر کہنا اور ہمسری کا خیال فاسد رکھنا ہے۔ لیکن سرفراز صاحب کی دیانتداری ملاحظہ فرمائیے۔ کہ وہ اس عبارت پر تبصرہ کرتے وقت لفظ ہم مثلی کے خیال کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے۔ حالانکہ مرکزی نقطہ یہی ہے۔ جیسا کہ ہم

مراراً کثیرہ بیان کر چکے ہیں۔ مولوی سرفراز صاحب کی دیانتداری اور دین وایمان کی روشن ضمیری دیکھئے جس نے ان کو اس غاصبانہ تبصرہ پر آمادہ کیا۔

تنقید ص ۹۲ پر لکھتے ہیں۔

"کرم فرما مصحح کی عبارت کے پیش نظر حضرت صحابہ سے لیکر بشمولیت فقہاء عظام وصوفیاء کرام اور خود خانصاحب بریلوی اور ان کے ہم مشرب لوگ بھی بدنصیب قرار پاتے ہیں ..... جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں۔"

مولوی صاحب تحریف کے میدان میں آپ یہود کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نبی علیہ السلام کی بشریت کی ہمسری کے خیال کو بدنصیبی اور گمراہی فرما رہے ہیں اور آپ نے لفظ ہم سری کے خیال کو حذف کر کے نفس بشریت کے اعتقاد کو بدنصیبی بنا ڈالا۔ اور یہ دیوبند کی بازیگری کا ایک ادنٰے کرتب ہے۔ جس سے کام لے کر وہ ہمیشہ اہل حق پر تبرا کرتے رہے۔

۴ جب بشریت کو ثابت کرنا چاہا تو انہوں نے اپنی کتاب میں اعلیٰ حضرت اور صدر الافاضل کی کتابوں سے حوالے دے کر یہ بھی ثابت کر لیا ہے کہ اعلیٰ حضرت اور صدر الافاضل نبی کی بشریت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جب صدر الافاضل پر سب وشتم کا شوق چرایا تو یہ بات گھڑ لی کہ مولوی نعیم الدین نبی کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ کیا آپ نے اپنے قارئین کو بالکل ہی بیوقوف اور گھامڑ سمجھ لیا تھا کہ آپ انہیں فریب پر فریب دیتے رہیں گے۔ اور انہیں حقیقت سے آشنائی نہ ہو سکے گی۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتیں نقل کر کے ہم نے بحمد اللہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک نبی علیہ السلام میں بشریت متحقق ہے اور آپ کا

ہمسر اور ہم مثل کوئی نہیں ہے۔ اور نبی کو اپنے جیسا بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا دستور رہا ہے۔ اور گکھڑ کے محرف نے اپنی تنقید میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مولوی نعیم الدین نبی علیہ السلام کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ اور بشر کہنا کفار کا دستور بتاتے ہیں۔ اور پھر علماء اسلاف کی عبارتیں یہ ثابت کرنے کیلئے پیش کیں کہ آپ میں بشریت متحقق ہے۔ گذارش یہ ہے کہ اگر اس تصنیف سے آپ کا مقصد محض بھرتی کرنا تھا تو وہ تو ماشاء اللہ چشم بد دور خوب پورا ہو گیا۔ اور اگر مقصد صدر الافاضل کا رد کرنا تھا۔ تو وہ معاف کیجئے۔ آپ کو حاصل نہ ہو سکا۔ کیونکہ صدر الافاضل نے نفس بشریت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ وہ آپ کی ہمسری کا انکار کرتے ہیں اور محض بشر کہنے کو نہیں۔ بلکہ اپنا ہم مثل بشر کہنے کو کفار کا دستور قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ میں جرأت تھی تو اس امر کی تردید کیلئے قلم اُٹھاتے مگر یہ آپ سے نہ ہو سکا۔ آئیے اب ہم اس امر پر قرآن کریم کے حوالے پیش کرتے ہیں کہ اپنے جیسا بشر کہنا۔ یہ واقعی کفار ہی کا دستور تھا۔

ملاحظہ فرمائیے۔ سورۂ ہود میں ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی۔

فقال الملأ الذین کفروا من قومه ما نراك الا بشرا مثلنا۔	پس نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تمکو اپنا ہم مثل بشر ہی سمجھتے ہیں۔

سورۂ مؤمنون میں دوسرے رکوع کی دوسری آیت میں ارشاد ہے۔

فقال الملأ الذین کفروا من قومه ما ھذا الا بشر مثلکم	پس حضرت نوح کی قوم کے اکابر کفار نے کہا نہیں ہے یہ مگر تم جیسا بشر۔

اسی سورت کے تیسرے رکوع میں ہود یا صالح علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دی۔

وقال الملاء من قومه الذين کفروا وکذبوا بلقاء الاخرۃ و اترفناھم فی الحیواۃ الدنیا ماھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منه ویشرب مما تشربون ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخاسرون۔

اور ان کی قوم کے صنادید کفار جو لقاء آخرت کے مکذب تھے۔ اللہ جنہیں ہم نے دنیا کی آسائش دی تھی۔ وہ کہنے لگے نہیں ہے۔ یہ مگر بشر تمہارا ہمسر جو تم کھاتے ہو وہ کھاتا ہے۔ اور جو تم پیتے ہو وہ پیتا ہے۔ اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گے

اس رکوع کے آخر میں ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور ہارون علیہ السّلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کیطرف بھیجا۔

الیٰ فرعون وملائه فاستکبروا وکانوا قوما عالین فقالوا انؤمن لبشرین مثلنا۔

طرف فرعون اور اس سرداروں کے پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ قوم تھی ہی متکبر پس کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں۔

سورۂ یٰس میں ہے

اذ ارسلنا الیھم اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث فقالوا انا الیکم مرسلون قالوا ما انتم الا بشر مثلنا۔

اور جب ہم نے اصحاب قریہ کی طرف دو رسولوں کو بھیجا پس انہوں نے انکی تکذیب کی۔ پھر تیسرے رسول نے تائید کی پس تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف رسول ہیں پس کہنے لگے نہیں ہو تم مگر بشر ہم جیسے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات سے ہم نے بحمد اللہ یہ امر واضح کر دیا ہے کہ انبیاءؑ کو اپنے جیسا بشر کہنا یہ کفار ہی کا دستور ہے۔ مولوی سرفراز صاحب میں اگر ہمت ہے تو وہ قرآن کریم کی کسی ایک ہی آیت سے ثابت کر دیں۔ کہ

انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا مومنوں کا دستور ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ آیت بالکل صاف اور صریح ہو۔ کوئی ہیر پھیر اور جیبھونی چکر نہ ہو۔ مولوی سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کی تفسیر پر تنقید کرتے ہوئے ص۶۶ پر کہا کہ "اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے۔ قرآن و حدیث اجماع امت کے مسلمہ اصول اور عقائدِ اسلام کے سراسر خلاف ہے"

ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ صدر الافاضل کا نبی علیہ السلام میں بشریت کو متحقق اور جمیع عوارض میں اسے غیر مماثل ماننا قرآن و حدیث اجماع امت کے مسلمہ اصول اور عقائدِ اسلام کے عین مطابق ہے۔ بلکہ خود اکابر دیوبند کو بھی اس حقیقت کا اقرار ہے۔ مولوی خلیل احمد امبیٹھوی براہین قاطعہ میں ص۷ پر لکھتے ہیں۔

"پس کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخرِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفسِ بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں"

بشریت محضہ اور بشریت بحیثیت نبوت کا فرق

آگے چل کر مولوی سرفراز صاحب اسی صفحہ پر لکھتے ہیں "اولاً۔ اسلئے کہ بشر و انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا ابلیس لعین کا کام ہے۔ نہ کہ کسی مسلمان کا۔ معصوم فرشتوں نے بھی بحکمِ خداوندی بشر کو سجدہ کر کے اس کی خداداد برتری فوقیت اور فضلیت کا اقرار کیا"

حقیقت یہ ہے کہ دروغ گوئی ابلیس لعین کا کام ہے۔ صدر الافاضل نے اپنی پوری تفسیر میں کہیں بشر و انسان کو حقیر اور ذلیل نہیں کہا۔ پس ہم سوائے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ باقی مولوی سرفراز صاحب

کا یہ مغالطہ دینا کہ فرشتوں نے سجدہ کر کے اس کی فضیلت کا اعتراف کیا دلائل کی روشنی میں کوئی وقعت نہیں رکھتا فرشتوں نے بشر کو سجدہ کیا تھا لیکن بشر کو بحیثیت بشر کے سجدہ نہیں کیا۔ بلکہ بشر کو بحیثیت نبی و خلیفۃ الارض سجدہ کیا غور کیجئے کہ اگر نفس بشریت میں کوئی ایسی اہم فضیلت ہوتی تو آدم علیہ السلام کو صورت بشری میں پیدا کرتے ہی سجدہ کا حکم دے دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ پہلے آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت اور برتری منوائی گئی اسکے بعد فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا پس ثابت ہوا کہ آدم کی فضیلت اور برتری کا سبب محض بشریت نہ تھی۔ بلکہ وہ انکی جلالت علمی اور خلافت و نبوت تھی جس نے فرشتوں کی گردنوں کو سجدہ ریز کر دیا۔ اور اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ نفس بشریت ہی ملائکہ پر برتری کا سبب ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ نفس بشریت تو ابوجہل اور ابو لہب میں بھی متحقق ہے۔ پھر کیا آپ کے عقیدہ میں وہ بھی جبرائیل حملۂ عرش اور دیگر ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور اگر ابوجہل اور دوسرے کفار فرشتوں سے افضل اور برتر نہیں اور یقیناً نہیں ہیں۔ تو پھر آپ کو ماننا پڑیگا۔ کہ فضیلت اور برتری کا منشا محض بشریت نہیں۔ بلکہ صفات نبویہ فاضلہ کاملہ ہیں۔ آدم علیہ السلام میں دو جہتیں تھیں۔ ایک نبوت اور خلافت کی اور ایک بشریت کی۔ فرشتوں کی نظر صفت نبوت پر پڑی۔ اور سجدہ میں گر گئے۔ ابلیس کی نظر بشریت پر پڑی اور اس نے سجدہ سے انکار کر دیا۔

قال لم اکن لاسجد لبشر خلقته — کہنے لگا میں اس بشر کو سجدہ کرنیوالا نہیں ہوں

من صلصال من حماٍ مسنون — جسکو تونے بجتی ہوئی مٹی اور گارے سے پیدا کیا۔

مبتدعین دیوبند دیدہ عبرت سے دیکھیں اور غور کریں۔ کہ ابلیس کے کفر کی بنیاد یہ تھی۔ کہ اس نے نبی کی بشریت کو ملحوظ رکھا اور کمالاتِ نبوت کو نہ دیکھا

آج بھی ابلیس لعین کے طریقہ کو اپنانے والے ہر جگہ ہر موقع پر نبی کی بشریت پیش کرتے ہیں۔ اور نبی کی باقی خصوصیات و کمالات کیلئے اپنی نگاہوں کے دریچے بند کر لیتے ہیں۔

آیئے اب امام رازی کی نگاہ سے دیکھیئے۔ کہ فرشتوں نے کس کو سجدہ کیا تھا

الرابع ان الملائکۃ امروا بالسجود لادم لاجل ان نور محمد علیہ السلام فی جبھۃ ادم (تفسیر کبیر ص ۲۰۲ ج ۲)	فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا اس لئے حکم دیا گیا تھا کہ نورِ محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم آدم کی پیشانی میں تھا۔

اور اب یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو کر سامنے آ گئی۔ کہ جن کی نظر نبی کے نور پر تھی۔ وہ سجدہ میں گر گئے۔ اور قرب خداوندی حاصل کر لیا۔ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی۔ وہ تکبر کر کے ابلیس لعین ہُوا۔ اور ابدی لعنت کا طوق پہن لیا۔ سابقہ حوالوں سے ناظرین پر یہ امر واضح ہو چکا ہو گا۔ کہ نبی علیہ السلام کی بشریت کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا نبی علیہ السلام کی بشریت کو اپنی بشریت پر قیاس کر کے یوں کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہم جیسے بشر تھے۔ پس علماءِ اہلِ سنت کا مسلک یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

مبتدعین دیوبند کے روح رواں مولوی اسماعیل دہلوی نے نبی علیہ السلام کی بشریت کو عام بشریت پر قیاس کر کے پیغمبر اسلام کی شان میں انتہائی ناشائستہ کلمات استعمال کئے اور آپ کی تنقیص کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا حقیقت یہ ہے کہ مبتدعین دیوبند تنقیص رسالت کیلئے آپ کی بشریت کو بنیاد بناتے ہیں۔ اور پھر اس بنیاد پر وہ اپنی اہواءِ باطلہ کا محل تعمیر کرتے ہیں۔ جہاں تک بشریت کا تعلق ہے۔ ہم اکابر اہلِ سنت کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ

یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے اور مولوی سرفراز صاحب کا نفس بشریت کو نزاعی مسئلہ بناکر اس پر حوالے پیش کرنا محض مغالطہ آفرینی ہے۔ البتہ بشریت کی بنا پر مبتدعین دیوبند اس پر اپنی ہوائے نفسانی سے تنقیص رسالت کا جو قلعہ تعمیر کرتے ہیں۔ اسے ماننے سے ہم کو پہلے بھی انکار تھا۔ ۔ ۔ آج بھی انکار ہے۔ اور انشاء اللہ ہمیشہ انکار رہے گا۔ اب ہم آپ کے سامنے ذریت دیوبند کے معنوی جد امجد مولوی اسماعیل دہلوی کی بدنام زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" سے چند حوالے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین پر واضح ہو جائے کہ ہر جگہ اور ہر موقعہ پر نبی علیہ السلام کی بشریت پیش کرنے سے اہل دیوبند کا اصل مدعا کیا ہے۔

تقویۃ الایمان ص۴۲ پر مشکوٰۃ شریف سے ایک حدیث نقل کی جس میں نبی علیہ السلام نے تواضعاً چند کلمات فرمائے ہیں۔ اس کے بعد ف سے فائدہ کا عنوان قائم کرکے مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

ف: "یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو۔ سو اس میں بھی اختصار ہی کرو"

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ نبی علیہ السلام کے بارے میں تو ان کا یہ فتویٰ ہے۔ کہ بشر کی سی تعریف میں بھی کمی کرو! اور اپنے مولویوں کی شان میں اس طرح رطب اللسان ہیں۔

تری تربت کو دے کر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی
مرثیہ گنگوہی ص۱۲

تقویۃ الایمان ص۴۴ پر ہے: "جیساکہ ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار سو ان معنوں کر ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے"

نبی علیہ السلام کی تنقیص کی یہ ایک انتہائی خطرناک کوشش ہے ہمیں کوئی

بچھائے۔ کیا گاؤں کے چودھری اور زمیندار کی اطاعت گاؤں والوں پر فرض ہوتی ہے کیا چودھری کو نہ ماننے سے گاؤں والے کافر ہو جاتے ہیں۔ پھر اس لغو تشبیہ سے کیا حاصل ؟ ۔ صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں۔

"یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں۔ سو بیان کر دو کہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں ہے" ۔۔۔ یہ ٹھیک ہے رسالت سے بڑھ کر بشر کا کوئی مرتبہ نہیں۔ مگر حضور کو صرف رسول کہہ دینے سے آپ کے تمام کمالات کس طرح آجاتے ہیں۔ رسول تو تین سو تیرہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض (بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت ہے) بتلایئے قرآن کریم میں آپ کی مدح میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا صرف وصف رسالت بیان کیا ہے۔ اور

ورفع بعضھم درجات علمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما مازاغ البصر وما طغیٰ انک لعلیٰ خلق عظیم ما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین قرآن کریم کی بے شمار آیات اور احادیث کا وافر ذخیرہ کس کی فضیلت میں وارد ہے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسان کو منبر پر بٹھا کر ان سے صرف رسول کی گردان سنا کرتے تھے۔ بتلایئے بھلا آپ کو حضور کی اس تنقیص اور فضائل کی قطع برید سے کیا حاصل ہوا؟ صفحہ ۲۲ پر لکھتے ہیں۔

یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔ الی ان قال اولیاء انبیاء امام و امام زادہ پیر و شہید یعنے جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی ہیں مگر ان کو اللہ بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔

صفحہ ۴۲ پر نبی علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"یعنی میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں"

صفحہ ۴۰ پر لکھتے ہیں۔

"اور جس کا نام محمد یا علی ہے۔ وہ کسی چیز کا مختار نہیں"

صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں۔

"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے"

قارئین کرام آپ ان عبارتوں کو پڑھیئے اور سوچئے کہ نبی علیہ السلام کے فضائل اور کمالات کو مٹانا کن لوگوں کا شعار ہے۔ اور کیا نبی علیہ السلام کی بشریت اسی لئے دن رات پیش کی جاتی ہے کہ یہ مذکورہ بالا بکواس آپ کی شان میں کی جائے اور آپ کے تمام فضائل کا انکار کر دیا جائے۔

نبی علیہ السلام کی نورانیت

نبی علیہ السلام کی بشریت پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اب ہم مصباح کلام کو آپ کی نورانیت سے روشن کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین۔ تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین۔

قرآن کریم کی اس دلیل پر مولوی سرفراز صاحب کا ارشاد ہے کہنے والے کہتے ہیں۔ کہ اس میں لفظ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔ اور چونکہ واؤ عطف سے کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور معطوف و معطوف علیہ متغائر ہوتے ہیں۔ لہذا نور الگ شے ہے اور کتاب جدا۔

الجواب۔ اس میں لفظ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے۔ اور عطف محض تفسیری ہے۔" (تنقید متین ص ۱۰۵)۔

آیئے اب ہم آپ کو بتلائیں کہ یہ کہنے والے کون ہیں۔ کہ نور سے مراد نبی علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

وفیہ اقوال (الاول) ان المراد بالنور محمد وبالکتاب القرآن۔ (والثانی) ان المراد بالنور الاسلام وبالکتاب القرآن (الثالث) النور والکتاب ھو القرآن وھذا ضعیف لان العطف یوجب المغایرۃ

اور اس آیت میں کئی اقوال ہیں۔ پہلا یہ کہ بیشک نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے قرآن کریم۔ دوسرا یہ کہ نور سے اسلام مراد ہے اور کتاب سے قرآن۔ تیسرا یہ کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہے اور یہ کمزور بات ہے کیونکہ عطف تغائر کو چاہتا ہے۔

اب غالباً مولوی سرفراز صاحب کو پتہ چل گیا ہوگا۔ کہ جس قول پر انہوں نے اپنے عقیدہ کی عمارت کھڑی کی ہے۔ وہ تیسرے درجہ کا قول ہے جس کو امام رازی نہایت کمزور قرار دیتے ہیں۔ ملا علی قاری حنفی اسی آیت کے تحت شرح شفا ص ۱۱۴ جلد ۱ پر فرماتے ہیں۔

(قد جاءکم من اللہ نور) ای نظھور الحق واظھار الباطل واطلق علیہ الصلوٰۃ والسلام لانہ یھتدی بہ من الظلمات الی النور (کتاب مبین) بین الاعجاز وبین الاحکام وھذا اشاھد للمدعی الاول وبیانہ ان الاصل فی العطف المغایرۃ۔

(تحقیق آیا اللہ کی طرف سے نور) یعنی حق کے ظہور اور باطل کو ملیامیٹ کرنے کیلئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق اس لئے کیا گیا کہ آپ سے ظلمات میں نور کی طرف ہدایت حاصل کی جاتی ہے (اور کتاب مبین) جس کا اعجاز ظاہر ہے اور وہ احکام بیان کرنے والی ہے اور یہ پہلے مطلوب دلیل ہے جس کا بیان یہ ہے کہ اصل عطف میں مغائرۃ ہے۔

باقی رہا مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا۔ کہ واو کا عطف تفسیری ہے اس

کا ایک جواب تو یہ ہے۔ کہ واؤ عاطفہ میں اصل مغایرت ہے اور عطف تفسیر مجاز ہے۔ اور کاش کہ آپ نے اصول الشاشی پڑھی ہوتی۔ تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اصل الفاظ میں حقیقت ہے۔ تاوقتیکہ تعذر عقلی یا شرعی لازم آئے۔ پس آپ کا بغیر تعذر کے واؤ کو عطف تفسیری پر محمول کرنا علم سے تہی دستی کے سوا اور کیا ہے اور اسی عطف تفسیری کا دوسرا جواب ملا علی قاری حنفی کی زبان سے ملاحظہ فرمائیے۔ شرح شفا میں اسی مقام پر ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقد حاول بعض المفسرین	اور تحقیق بعض مفسرین نے یہ ارادہ کیا
بانه من باب الجمع بین الوصفین	کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن
باعتبار تغایرهما اللفظی وان المراد	کریم ہے۔ اور عطف میں تغایر لفظی لحاظ وصفی
بهما القرآن وقد یقال لا مقابلهم	کے ہے۔ اور بلا خوف وخطر کے مقابلہ میں
وای مانع من ان یجعل النعتان	یہ بات کہی جائے گی کہ جب نور اور کتاب
للرسول صلی الله علیه وسلم فانه	دونوں سے مراد قرآن کریم لیا جا سکتا ہے،
نور عظیم لکمال ظهوره بین الانوار	تو اس سے کیا چیز مانع ہے کہ نور اور کتاب مبین
وکتاب مبین من حیث انه	دونوں سے رسول اللہ کی ذات کریم مراد لی جائے
جامع لجمیع الاسرار ومظهر	بایں طور کہ نور اور کتاب مبین ہونا دونوں
للاحکام والاحوال والاخبار	آپکی صفات میں سے ہوں، کیونکہ آپ نور

اس لحاظ سے ہیں کہ انوار میں کامل ظہور رکھتے ہیں۔ اور کتاب مبین اس اعتبار سے ہیں کہ آپ جمیع اسرار الٰہیہ کے جامع احکام شریعہ کے مبین اور اخبار و حالات کے بتلانے والے ہیں۔

اسی طرح علامہ آلوسی پارہ ۶ صفحہ ۷۰ پر اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

ولا یبعد ان یراد بالنور والکتاب	اور بعید نہیں کہ نور اور کتاب

المبین النبی صلی اللہ علیہ وسلم والعطف علیہ کالعطف علی ما قالہ الجبائی ولا شک فی صحۃ اطلاق کل علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

مبین دونوں سے نبی علیہ السلام کی ذات مقدسہ مراد ہو۔ اگر عطف کو جبائی کی طرح عطف تفسیری پر محمول کیا جائے اور بلاریب نبی علیہ السلام پر نور اور کتاب مبین دونوں کا اطلاق صحیح ہے۔

آپ نے غور فرمایا۔ مداح نبی ملا علی قاری حنفی اور علامہ آلوسی حنفی تو مدحت رسول اور عظمت نبی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد آپ کی ذات ہے اور رفعت نبی اور عظمت رسالت کے منکر کہتے ہیں۔ کہ دونوں تو کجا ایک سے بھی مراد آپکی ذات نہیں ہے۔ مولوی سرفراز صاحب نے ذکر رسول کو قطع کرنے کیلئے جس طرح مفراض دیوبند کو استعمال کیا ہے۔ اس نے ان کی فطرت کے نقوش کو خوب اُبھار کر عوام کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اب عوام کو غور کرنے کا موقع ملے گا کہ دیوبند کے اسلام اور عشق نبی کے نعروں میں کتنی اصلیت ہے۔ کیا یہ حقیقت اب واضح نہیں ہو گئی ہے۔ کہ دیوبندی نصاب اپنے فضلاء کے سینوں میں کوٹ کوٹ کر بغض رسالت کی چنگاریاں بھر دیتا ہے۔ جس کا ایک اندازہ دیوبند کے اس فاضل کی تحریر سے کیا جا سکتا ہے۔

ملا علی قاری حنفی کے بعد سید محمود آلوسی حنفی کا کلام ملاحظہ فرمایئے روح المعانی میں فرماتے ہیں۔

(قد جاءکم من اللہ نور) عظیم وھو نور الانوار والنبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم والی ھذا ذھب قتادہ

تحقیق آیا اللہ کی طرف سے نور عظیم اور وہ تمام نوروں کا نور ہے اور نبی مختار ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی طرف قتادہ گئے ہیں

واختارہ الزجاج۔ اور اسی کو زجاج نے اختیار کیا۔

علامہ آلوسی کے اس کلام سے مستفاد ہوا کہ حضور تمام انوار کی اصل ہیں اور یہ عبارت مبتدعین دیوبند کے اس فاسد عقیدہ پر ضرب کاری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط ہدایت کے لحاظ سے نور ہیں۔ اور حسی نورانیت آپ کو نہیں ملی۔ حق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسی اور معنوی ہر قسم کی نورانیت کے جامع اور تمام انوار کے نور ہیں۔ اور مختلف اوقات میں آپ سے مختلف کے مقتضیات ظہور میں آئے۔ جب بشریت کا غلبہ ہوا تو بشری پائے گئے۔ اور جب نور معنوی یا حسی غالب ہوا تو اس کے مظاہر خلعت وجود سے ملبوس ہوئے۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے اپنی تفسیر جلالین میں فرمایا۔

(قد جاءکم من اللہ نور) ھو نور النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔ قد جاءکم من اللہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ذکر ہے۔

اس پر شیخ احمد صاوی مالکی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔

وسمی نورا لانہ ینور البصائر ویھدیھا للرشاد ولانہ اصل کل نور حسی و معنوی۔ آپکو نور اسلئے موسوم کیا گیا ہے کہ آپ بصائر کو منور کرتے ہیں اور انہیں استقامت کی ہدایت عطا فرماتے ہیں اور اسلئے کہ آپ ہر نور کی اصل ہیں خواہ حسی ہو یا معنوی۔

شیخ ابو سعود اس آیۃ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

قیل المراد بالاول ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبالثانی القرآن۔ کہا گیا ہے کہ اول یعنی نور سے مراد رسول کریم کی ذات اور ثانی یعنی کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے۔

حضور کی نورانیت پر سرفراز صاحب کے اعتراض کا جواب

مولوی سرفراز صاحب نے نور سے ذات نبی مراد نہ ہونے پر ایک دلیل قائم کی

ہے۔ لکھتے ہیں۔ اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا ذکر اسی آئت کے شروع میں مستقل ہو چکا ہے ص۱۰۵

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم — اے اہل کتاب تحقیق سے آیا تمہارے پاس ہمارا رسول ظاہر کرتا ہے تم پر۔ اور آخر میں

کتاب کا ذکر ہے جو روشن بھی ہے اور مبین بھی ص۱۰۵

اس بے سروپا شبہ کے جواب میں مفسرین کی عبارات لانے کی بجائے بہتر ہو گا کہ مبتدعین دیوبند کے حکیم علی الاطلاق مولوی اشرف علی تھانوی کا کلام پیش کیا جائے۔ رسالۃ النور ص۳۱ پر لکھتے ہیں:۔

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین یھدی بہ اللہ ایک تفسیر یہ ہے کہ نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور اس تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اوپر بھی قد جاءکم رسولنا فرمایا ہے۔ تو یہ قرینہ ہے اس پر کہ دونوں جگہ جاءکم کا فاعل ایک ہو۔

اب آپ غور فرمایئے کہ مولوی سرفراز صاحب کے نزدیک سباق میں قد جاءکم رسولنا کا ذکر نور سے حضور کی ذات مراد نہ ہونے پر قرینہ ہے اور ان کے حکیم الامت کے نزدیک سباق میں اسی قد جاءکم رسولنا کا ذکر نور سے آپ کی ذات مراد ہونے پر قرینہ ہے۔ اب کس کا بتلایا ہوا قرینہ صحیح ہے اور کس کا غلط یہ فیصلہ ہم مولوی سرفراز صاحب کے ذوق سلیم پر چھوڑتے ہیں۔ خواہ خود کو جاہل بنا کر تھانوی صاحب کی تصحیح کریں۔ یا اپنے کلام کو صحیح قرار دے کر امت دیوبند کے حکیم کو جہالت کی بھٹی میں جھونک دیں۔

حضور کی نورانیت پر سرفراز صاحب کا ایک اوّلے اعتراض اور اسکا جواب

نور سے حضور کی ذات اقدس مراد لینے پر مولوی سرفراز صاحب کا تیسرا

اعتراض یہ ہے کہ اگر نور سے آپ کی ذات گرامی اور کتاب مبین سے الگ چیز مراد ہوتی۔ تو ضمیر تثنیہ کی بہت مناسب تھی۔

قرآن کریم میں ایسی بے شمار نظیریں موجود ہیں جن میں امور متعددہ کی طرف ضمیر واحد کا علی سبیل البدیہتہ ارجاع کیا گیا ہو۔ لیکن بغض رسالت کا کیا علاج کہ مولوی سرفراز صاحب کو پورے قرآن میں صرف یہی ایک مقام کھٹکا ہے۔ بہر حال جواب حاضر ہے۔ علامہ ابو سعود آیت مذکورہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

توحید الضمیر المجرور لاتحاد المرجع بالذات او لکونہما فی حکم الواحد او ارید یھدی بما ذکرہ الخ	ضمیر مجرور کو واحد یا تو اس لئے لایا گیا ہے کہ انکا مرجع متحد بالذات ہے (کیونکہ احکام قرآنی کی جامع انسانی صورت اگر متصور ہو سکتی ہے

تو وہ آپ کی ذات مقدسہ ہے اور اگر آپ کی ذات وصفات کی اگر کوئی جامع عبارت حاصل ہو سکتی ہے۔ تو وہ قرآن کریم ہے)، یا اس لئے کہ دونوں کا حکم ایک ہے (کیونکہ دونوں واجب الاطاعت ہیں)، اور یا ضمیر دونوں کی طرف مذکورہ کی تاویل میں راجع ہے (اور یہی وہ جواب ہے جو اس قسم کے مواقع پر بالعموم مفسرین اور شارحین دیا کرتے ہیں)، شیخ ابو سعود کی طرح علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی نے انوار التنزیل میں علامہ اسمٰعیل حقی نے روح البیان میں اور دیگر اکابر علماء نے بھی اپنی تفاسیر میں اسی قسم کے جوابات دیئے ہیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ معاندین رسالت اپنے توہمات کے تیر برسا رہے ہیں۔ اور نبوت کے پروانے دلائل و براہین کی سپر بن کر ان کے مقابل آگئے۔

علاوہ ازیں اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ جب ضمیر واحد ہے تو مرجع بھی واحد ہونا چاہیئے۔ تو چلئے یہی سہی لیکن یہ کب ضروری ہے کہ اگر مرجع واحد ہو تو

نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہو۔ یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ دونوں سے مراد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو۔ اور یہی جواب ملا علی قاری نے شرح شفا میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں دیا ہے جسے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

منصف مزاج کیلئے یہ جاندار حوالے کافی ہیں اور جن کے دل ظلم و عدوان سے مردہ ہو چکے ہیں۔ ان کا ہم کوئی ذمہ نہیں لیتے۔ اب اس ضمن میں صاحب بیضاوی کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

(قد جاءکم من اللہ نور) ھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرید بالنور محمدا صلی اللہ علیہ وسلم۔

آیت مبارکہ میں نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ فرمایا ہے۔

تفسیر خازن میں ہے۔

(قد جاءکم من اللہ نور) یعنی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم انما سماہ اللہ نورا لانہ یھتدی بہ کما یھتدی بالنور فی الظلام

نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا ہے اور آپ کو نور سے موسوم کرنے کی اسکے سوا کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ آپ سے ہدائیت حاصل کی جاتی ہے جیسے نور سے اندھیروں میں ہدائیت حاصل ہوتی ہے۔

علامہ نسفی حنفی مدارک التنزیل میں زیر نظر آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

او النور محمد علیہ السلام لانہ یھتدی بہ کما سمی سراجا۔

یا نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ آپ کو قرآن کریم میں دوسری جگہ سراج سے موسوم کیا ہے۔

ان مختصر اور جاندار حوالوں کے بعد ہم اس آیت پر علامہ اسمٰعیل حقی کا

نورانی اور روح پرور کلام روح البیان سے نقل کرتے ہیں۔ لیجئے آپ بھی ملاحظہ کرکے اپنے قلوب اور ارواح کو منور فرمائیے۔

واعلم ان الله تعالیٰ بعث النبی صلی الله علیه وسلم نورا یبیّن حقیقة حظ الانسان من الله تعالیٰ وانهٗ تعالیٰ سمی نفسه نورا بقوله تعالیٰ الله نور السموات والارض لانهما کانا مخفیتین فی ظلمة العدم فالله تعالیٰ اظهرهما بالایجاد وسمی الرسول نورا لان اول شیٔ اظهره الحق بنور قدرته من ظلمة العدم کان نور محمد صلی الله علیه وسلم کما قال اول ما خلق الله نوری ثم خلق العالم بما فیه من نوره بعضه من بعض فلما ظهرت الموجودات من وجود نوره سمّاه نورا وکل ما کان اقرب الی الاختراع کان اولی باسم النور کما ان عالم الارواح اقرب الی اختراع من عالم الاجسام فلذالک سمی عالم الانوار والعلویات نورانیا بالنسبة

اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحیثیت نور مبعوث فرمایا۔ اور آپ نے انسان کا حصہ الٰہی بیان کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اپنے قول اللہ نور السموات والارض میں نور سے موسوم فرمایا کیونکہ ارض وسما ظلمت عدم میں مستور تھے پس اللہ تعالیٰ نے صفت ایجاد سے انہیں ظاہر فرمایا۔ اور نبی علیہ السلام کو نور فرمایا کیونکہ وہ پہلی مخلوق جسے اللہ تعالیٰ نے نور قدرت سے ظاہر فرمایا۔ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس طرح آپ نے خود فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے عالم کے بعض انوار کو بعض سے پیدا فرمایا پس جب آپ کے نور سے موجودات ظاہر ہوگئے تو آپ کا نام نور رکھا اور وہ ہر شے جو اقرب الی الایجاد ہو وہ اسم نور کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ عالم ارواح جیسا کہ ایجاد کے زیادہ قریب تھا تو اسی وجہ سے اسے عالم انوار کا نام دیا اور عالم علوی نورانی ہے بنسبت

الى السفليات فاقرب الموجودات
الى الاختراع لما كان نورا فالنبي صلى
الله عليه وسلم كان اولى باسم النور
ولهذا كان يقول انا من الله و
المؤمنون منى وقال تعالى قد جاءكم
من الله نور وروى عن النبي عليه
السلام انه قال كنت نورا بين يدى
ربى قبل خلق ادم باربعة عشر الف
عام وكان يسبح ذالك النور وتسبح
الملائكة بتسبيحه فلما خلق ادم
القى ذالك النور فى صلبه وعن
ابن عباس رضى الله عنهما عن
النبى صلى الله عليه وسلم انه قال
لما خلق الله ادم اهبطنى فى
صلبه الى الارض وجعلنى فى صلب
نوح فى السفينة وقذفنى فى صلب
ابراهيم ثم لم يزل تعالى ينقلنى من
الاصلاب الكريمة الى الارحام
الطاهرة حتى اخرجنى من ابوى
لم يلتقيا على سفاح قط۔

عالم سفلی کے پس نور نبی جبکہ تمام موجودات
کی نسبت ایجاد کے سب سے زیادہ قریب ہے
لہذا نور کا نام سب سے زیادہ آپ ہی کی ذات
مقدسہ کے مناسب ہے۔ اسی لئے آپ نے
فرمایا کہ میں اللہ کے نور کی (تجلی) سے پیدا ہوا۔
اور مومنین مجھ سے۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے بلا
ریب تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور آیا اور
نبی علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں اپنے رب کے پاس
بحیثیت نور آدم کی پیدائش سے چودہ ہزار برس
پہلے موجود تھا اور یہ نور اللہ کی حمد و ثنا کرتا تھا اور
فرشتے اس حمد سے تسبیح کیا کرتے تھے پس جب
آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہ نور انکی پشت میں
میں رکھا گیا اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ وہ
کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ
نے جب آدم کو پیدا کیا تو مجھے انکی پشت کے ضمن
میں زمین پر اتارا۔ پھر صلب نوح کے ضمن میں کشتی
میں اتارا اور ابراہیم کی پشت میں رکھا پھر اسی
طرح مجھے کریمانہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی
طرف نقل فرماتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے میرے
والدین کی طرف بھیجا۔ جو کبھی زنا پر اکٹھے
نہیں ہوئے۔

حضور کی نورانیت اکابر دیوبند کی نظر میں

مسئلہ نورانیت محمدی میں جمہور مفسرین کا کلام سپرد رقم کرنے کے بعد ہم اس موضوع پر ان ستونوں کی عبارت پیش کرتے ہیں جن کے کاندھوں پر عمارت دیوبند کا بوجھ ہے۔ اور ظاہر ہے ان عمائد کو گرانا دیوبند کو مسمار کرنے کے مترادف ہے۔ اب مولوی سرفراز صاحب یا تو علماء دیوبند کی پوجا چھوڑ دیں اور یا توبہ کر کے اہل سنت کے مسلک کو قبول کرلیں۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔ "امداد السلوک" ص۸۶ پر لکھتے ہیں۔

حقتعالیٰ در شان حبیب خود صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ آمدہ نزد شما از طرف حق تعالیٰ نور وکتاب مبین و مراد از نور ذات پاک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم است۔	حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے کہ آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین اور نور سے مراد حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی رسالہ النور ص۱۳ میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

"اب لیجئے کہ نور کی حقیقت ہے ظاہر بنفسہ مظہر لغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مظہر کے بہت مناسب ہے۔ کہ مراد نور سے آپ ہوں۔"

مولوی سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر میں اسی آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

"شاید نور سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے۔"

شاید کی یہ ہڈی ان کے گلے میں جا کر اس طرح پھنسی ہے نہ صاف اقرار کر سکتے ہیں اور نہ واضح انکار کی ہمت ہو سکی۔ عجیب مخمصے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مولوی

مشتاق احمد نے رسالہ التوسل میں لکھا۔ اور اسے مولوی محمود الحسن۔ مفتی کفایت اللہ مفتی محمد شفیع جیسے صنادید دیوبند کی تائیدات سے مزین کیا اس میں اسی آیت کے تحت ص۳ پر لکھتے ہیں۔

"نور سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔"

ہم نے آپ کے سامنے کھلی کتاب میں علماء دیوبند کی عبارات کو پیش کر دیا ہے کہ رؤسا دیوبند آیۃ مذکورہ میں نور سے رسول کریم کی ذات اقدس مراد لیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مولوی سرفراز صاحب کا قول بھی نقل کر دیا ہے کہ وہ نور سے رسول اللہ کے مراد ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ دونوں میں کون غلط اور گمراہ ہے۔ اس پر ہم ناظرین کی بصیرت منصف بناتے ہیں۔

حضور کی نورانیت پر قرآن سے مزید دلائل

مولوی سرفراز صاحب نے اپنے ضعیف مطالعہ اور علمی فقدان سے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ قرآن کریم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت پر یہی ایک دلیل ہے۔ یہ ان کی خوش فہمی بلکہ غلط فہمی ہے۔ دیدہ بینا کے لئے قرآن شریف میں اَنگنت آیات نبی علیہ السلام کی نورانیت کی حامل ہیں۔ ہم چند آیات مع تفسیری حوالوں کے نذر رقم کرتے ہیں۔ قاضی عیاض مالکی شفا ص۱۰ میں فرماتے ہیں۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ اللّٰہ نور السمٰوٰت	اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ آسمانوں
والارض الآیۃ۔ قال کعب الاحبار	اور زمینوں کا نور ہے۔ کعب احبار اور
وابن جبیر المراد بالنور الثانی ھنا	ابن جبیر نے کہا کہ یہاں نور ثانی سے محمد صلی اللہ
محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقولہ	علیہ وسلم مراد ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول مثل
تعالیٰ مثل نورہ ای نور محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم	نورہ اس کا معنی ہے نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

وقال سهل بن عبد الله المعنى الله
هادى اهل السموات والارض
ثم قال مثل نور محمد اذا كان
مستودعا فى الاصلاب كمشكوة
صفتها كذا واراد بالمصباح قلبه
والزجاجة صدره اى كانه
كوكب درى لما فيه من الايمان
والحكمة يوقد من شجرة مباركة
اى من نور ابراهيم عليه الصلوة
والسلام وضرب المثل بالشجرة
المباركة وقوله يكاد زيتها يضئ
اى تكاد نبوة محمد صلى الله عليه
يتبين للناس قبل كلامه كهذا
الزيت وقد قيل فى هذه الاية
غير هذا والله اعلم وقد سماه
الله فى القرآن فى غير هذا الموضع
نورا وسراجا منيرا. فقال تعالى
قد جاءكم من الله نور وكتاب
مبين وقال تعالى انا ارسلناك
شاهدا ومبشرا ونذيرا وداعيا
الى الله باذنه وسراجا منيرا

کی مثال اور سہیل بن عبداللہ نے کہا کہ معنی
یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا ہادی ہے
پھر کہا مثال نور محمد کی جبکہ وہ پشتوں
میں بطور امانت تھا مثل اس طاق کے ہے
جسکی ایسی ایسی صفت ہو اور مصباح سے
آپکے قلب کا ارادہ کیا۔ اور زجاجہ سے سینہ
اقدس کا گویا کہ وہ سینہ ایک روشن ستارہ ہے
جو ایمان وحکمت سے بھرپور ہے۔ اور ایک
درخت سے روشن ہے یعنی خود ابراہیم علیہ السلام
سے اور شجر مبارکہ سے محض مثال دی گئی
ہے۔ اللہ عزوجل کا قول یکاد زیتہا یضئ
اسکا مطلب یہ ہے کہ قریب ہے کہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ
وسلم اپنے دعوی نبوت سے پہلے لوگوں کے دلوں
پر ظاہر ہو جائیگی مثل اس زیتون کے اور
اس آیتہ میں اور بھی مضمون بیان کئے گئے
ہیں۔ واللہ اعلم اور بلاریب اللہ تعالے نے آپکو
قرآن میں اس مقام کے علاوہ نورا اور سراج منیر
سے موسوم فرمایا ہے پس اللہ تعالی نے فرمایا قد
جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین اور فرمایا۔ انا
ارسلناک شاہدا ومبشرا ونذیرا وداعیا
الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔

ومن هذا قوله تعالى الم نشرح لك صدرك الى آخر السورة شرح وسع والمراد بالصدر ههنا القلب قال ابن عباس رضي الله عنهما شرحه بنور الاسلام و قال سهل بنور الرسالة الخ۔

اور اسی ضمن میں فرمایا۔ الم نشرح لک صدرک الخ اور صدر سے مراد قلب اطہر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دل کو نور اسلام سے بھرپور کر دیا۔ اور سہل نے کہا نور رسالت سے۔

ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا ج ۳ میں اسی مضمون کی شرح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

والحاصل ان نور محمد صلى الله عليه وسلم انتقل من آبائه الكرام الى ان ظهر ظهورا بينا في ظهر ابراهيم عليه الصلوٰة والسلام اذ صار علما في علم التوحيد ولا سيما في باب التفويض والاستسلام فهو شجرة كثيرة الخير لان من بعده من الانبياء كلهم من ذريته وكان اكثرهم من جهة الشام من الارض التي بارك الله تعالى حولها وكان الزيتونة اشارة اليها۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ بیشک نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آباء کرام سے منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں ظاہر ہوا۔ جبکہ وہ توحید میں علم کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور خاص طور پر تسلیم و رضا کے باب میں پس وہ کثیر خیر کے حامل شجر تھے۔ کیونکہ بعد کے تمام انبیاء آپکی اولاد میں سے تھے۔ اور ان میں سے اکثر ملک شام سے مبعوث ہوئے۔ جس کی زمین میں اللہ تعالیٰ نے برکت ودیعت کی تھی اور ممکن ہے کہ زیتون سے اسی طرف اشارہ ہو۔

تفسیر خازن میں سراجاً منیراً کے تحت مرقوم ہے۔

معناه امد الله بنور نبوته

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکے نور

نور البصائر کما یمد بنور السراج نور الابصار۔

نبوت سے بصائر کے نور کی مدد فرمائی جیسے نور سراج سے نور ابصار کی مدد کی جاتی ہے۔

امام رازی علیہ الرحمتہ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

قال فی حق النبی صلی اللہ علیہ وسلم سراجا ولم یقل انہ شمس مع ان الشمس اشھر اضاءۃ من السراج لفوائد منھا ان الشمس نورھا لا یُؤخذ منھا شئی والسراج یوخذ منہُ انوار کثیرۃٌ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں چراغ فرمایا اور شمس نہ فرمایا۔ حالانکہ سورج کی روشنی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ شمس کا نور اخذ نہیں کیا جاتا بخلاف چراغ کے کیونکہ اس سے انوار کثیرہ حاصل کئے جاتے ہیں

قد جاءکم من اللہ نور میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی نفی کرنے والے کون تھے

ہم نے گذشتہ سطور میں یہ امر انتہائی بسط کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔ کہ اہلِ سنت کے نزدیک نورانیتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حقیقت ثابتہ ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک "قد جاءکم من اللہ نور" میں نور سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب لگے ہاتھ یہ بھی دیکھتے چلئے۔ کہ اس آیت میں نور سے مراد قرآن کریم لے کر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرنے والے کون لوگ ہیں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر میں مرقوم ہے۔

وقال ابو علی الجبائی عنی بالنور القرآن لکشفہ واظھارہ طرق الھدی والیقین واقتصر علی ذالک الزمخشری۔

ابو علی جبائی نے کہا نور سے مراد قرآن کریم ہے۔ کیونکہ وہ حقائق کا کشف وبیان اور ہدایت کے طریقوں کو ظاہر کرتا ہے اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اکتفا کیا ہے۔

اور زمخشری صاحب کشاف کا کیا مذہب ہے۔ نیز اس ص۲۸ میں ہے وکان صاحب الکشاف یکنی نفسہٗ ابا المعتزلۃ۔ صاحب کشاف نے اپنی کنیت ابو معتزلہ رکھی تھی۔ نیز اس ص۲۹ پر ابو علی جبائی کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔ ابی علی جبائی ھو محمد بن عبد الوھاب من معتزلۃ بصرۃ ابو علی جبائی کا نام محمد ابن عبد الوہاب تھا اور وہ معتزلہ بصرہ سے تھا۔

نیز اس کے ان حوالوں سے یہ امر ظاہر ہوگیا کہ ابو علی جبائی اور زمخشری دونوں معتزلہ تھے۔ اور روح المعانی کی عبارت سے واضح ہوگیا کہ یہی معتزلہ نورانیت نبی کا انکار کر کے نور کا قرآن میں انحصار کرتے ہیں پس اب غور فرمائیے کہ مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی نے نورانیت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کن لوگوں کے ہاں میں اپنے عقیدہ کو شامل کر لیا ہے۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ ۔ مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی نے اپنی کتاب کے ص۱۰۷ پر لکھا کہ "نورانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسری دلیل حدیث جابرؓ سے دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ امام عبدالرزاق شیعہ تھے۔ اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے مجروح ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس جرح کا جواب دینے سے پیشتر ہم آپ کے سامنے اہل سنت کے ان اکابر علماء کی عبارات پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو روائیت اور اس سے استدلال کیا ہے۔ امام احمد علیہ الرحمتہ کے استاذ اور بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ امام عبدالرزاق اپنی تصنیف میں اور امام بیہقی دلائل النبوۃ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روائیت کرتے ہیں۔ قال قلت یارسول اللہ بابی انت وامی اخبرنی عن اول شئی

حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، یارسول آپ پر مجھے ماں باپ فدا ہوں۔ مجھے بتلائیں کہ سب سے پہلے اللہ

خلقه الله تعالیٰ قبل الاشیا قال یا جابران الله تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نوره فجعل ذٰلك النور یدور بالقدرة حیث شاء الله تعالیٰ ولم یکن فی ذالك الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملك ولا سماء ولا شمس و لا قمر ولا جنی ولا انسی فلما اراد الله تعالیٰ ان یخلق الخلق قسم ذالك النور اربعة اجزاء فخلق من الجزء الاول القلم ومن الثانی اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم الجزء الرابع اربعة اجزاء الحدیث بطوله

کس کو پیدا کیا۔ فرمایا اے جابر بیشک اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا۔ پھر وہ نور خدا کی قدرت سے جہاں چاہا دورہ کرتا رہا۔ اس وقت لوح قلم جنت دوزخ۔ فرشتے۔ آسمان۔ زمین سورج۔ چاند جن وانس کچھ نہیں تھے۔ پھر جب اللہ تعالےٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا۔ تو اس نور کے چار حصے کئے۔ پہلے سے قلم دوسرے سے لوح تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے کے چار حصے کئے۔ الحدیث۔

امام قسطلانی مواہب اللدنیہ کے مقصد اول میں ارقام فرماتے ہیں۔

لما تعلقت ارادة الحق تعالیٰ بایجاد خلقه وتقدیر رزقه ابرز الحقیقة المحمدیة من الانوار الصمدیة فی الحضرة الاحدیة ثم سلخ منها العوالم کلها علوها و سفلها علیٰ صورة حکمه کما سبق فی سابق ارادته وعلمه ثم اعلمه

جب حق تعالےٰ کا ارادہ مخلوق کو پیدا کرنے کا اور اس کے رزق مقرر کرنے کے ساتھ متعلق ہوا تو اس نے حقیقت محمدیہ کو صمدی انوار سے بارگاہ احدیت میں ظاہر فرمایا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اس حقیقت محمدی سے تمام عالم علوی اور سفلی کو اپنے ارادہ ازلی کے مطابق اخراج فرمایا پھر

تعالیٰ بنبوته وبشره برسالته وهٰکذا آدم لم یکن الا کما قال صلے الله علیه وسلم بین الروح والجسد — اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدی کو نبوت کی خبر اور رسالت کی بشارت دی اور ابھی حضرت آدم فرمان نبوی کے مطابق روح اور جسد کے درمیان ہی تھے۔

اس کی شرح میں امام زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں ارقام لکھتے ہیں۔

وانما کانت الحقیقة المحمدیة هی صورة الحقیقة الحقائق لاجل ثبوت الحقیقة المحمدیة فی خلق الوسطیة هی عین النور الاحمدی المشار الیه بقوله علیه السلام اول ما خلق الله نوری — اور جز ایں نیست کہ حقیقت محمدیہ ہی تمام حقائق کی حقیقت ہے کیونکہ حقیقت محمدی کا ثبوت خلق وسطیہ میں ہے۔ جو کہ عین نور احمدی ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔

امیر عبد القادر الجزائری الحسنی اپنی کتاب موافق کے موقف ۹۵ میں فرماتے ہیں۔ فان حقیقة صلی الله علیه وسلم هی الرحمة التی وسعت کل شئی وعمت هذه الرحمة حتی اسماء الحق تعالیٰ من حیث ظهور آثارها ومقتضیاتها بوجود هذه الرحمة وهذه الرحمة هی اول شئی فتق ظلمة العدم واول صادر عن الحق تعالیٰ بلا واسطة وهی الوجود المفاض علی اعیان المکنونات — بلا ریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہ رحمت عظمیٰ ہے جس نے ہر شے کا احاطہ کر لیا ہے۔ حتیٰ کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے اسماء کو بھی یہ رحمت شامل ہے۔ کیونکہ ان اسماء کے مقتضیات اور آثار کا ظہور اس رحمت محمدی سے وجود میں آیا۔ اور اسی رحمت نے سب سے پہلے پردہ عدم کو چاک کیا اور یہ پہلی مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ صادر ہوئی اور اس وجود کا فیضان تمام موجودات کو

وقد ورد فی الخبر اول ما خلق الله نور نبیک یا جابر

شامل ہے اور بالتحقیق حدیث شریف میں وارد ہوا کہ اے جابر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔

سیدی عبدالکریم جیلی ناموس اعظم کی کتاب النور باب اول میں فرماتے ہیں

ان الله تعالیٰ خلق محمد صلی الله علیه وسلم کثیر السعادة الکبریٰ وانموذجا للطائفة صورة ومعنی فجعل مرتبته فی الوجود المرتبة العلیة التی لیس فوقها مرتبة الوجود۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سعادت کبریٰ اور تمام لوگوں کے لئے ظاہری اور باطنی نمونہ بناکر پیدا فرمایا اور وجود میں آپ کا مرتبہ اللہ نے سب سے پہلے رکھا جس کے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

شیخ عبداللہ البوسنوی مطالع النور السنی کے مطلع اول میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان الحق تعالیٰ لما اراد ان یعرف من حیث ظهور آثار الاسماء الالهیه تجلیاتها من حضرة الالوهیة خلق اولا الروح المحمدی علی الصورة الجمعیة ثم منه جمیع العوالم العلویة الروحانیة العقلیة والعوالم السفلیة الخلقیة العنصریة الی خاتم الصور النوعیة الکونیة وهو آدم علیه السلام کما روی عن جابر بن عبدالله انصاریؓ

یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اسماء الٰہیہ کے آثار کے ظہور سے بارگاہِ الوہیت کی تجلیات کی معرفت کرائے تو اس نے سب سے پہلے روح محمدی کو جامع صورت پر پیدا کیا پھر اس نے جمیع عالم علوی۔ روحانی اور جمیع عالم سفلی جسمانی کو پیدا فرمایا۔ حتیٰ کہ خاتم صور نوعیہ یعنی آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے مروی ہے

قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اول شئی خلقہ اللہ قال ھو نور نبیك یا جابر خلقہ من نورہٖ ثم خلق منہ کل خیر وخلق بعدہٗ کل شئی الحدیث۔

کہ انہوں نے بیان کیا۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا اے جابر وہ تیرے نبی کا نور ہے۔ جس کو اللہ نے اپنے نور کے سبب سے پیدا فرمایا۔ پھر اس نور سے ہر اچھی چیز کو پیدا فرمایا۔ اور اس کے بعد ہر چیز کو پیدا فرمایا۔

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ــــ واما اول وے صلی اللہ علیہ وسلم اولست در ایجاد کہ اول ما خلق اللہ نوری و اولست در نبوت کہ کنت نبیا و آدم لمنجدل فی طینتہٖ۔

بہر کیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود میں اول ہونا پس وہ اسلئے ہے کہ پہلی وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا وہ میرا نور ہے۔ اور نبوت میں اول ہونا اسلئے ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی زمین پر افتادہ تھے۔

ان اکابرین کے علاوہ امام ابن حجر مکی علامہ فاسی علامہ دیار بکری سیدی عبدالغنی نابلسی امام ابوالحسن اشعری وغیرہم نے بھی اس مضمون جلیل کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اس پر اظہار اعتماد فرمایا ہے۔

اولیت اضافی کا جواب

سرفراز صاحب نے حدیث جابر کو رد کرنے کیلئے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث میں حضور کے اول خلق ہونے کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ حضور اوّل خلق نہیں ہیں۔ چنانچہ موضوعات کبیر سے قلم کے اوّل خَلق کی روایت کو لیکر مولوی سرفراز صاحب تنقید متین ص۱۱ پر کہتے ہیں۔ "اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تقدیر کو پیدا کیا ہے۔ جب صحیح روایت سے قلم کی اولیت ثابت ہے۔ تو بلا وجہ اسکو بجائے اول

حقیقی کے اولیت اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں ہے"۔

چند سطریں آگے چل کر دبی زبان سے مولوی صاحب اعتراف تو کرتے ہیں۔ کہ "ہاں ملا علی قاری نے مرقات ص۱۲۹ ج ۱۔ اور جمع الوسائل میں اول مخلوقات میں آپ کا نور ذکر کیا ہے لیکن خود ان کی کتابوں میں تصریح ہے۔ کہ نور سے مراد روح ہے"

مولوی سرفراز صاحب کو چونکہ یقین تھا کہ اگر ملا علی قاری کی عبارت نقل کر دی تو قصر دیوبند منہدم ہو جائیگا۔ اسلئے وہ ملا علی قاری کی اس ایمان افروز عبارت کو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف ہضم کر گئے۔ آئیے۔ اب ہم آپ کے سامنے ملا علی قاری کی وہ عبارت لاتے ہیں۔ جسے پیش کرنے سے مولوی سرفراز صاحب خوف کھاتے ہیں۔

قال ابن حجر اختلف الروایات فی اول المخلوقات وحاصلہا کما بینتہا فی شرح شمائل الترمذی ان اولہا النور الذی خلق منہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم الماء ثم العرش (مرقات ج ۱ ص۱۲۹)	ابن حجر نے کہا کہ اول مخلوق کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور خلاصہ یہ ہے جیسا کہ میں نے شرح شمائل ترمذی میں بیان کیا ہے۔ کہ بالیقین اول مخلوقات وہ نور ہے جس سے نبی علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر پانی کو پھر عرش کو۔

ملا علی قاری کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا۔ کہ حضور کی اولیت کو حقیقی قرار دینے میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ ابن حجر نے بھی حضور کی اولیت حقیقی پر تصریح کی ہے۔ اور صاحب ازہار نے بھی جیسا کہ ہم ابھی انشاء العزیز نقل کریں گے۔ علاوہ ازیں بیشمار جگہ علماء اسلام نے نور محمدی کی اولیت حقیقی پر نص صریح قائم کی ہے۔ جیسا کہ ہم ما سبق میں آفتاب سے زیادہ روشن حوالے پیش

کر چکے ہیں۔ پس ان تمام حوالوں کی موجودگی میں رسالت مآب کی اولیت حقیقی کا وہی انکار کر سکتا ہے۔ جو بغض رسالت سے اپنی بینائی کھو چکا ہو۔

ملاحظہ فرمایئے ملا علی قاری حنفی مرقاۃ میں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ کے تحت فرماتے ہیں۔

وفی الازهار اول ماخلق الله القلم يعنی بعد العرش. والماء والريح لقوله عليه الصلوٰة والسلام كتب الله مقادير الخلائق قبل ان يخلق السموٰت والارض بخمسين الف سنة وعرشه على الماء رواه مسلم وعن ابن عباس سئل عن قوله تعالى وكان عرشه على الماء على اى شئ كان الماء قال على متن الريح رواه البيهقی ذكره الابهری فالاولية اضافية والاول الحقيقی هو النور المحمدی على ما بينته فی المورد للمولد۔

ازہار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقادیر کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا۔ اسکو مسلم نے روایت کیا اور ابن عباسؓ سے وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ عرش تو پانی پر تھا۔ پانی کس چیز پر تھا۔ تو فرمایا ہوا کی پیٹھ پر۔ اسے بیہقی نے روایت کیا (پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا، پانی اور عرش کے بعد ہے) اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد للمولد میں بیان کیا ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدارج النبوت ص۲ ج ۲ پر ارقام فرماتے ہیں۔

بدانکہ اول مخلوقات و واسطہ صدور کائنات و واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد است صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث

جان لو کہ اول مخلوقات اور واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے

صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری
وسائر مکونات علوی و سفلی ازاں نور
وازاں جوہر پاک پیدا شدہ از ارواح
و اشباح و عرش و کرسی و لوح و قلم و
بہشت و دوزخ و ملک و فلک و
انس و جن و آسمان و زمین و بحار و
جبال و اشجار و سائر مخلوقات و در
کیفیت صدور ایں کثرت ازاں وحدت
و بروز و ظہور مخلوقات ازاں جوہر
عبارات و تعبیرات غریب آوردہ اند
و حدیث اوّل ما خلق اللہ العقل نزد
محققین و محدثین بصحت نرسیدہ و
حدیث اول ما خلق اللہ القلم نیز گفتہ اند
کہ مراد بعد العرش و الماء است کہ واقع
شدہ است وکان عرشہ علی الماء
و در بعضے احادیث تصریح بدال
واقع شدہ است و آمدہ است کہ خلق
ماء پیشتر از عرش است کہ چوں خلق کردہ
شد قلم گفت بوی پروردگار تعالیٰ و
تقدس بنویس گفت قلم چہ نویسم گفت
بنویس ما کان و ما یکون الی آخرہ

کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو
پیدا کیا۔ اور باقی تمام کائنات علوی و سفلی
اس نور سے پیدا ہوئی۔ اسی وحدت سے
یہ کثرت صدور میں آئی اور مختلف ناموں سے
موسوم ہوئی۔ چنانچہ یہ نور کہیں عرش و کرسی
سے موسوم ہوا۔ اور کہیں بحار و اشجار
سے۔ اور جس حدیث میں ہے کہ سب سے
پہلے عقل کو پیدا کیا اس کی صحت محققین اور
محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ اور ایک
حدیث میں ہے کہ پہلے قلم کو پیدا کیا۔
(اس میں اولیت حقیقی نہیں ہے) کیونکہ
محققین نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ عرش اور
پانی کے بعد قلم کو پیدا کیا۔ کیونکہ اس طرح
آیا ہے کہ اس وقت عرش پانی
پر تھا۔ . . . .
اور بعض احادیث میں اس کی تصریح موجود
ہے۔ اور یہ بھی وارد ہے کہ پانی عرش
سے پہلے پیدا ہوا۔ پس جب قلم پیدا کیا گیا
تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لکھ۔ قلم نے
پوچھا کیا لکھوں۔ ارشاد ہوا۔ لکھ جو
ہو چکا ہے اور جو ہو گا۔

پس معلوم شد کہ پیش از خلق کائنے بودہ
است کہ آں عرش و کرسی و ارواح است
و خلق نور وے صلی اللہ علیہ وسلم از اں
سابق است و بریں وجہ تواند کہ مراد
از ما کان صفات و احوال آں بودہ
باشد کہ اول در آں عالم ثابت است
و از ما یکون آنچہ در آخر ظاہر گردد در دنیا۔

پس معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے
پہلے کچھ ہو چکا تھا۔ اور وہ عرش و کرسی
اور ارواح تھیں اور نور محمدی ان سب
سے پہلے پیدا ہوا۔ پس اس تقدیر پر یوں
کہا جا سکتا ہے کہ ما کان سے مراد اس
نور کے صفات اور احوال ہیں اور ما یکون سے
مراد وہ امور ہیں جو بعد میں دنیا میں ظاہر ہونگے۔

ملا علی قاری صاحب ازہار اور شیخ محقق کے اس محققانہ کلام کو دیکھئے۔ اور مولوی سرفراز کے کمزور مطالعہ پر تحسین و آفرین کیجئے۔ وہ تو عداوت رسول میں تمام ات صحیح مسلم دیوانہ وار یہ ثابت کر چکے تھے کہ۔ قلم سب سے پہلے پیدا ہوا اور ثابت یہ ہوا کہ قلم تو چوتھے نمبر پر بھی نہیں ہے۔ جب خود جناب رسول اللہ نے بیان فرما دیا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا اور آپکے فرمان صریح سے اس کی اولیت۔ اضافی ثابت ہو گئی تو اسے اولیت اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں؟ کیا آپکے مذہب غیر مہذب میں فرمان نبوی بھی قابل سماعت نہیں ہوتا؟ ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ تنقیص نبوت اور تردید رسالت سے تائب ہو کر اپنی آخرت کی فکر کریں۔ ورنہ سیروں کے حساب سے جو آپنے منقصت رسول میں کتابیں لکھیں ہیں۔ ان کا وزن آپ کی لٹیا ڈبو دینے کیلئے کافی ہوگا۔ اور ان کی فروخت سے جو آپنے دنیاوی سکے حاصل کئے ہیں۔ وہ اس دن کسی کام نہ آسکیں گے۔ رہا مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ نور سے علی قاری کی مراد روح ہے۔ ہمیں اصلاً مضر نہیں۔ اولاً تو اسلئے کہ نور محمدی ہو یا روح محمدی بمقصد تو یہ ہے۔ کہ آپ اول خلق ہیں۔ خواہ آپ کو روح سے تعبیر کیا جائے۔ یا نور سے۔ ثانیاً

یہ کہ آپ کو نفع تب ہو گا۔ اگر نور اور روح میں تباین ہوتا۔ تب آپ کہہ سکتے تھے۔ کہ روح کی اولیت ثابت ہے۔ نور کی نہیں۔ حالانکہ ملا علی قاری تو فرماتے ہیں۔ قولہٗ اول ماخلق اللہ نوری وفی روایۃ روحی ومعناھما واحد فان الارواح نورانیۃ

آپ کا فرمان سب سے پہلے میرے نور کو پیدا۔ اور ایک روایت میں کہ میری روح کو پیدا کیا۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ کیونکہ ارواح نورانی ہی ہوتی رہیں۔

اسی بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے کہا۔ اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے۔ کہ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اول المخلوقات کی تحقیق اور بحث کی ہے۔ وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے۔ مگر نور کا ذکر وہ نہیں کرتے۔ **تنقید متین ص۱۱۰**

جواباً عرض ہے کہ ہم ماسبق میں امام عبدالرزاق۔ امام بیہقی۔ امام احمد قسطلانی، امام زرقانی۔ عبدالقادر الجزائری۔ ملا علی قاری حنفی۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کا کلام نقل کر چکے ہیں۔ اس میں غور فرمالیجئے۔ کہ یہ اکابر آئمہ حدیث مسئلہ اولیت خلق میں نور محمدی کا ذکر کرتے ہیں۔ یا نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جن کی آنکھوں پر ابلیس نے بغض رسالت کی پٹی باندھ دی ہو۔ انہیں ان عبارات میں نور محمدی نظر نہیں آئیگا۔

حدیث جابر پر اعتراض کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب کہتے ہیں۔ "اس کی سند کا علم نہیں۔ کہ کیسی ہے۔ اور امام عبدالرزاق شیعہ تھے۔ گو غالی نہ تھے مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں۔ ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ اور خصوصاً فضائل کے بارے میں تو انہوں نے ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کا ساتھ کسی نے نہیں دیا" ص۱۰۸ انتہیٰ کلامہ۔ محض تشیع کی طرف نسبت کی وجہ سے امام

عبدالرزاق کی روایت کو قابل اعتبار قرار نہ دینا صحیح نہیں ہے۔ اہل بدعت کی روایات کے بارے میں شیخ محقق مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں۔

و مختار آنست کہ اگر داعی باشد بدعت خود و در مقام ترویج و تزئین آن بود قبول نکنند و اگر نہ ایں چنیں بود قبول کنند۔	اور مختار یہ ہے کہ اہل بدعت کی روایت اگر اس کے مسلک کی تزئین اور ترویج میں ہو تو مقبول نہ ہوگی۔ اور خلاف ہو۔ تو قبول کی جائے گی۔

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

در جامع الاصول مے گوید کہ اخذ کردہ اند ائمہ حدیث از فرقہ خوارج و از آنہا کہ منسوب اند بقدر و تشیع و رفض و دیگر اصحاب بدع و اہوا۔	جامع الاصول میں ہے کہ ائمہ حدیث نے فرقہ خوارج سے اور ان سے جو قدریہ شیعہ اور رافضیوں کی طرف منسوب تھے احادیث حاصل کیں اور دیگر اہل بدعت سے بھی۔

پس اب مولوی سرفراز صاحب کا اس حدیث میں امام عبدالرزاق پر انتساب الی التشیع کی وجہ سے طعن کرنا ارباب علم کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتا ثانیاً یہ کہ اس روایت کو تنہا امام عبدالرزاق نے ہی روائت نہیں کیا۔ بلکہ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بھی روائت کیا ہے۔ کما مرمنا سابقا۔ اور چلئے اگر امام عبدالرزاق منسوب الی الشیعہ ہیں تو کیا ہوا امام بیہقی تو شیعہ نہیں ہیں۔ ان کی روائت مان لیجیے۔ پس محض امام عبدالرزاق کو لے کر مولوی سرفراز صاحب کا حدیث میں نقص نکالنا جہل اور عناد کے سوا کچھ نہیں ہے۔ باقی یہ کہ بعض چیزوں میں امام عبدالرزاق منفرد ہیں تو صاحب جن چیزوں میں منفرد ہوں۔ پھر وہ ساقط الاعتبار ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ میں تو امام عبدالرزاق منفرد نہیں ہیں۔ ہم گذشتہ صفحات میں ان علماء اعلام کی

فہرس مع عبارتوں کے پیش کر چکے ہیں جو نور محمدی کے اول خلق ہونے میں امام کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا آپ کا یہ قول بالکل غیر متعلق ہے۔ کہ فضائل میں انہوں نے ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں۔ جن میں انکا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ ثالثاً یہ کہ علماء اصول نے تصریح کی ہے۔ کہ تلقی بالقبول سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پس جبکہ اجلہ اکابر اسلام نے اس حدیث کو اپنی تصانیف میں ذکر کر کے اس سے احتجاج کیا۔ تو اس حدیث کو تقویت حاصل ہو گئی۔

نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب نے کہا۔ "ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا پڑی ہے۔ کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر حدیث کی تاویل بے جا کریں۔ اور معاذ اللہ انکو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں۔ اور آتش دوزخ کا ایندھن بنیں" تنقید متین ص ۱۱۳

مولوی سرفراز صاحب کے اس کلام سے لازم آیا۔ کہ وہ تمام اکابر اسلام اور محدثین عظام جنہوں نے نور محمدی کو اول خلق قرار دیا۔ عذاب خداوندی کا شکار اور آتش دوزخ کا ایندھن ہیں۔ معاذ اللہ

آیئے اب ذرا مولوی سرفراز کے حکمی خاندان پر نظر ڈالیں کہ ان میں سے کتنے صاحب جبہ و دستار جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔ یہ ہیں سرخیل دیوبند مولوی قاسم نانوتوی۔ محذورات عشرہ میں محذور اول کے جواب میں لکھتے ہیں "اب سنئے کہ روح پُرفتوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو اصل موصوف نبوت ہے ارواح انبیاء باقیہ کیلئے موقوف علیہ ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا۔ مگر مخلوقیت روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں اور آپکے نزدیک لازم ہو تو ثابت کیجئے۔ اور اول ماخلق اللہ نوری وغیرہ

مضامین کی تغلیظ فرمائیے (الیٰ ان قال) اور اگر یہ سزا اس جرم کی ہے کہ یہ نے موقوف علیہ کیوں کہا۔ اول ماخلق اللہ نوری کیوں نہ کہا تو آپ سبھی۔ معمار دیوبند کے اس مضمون سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) نور محمدی اول مخلوق ہے (۲) نبی علیہ السّلام تمام انبیاء کیلئے موقوف علیہ ہیں (۳) آپ کی نبوت بالذات اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے۔ (۴) اول ماخلق اللہ نوری نہ صرف لائق احتجاج ہے۔ بلکہ دیوبند کے پیر مغاں نے اس سے استدلال کر کے بیشمار نصوص قرآنیہ کو رد کر دیا۔ کما سیأتی انشاء اللہ تعالیٰ۔ تحذیر الناس ص۳۹ پر دلائل کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مولوی قاسم صاحب نے کہا۔ "باقی رہا آپ کا وصف نبوت ہیں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ماتحت علیہ السّلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق یعنی خاتمیت پر موقوف ہے۔ جس کی شرح وبسط کما ینبغی اوپر کر چکا ہوں"۔

اہل علم پر مخفی نہیں جو موصوف بالعرض بواسطہ فی العروض ہو۔ اس کے ساتھ وصف کا قیام نہیں ہوتا۔ بلکہ وصف کا قیام تو موصوف بالذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور موصوف بالعرض کو مجازاً موصوف بالذات کی مجاورت کی وجہ سے موصوف کہتے ہیں۔ مثلاً جالس فی السفینہ کے ساتھ حرکت کا قیام نہیں ہوتا۔ لیکن اس کو بھی مجازاً متحرک کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ متحرک بالذات یعنی سفینہ کا مجاور ہے۔ جو کہ واسطہ فی العروض ہے۔ پس اس تقریر سے لازم آیا۔ کہ باقی تمام انبیاء کے ساتھ وصف نبوت قائم نہ ہو۔ اور نبی علیہ السّلام سے مقارنت کی بناء پر انہیں مجازاً نبی کہا گیا ہو۔ مولوی قاسم صاحب نے اپنے اس کلام میں حضور کے سوا تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کر کے قرآن کی صدہا نصوص کو رد

کر دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا نفرق بین احد من رسلہ
اس کے تحت علامہ ابو سعود فرماتے ہیں:۔

لان المعتبر عدم التفریق	اس لئے کہ معتبر یہ ہے کہ رسولوں کے
من حیث الرسالۃ دون سائر	درمیان نفس رسالت میں فرق نہ کیا جائے
الحیثیات الخاصۃ۔	نہ کہ باقی اوصاف مخصوصہ میں۔

اور اب پیغمبر دیوبند کی منطق فرمائیے۔ جنہوں نے نبی علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام میں نفس رسالت میں فرق کیا ہے۔ اور آپ کیلئے وصفِ نبوت کو واسطہ فی العروض کے مرتبہ میں مان کر باقی انبیاء سے نبوت کی نفی کر دی۔ اور اس کی بنیاد وہی مقدمہ ہے جس کو وہ کہیں موقوف علیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور کہیں اول ما خلق اللہ نوری سے۔ فیا للعجب۔ اب ہمیں مولوی سرفراز صاحب سے پوچھنے دیجئے۔ کہ اگر یہ روایت باطل اور موضوع ہے۔ تو اس کو ماننے والوں میں جو آپ کے پیرِ مغاں شامل ہیں۔ ان کے بارے میں کیا ارشاد ہو گا۔ اور اس باطل روائت کے چکر میں پڑ کر نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار کون کر رہا ہے۔ اور اس موضوع روائت کو اساس بنا کر ایک نئے عقیدہ کی طرح کس نے رکھی ہے ؎

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اگر اجازت ہو تو اب ہم بھی کہہ دیں کہ مولوی قاسم نانوتوی نے اس ابلیسی چکر میں پڑ کر قرآنِ پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح متواتر احادیث کی تاویل بیجا کی۔ اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذابِ خداوندی کا شکار ہوئے۔ اور اپنے آپ کو آتشِ دوزخ کا ایندھن بنا لیا۔ اور سچ پوچھئے تو قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں جس ظلی اور بروزی نبوت کا راستہ دکھایا ہے۔ اسی راہ پر چل کر

مرزا ملعون نے دعویٰ نبوت کیا۔ اور امت دیوبند آجتک مرزائیہ کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑا سکی۔ اگر اب بھی آپ کی طبیعت صاف نہ ہوئی ہو۔ تو لیجئے۔ دیوبند کے حکیم الامت حاضر ہیں۔ اب دیکھئے وہ آپکے بقول باطل روایت کے چکر میں پڑ کر جہنم کے کس طبقہ میں جا پہنچتے ہیں۔ حضرت جابر کی روائت کو ذکر کرنے کے بعد مولوی اشرف علی تھانوی نے ف سے فائدہ کا عنوان قائم کیا۔ کہتے ہیں۔

ف۔ اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے۔ ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا۔ اس حدیث میں منصوص ہے۔ انتہیٰ (نشر الطیب ص۷)

لیجئے ان حکیم صاحب نے تو آپ کے سارے کیئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ آپ کسی طور پر اولیت حقیقیہ نہیں مانتے اور تھانہ بھون کے حکیم الامت اولیت حقیقی کو منصوص قرار دیتے ہیں۔ اب یا تو اپنی جہالت کا اعتراف کر کے اپنے حکیم الامت کے پیر پکڑ لیجئے۔ یا انہیں جاہل اور غالی قرار دے کر جہنم میں جھونکئے۔ یہ آپ کا اور آپکے آباء کا معاملہ ہے۔ ہم نے تو صلح صفائی کی غرض سے ایک معاملہ فہمی کی بات عرض کی ہے۔

نورانیت محمدی کی تابناک شعائیں

جواہر البحار صفحہ ۲۲۶ جلد ۴ پر ہے۔

وردفی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا کانت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی فراشہ فی لیلۃ ظلمۃ فسقط من یدھا ابرۃ الی الارض فکشفت عن

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ ایک اندھیری رات کو وہ حضور کے ہمراہ بستر پر تھیں۔ اچانک انکے ہاتھ سے سوئی گر زمین پر گر گئی پس وہ حضور کے چہرۂ انور سے ظاہر ہوئی اور ام المومنین نے

وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجد تھا بنور جبینہ فرفعتھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے نور سے اس سوئی کو پایا اور اٹھا لیا۔

جمع الوسائل ص۷ ج ۲ پر ملا علی قاری حنفی تحریر فرماتے ہیں :-

قال بعض المحققین ان جمال نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غایۃ الکمال وان من جملۃ صفاتہ وکثرۃ ضیاءہ علی ماروی ان صورتہ کان یقع نورھا علی الجدار بحیث یصیر کالمرأۃ یحکی علی ماقابلہ من مرور المار لکن اللہ ستر عن اصحابہ کثیرا من ذالک الجمال الزاھر الکمال الباھر اذلو برزا الیھم لتصعب النظر الیہ علیھم

بعض محققین نے بیان فرمایا کہ ہمارے نبی علیہ السلام کا جمال غایت کمال میں تھا روایات سے ثابت ہے کہ آپ کی صورت کا نور دیوار پر منعکس ہوتا تھا اور وہ دیوار آئینہ کی طرح آپ کی صورت کے نور کی حکایت کرتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپکے جمال کو صحابہ کی نگاہوں سے بھی مستور رکھا۔ کیونکہ اگر ان پر مکمل جمال ظاہر ہوجاتا۔ تو وہ آپ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے۔

انفاس العارفین ص۳۹ پر شاہ ولی اللہ۔ شاہ عبدالرحیم سے حکایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

وقتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را در واقعہ دیدم وازیں نکتہ استفسار نمودم فرمودند جمال من از چشم مردم مستور است غیرۃ من اللہ تعالےٰ۔

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں حضور کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ سے سوال کیا کہ (جمال یوسف سے زنان مصر نے انگلیاں کاٹ لیں آپ کے جمال سے کسی نے انگلیاں نہ کاٹیں) آپ نے فرمایا کہ اللہ نے غیرت کی وجہ سے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رکھا۔

موضوعات کبیر ص۶۲ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

و اما نورہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فہو فی غایۃ من الظہور شرقاً و غرباً و اول ما خلق اللہ نورہ و سماہ فی کتابہ نوراً۔

بہر کیف نبی السلام کا نور شرقاً و غرباً غایت ظہور میں ہے اور جس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ آپ کا نور ہے اور اللہ نے آپکو اپنی کتاب میں نور سے موسوم فرمایا۔

قد جاءکم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نوراً مبینا کی تقریر کرتے ہوئے سرفراز صاحب کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی (النور ص۳۲) پر لکھتے ہیں۔

ہم انزلنا سے بھی رسول مراد لے سکتے ہیں، چنانچہ ایک اور مقام پر ہے قد انزلنا الیکم ذکراً رسولا۔ رسولا بدل بطور تفسیر ہے۔ ذکراً سے، یہاں بھی انزلنا کا مفعول رسول واقع ہوا ہے۔ پس اس سے بھی تفسیر مختار پر کوئی غبار نہیں رہا۔

حضرت ملا علی قاری جمع الوسائل ص۲۷۶ ج ا پر تحریر فرماتے ہیں۔

(احسن من القمر) فی ان نورہ ظاہر فی الآفاق و فی الانفس مع زیادۃ الکمالات الصوریۃ والمعنویۃ بل فی الحقیقۃ کل نور خلق من نورہ و کذا قیل فی قولہ تعالیٰ اللہ نور السمٰوات والارض مثل نورہ ای نور محمد فنور وجہہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی لا ینفک عنہ ساعۃ فی اللیالی والایام و نور القمر مکتسب و مستعار ینقص تارۃ و ینخسف اخری

نبی علیہ السلام چاند سے زیادہ حسین ہیں کیونکہ آپکا نور آفاق اور انفس دونوں میں ظاہر ہے اور آپ صوری اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں بلکہ حقیقت میں ہر چیز آپکے نور سے پیدا ہوئی۔ اسی طرح اللہ نور السموات والارض مثل نورہ میں مثل نورہ کی تفسیر نور محمد کے ساتھ کی گئی ہے پس نبی علیہ السلام کا نور ذاتی ہے جس کا دن رات میں کسی وقت بھی انفکاک نہیں ہوتا اور چاند کا نور مکتسب اور مستعار ہے کبھی کم ہو جاتا ہے اور کبھی گہن لگنے سے مسلوب ہو جاتا ہے۔ (اور دن کے اجالوں میں ماند پڑ جاتا ہے) سعیدی

نفی ظل

جمہور مسلمین کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے جسم اقدس کیلئے تاریک سایہ ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نور ہیں۔ اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اور نورانیت کا ثبوت یا سایہ کی نفی بشریت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔ کیونکہ سایہ مطلقا بشریت کے لوازم سے نہیں۔ بلکہ بشریت کثیفہ کے لوازم سے ہے۔ اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہوکر اس درجہ لطافت میں تھی کہ تاریک سایہ کا موجب نہ ہوتی تھی۔ نیز یہ عقیدہ ظنی ہے۔ اور ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کفایت کرتے ہیں۔

ہم اس بحث میں پہلے نفی ظل پر دلائل ذکر کریں گے۔ اس کے بعد سرفراز صاحب کے شکوک وشبہات پر نقد ونظر پیش کریں گے۔ محدث ابن جوزی۔ الوفا باحوال المصطفٰی ص۴۰۷ پر اور ان کے حوالے سے ملا علی جمع الوسائل ص۱۷۶ ج۱۔ اور امام مناوی شرح شمائل علی ہامش جمع الوسائل ص۱۴۷ ج۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل ولم یقم مع شمس قط الا غلب ضوءہ ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوءہ علیٰ ضوء السراج	ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی سورج کی روشنی میں کھڑے نہ ہوتے مگر آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آجاتا اور نہ کبھی چاند کی روشنی میں آئے مگر آپ کا نور چاند کی روشنی پر غالب رہا۔

علامہ نبہانی وسائل الوصول ص۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نورا فکان اذا مشی بالشمس والقمر لا یظہر لہ ظل۔	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے پس جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ ظاہر ہوتا۔

فوائد جلیلہ شرح شمائل محمدیہ ص۳۶ ج ا میں سیدی محمد بن قاسم جسوس تحریر فرماتے ہیں۔

وقد روی ابن المبارک وابن الجوزی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یقم مع شمس قط الا غلب ضوءہ ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوءہ ضوء السراج۔ اھ۔ ولهذا لم یظهر له صلی اللہ علیہ وسلم ظل۔ فقد ذکرہ ابن سبع فی الشفاء ونقله القاضی عیاض فی الشفاء انه لا ظل لشخصه فی شمس ولا قمر ویوجه ذالک ایضا بحفظ ظله الذی هو مثال صورته فی القدر عن الامتداد علی الارض اجلالا اولان الظل المرتسم معرض لارتسام علی الاماکن القذرة ولوطء المارین علیه وبان الظل ملزوم للظلمة فی الجملة بالنسبة الی النور اذهو حجاب له وهو صلی اللہ علیہ وسلم النور المنیر فلا تظهر منه ظلمة وبان الشمس والقمر منه

ابن المبارک اور ابن الجوزی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوتے مگر آپ کا نور سورج پر غالب رہا اور نہ کبھی چاندنی میں کھڑے ہوتے مگر چاند پر آپ کا نور غالب رہا۔ اسی لئے نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا۔ اور ابن سبع نے شفا میں ذکر کیا اور اس کو قاضی عیاض نے شفا میں نقل کیا کہ آپ کے شخص کریم کا سایہ نہ تھا۔ نہ چاندنی میں نہ دھوپ میں اور سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ (جو حقیقت میں آپ کی مثال کے مرتبہ کا ہے) زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا جائے یا گندی جگہوں اور قدموں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رکھنے کیلئے یا اسلئے کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور نور کے لئے حجاب ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام تو نور منیر ہیں بس آپ کا سایہ کس طرح متصور ہو گا۔ یا اسلئے کہ شمس و قمر

ظهر او عنه نشأ فلا يستر ان له اذ المظهر للشی یمتنع ان یکون ساترا لما اظهره ولا یقال کیف یتاتی هذا مع انه صلی الله علیه وسلم بشر کما نطق به القرآن لانا نقول لیست بشریته کبشریة غیره فهو بشر لیس کالبشر کما ان الیاقوت حجر لیس کالحجر کما قال ابی الحسن شاذلی رضی الله عنه فهو مع بشریته نور ولذا لك سمی نورا قاله شیخنا المحقق فی شرح همزیته وفی حدیث عمر رضی الله تعالی عنه. یا عمر ابن الخطاب اتدری من انا انا الذی خلق الله عزوجل. اول کل شیئ نوری. فسجد له فبقی فی سجوده سبع مأة عام فاول کل شیئ سجد له نوری ولا فخر یا عمر اتدری من انا ان الذی خلق الله العرش من نوری والکرسی من نوری واللوح والقلم من نوری ونور الابصار من نوری والعقل الذی

تو آپ کے نور سے مخلوق ہوئے اور آپ کے سبب سے ظہور میں آئے۔ پس آپکے سبب سے انکی روشنی کس طرح چھپ سکتی ہے جتی کہ آپ کا سایہ ہو کیونکہ جو کسی چیز کا مظہر ہو وہ اس کیلئے ساتر نہیں ہو سکتا اگر یہ کہا جائے کہ حضور تو بشر ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے۔ پھر آپ کیلئے سایہ کیونکر نہ ہوگا۔ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آپکی بشریت عام بشریت کی طرح نہیں ہے۔ جیسے یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھروں کی طرح نہیں ہے۔ بقول ابوالحسن شاذلی آپ باوجود بشریت کے نور ہیں۔ اسلئے آپ نور سے موسوم ہوئے شیخ محقق نے شرح ہمزیہ میں کہا کہ حدیث عمرؓ میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے عمرؓ جانتے ہو میں کون ہوں، میں وہ ہوں کہ جس کو اللہ عزوجل نے سب سے پہلے پیدا کیا۔ وہ میرا نور تھا پس میرے نور نے اللہ کو سجدہ کیا اور سات سو سال سجدہ میں رہا پس پہلا ساجد میرا نور تھا اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ اے عمر جانتے ہو میں کون ہوں، میں وہ ہوں کہ اللہ نے عرش کو میرے نور سے پیدا کیا اور کرسی ولوح وقلم کو میرے نور سے پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو میرے نور سے پیدا کیا اور عقل جو لوگوں کے

فی روس الخلائق من نوری و نور	سروں میں ہے۔ وہ بھی میرے نور سے پیدا
المعرفۃ فی قلوب المؤمنین من	کی اور معرفت جو قلوب مومنین میں ہے۔
نوری ولا فخر الا فالانوار والاضوأ	وہ بھی میرے نور سے پیدا کی۔ اور مجھے اس
کلھا من نورہ خلقت و بہ	پر فخر نہیں الخ پس تمام انوار اور اضوأ کو
استنارت فھی الفروع وھو الاصل	حضور کے نور سے پیدا کیا گیا۔ لہذا سب حضور
ولا نسبتہ للفروع بالاصول۔	علیہ السلام کے نور کی فرع ہیں اور آپ کا نور

ان سب کے لئے اصل۔ بھلا فرع کا اصل کے ساتھ کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ دیکھو وہ کیسے شقی العقل ہیں جو فرع کیلئے کمال نفی ظل مانتے ہیں اور اصل کیلئے اس کا انکار کرتے ہیں۔ سعیدی)۔

اس مختصر سی گفتگو کے بعد اب ہم سرفراز صاحب کا وہ کلام پیش کرتے ہیں۔ جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تاریک سایہ ثابت کرنے کیلئے تنقید متین میں وارد کیا ہے۔ جس میں خود ہی اپنی طرف سے اہلسنت کی ایک دلیل وضع کی کہ اہل سنت حدیث ذکوان پر نفی ظل کی بنیاد رکھتے ہیں اور پھر اسی پر جرح کر کے اپنے خیال میں آپ کے لئے تاریک سایہ ثابت کر لیا۔ چنانچہ تنقید متین ص ۱۱۴ پر لکھتے ہیں۔

عن ذکوان ان رسول اللہ	ذکوان سے روایت ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری	صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو سورج
لہ ظل فی شمس ولا قمر۔	میں نظر آتا تھا اور نہ چاند میں۔

حدیث نقل کرنے کے بعد مولوی سرفراز اپنی طرف سے اہل سنت کا استدلال وضع کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ اور جب سایہ نہ تھا تو (معاذ اللہ) آپ بشر

بھی نہ تھے۔ انتہی کلامہ ص ۱۱۵۔

جہاں تک سایہ نہ ہونے کا مسئلہ ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مختار یہ ہے کہ آپ کا سایہ ثابت نہیں اور یہ ایک ظنی عقیدہ ہے۔ جس کے اثبات کیلئے دلائل ظنیہ کافی ہیں۔ کما سیظہر۔ انشاء اللہ۔ لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس پر اہل سنت کی طرف سے جو یہ تفریع بٹھائی ہے۔ کہ جب سایہ نہ تھا۔ تو آپ بشر بھی نہ تھے۔ یہ محض افترا اور کذب خالص کی بدترین مثال ہے۔ اہل سنت کی کتابیں نبی علیہ السلام کی بشریت کے ثبوت اور تحقیق کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ ہم پچھلے صفحات میں صدر الافاضل کا کلام نقل کر چکے ہیں۔ البتہ دیوبندیوں کی طرح نبی علیہ السلام کی بشریت کو عام بشریت کے مماثل ماننا اہل سنت کا عقیدہ نہیں۔ ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے اعتبار سے ممتنع النظیر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ جب بشریت مان لی۔ تو سایہ بھی ماننا ہوگا۔ عناد اور جہل کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں۔ کہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اولاً تو اسلئے کہ آپ کی ذات مقدسہ بشریت کے ساتھ ساتھ نورانیت کی بھی کامل ترین جامع ہے۔ کما ثبت بالدلائل القاھرۃ۔ اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ ثانیاً اسلئے کہ سایہ اس جگہ کی تاریکی کو کہتے ہیں۔ جو کسی جسم کثیف کے نور کی راہ میں حائل ہونے کی وجہ سے واقع ہو۔ اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہے۔ اور اس درجہ لطافت میں ہے کہ نور کے لئے حاجب نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ تاریک سایہ کی موجب ہو۔ سرفراز صاحب گکھڑوی نے ذکوان کی روائیت کو ذکر کرنے کے بعد کہا الجواب اولاً یہ روائیت قابل احتجاج نہیں ۱۱۵ کسی ضعیف روایت کو عقیدہ قطعیہ کے اثبات میں تو بے شک پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ظنی عقیدہ میں ظنی دلائل کافی ہوتے ہیں۔ لہذا اس باب میں یقیناً اس روایت کا اعتبار کیا جائیگا۔ ثانیاً

اسلئے کہ کسی عقیدہ کا اثبات اور شی ہے۔ اور اس کی تائید ایک امر آخر ہے۔ نبی علیہ السلام کی نورانیت قرآن سے ثابت ہے۔ اور نور کو سایہ نہ ہونا لازم ہے۔ پس تائید کے درجہ میں اس روائیت کا اعتبار کسی خدشے کا حامل نہیں۔ ثالثاً یہ کہ آپ کا سایہ نہ ہونا تمام امت کا تقریباً اتفاقی مسئلہ ہے۔ اور تلقی بالقبول کو بھی ناقدین فن نے وجوہ مصححہ سے شمار کیا ہے۔ رابعاً یہ کہ خصائص کبرٰی میں امام سیوطی نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔ کہ انکے نزدیک یہ حدیث قابل تسلیم و احتجاج ہے۔ اور فن حدیث میں جو امام سیوطی کا مقام ہے۔ وہ اپنے پرائے سب تسلیم کرتے ہیں۔ خامساً یہ کہ اگر آپ کو اس روایت سے للٰہی بغض ہے۔ تو چلیئے یہ نہ سہی۔ الوفا سے جو ہم ابن عباس کی متصلا روائیت پیش کر چکے ہیں۔ اسے مان لیجئے اور اگر اس میں بھی تامل ہو تو مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۳۲۲ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث مان لیجئے۔

مدارک التنزیل میں لولا اذ سمعتموہ کے تحت علامہ نسفی حنفی فرماتے ہیں۔

قال عثمان ان اللہ ما اوقع ظلک علی الارض لئلا یضع انسان قدمہ علی ذالک الظل

بلا ریب اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر واقع نہیں کیا۔ تاکہ کہیں کوئی شخص آپ کے سایہ پر اپنا قدم نہ رکھ دے۔

یہ کوئی ذکوان کا قول نہیں ہے۔ کہ آپ کہدیں۔ اسکی براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں اور حدیث مرسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں ہوتی۔ یہ حضرت عثمان ہیں جو سفر و حضر میں۔ رسول اللہ کے جلیس ہیں جن کے سر پر ما انا علیہ و اصحابی کا تاج ہے۔ ہاتھ میں اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم کا پرچم ہے۔ انکے پر علیکم بسنتی کی چھتوں ہے عظیم ان صحابی کا قول یہ جن کا قول بھی حدیث ہے۔ اور پھر وہ بھی بارگاہ نبوی میں پیش ہو کر تقریر سے

حکم مرفوع ہو چکا ہے۔ اور اگر حضرت عثمان کو بھی آپ کے ہاں پذیرائی حاصل نہ ہو تو ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے یہ ہیں مولوی رشید احمد گنگوہی سفینہ دیوبند کے ناخدا۔ امداد السلوک میں ص۸۶ پر لکھتے ہیں۔

و بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت عالی سایہ نداشتند و ظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل مے دارند۔	تواتر سے ثابت ہے کہ آنحضر صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام کا سایہ ہوتا ہے۔

حضرت عثمان اگر آپ کے ہاں مقبول نہیں۔ تو نہ سہی ٹکسال دیوبند کا یہ سکہ تو بہر حال آپ کے ہاں چلتا ہے۔ اب فرمائیے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔ جو مسئلہ تواتر سے ثابت ہو۔ وہ قطعی ہوتا ہے یا ظنی۔ یہ کیسا ظلم صریح ہے۔ کہ ہم اس مسئلہ کو اگر ظن کے درجہ میں مان لیں۔ تو کافر مشرک اور بدعتی سے کم نہیں اور آپ کے پیر مغاں اسے تواتر سے ثابت اور یقین کے درجہ میں مانیں۔ تو پھر شیخ کے شیخ۔ جو چیز شرک و بدعت ہو۔ گنگوہی مہر اسے کیسے توحید و سنت بنا دیتی ہے۔ اور وہ کونسا منتر ہے جس کے عمل سے آپ اپنے مولویوں کو شرک اور بدعت کے فتوؤں سے بچا لیتے ہیں۔ یہود اپنے احبار و رہبان کی عبادت چھوڑ چکے ہیں۔ آپ کے ہاں یہ پوجا کب بند ہو گی۔

المواہب اللدنیہ شرح شمائل محمدیہ ص۳۰ پر ہے۔

ففی روایۃ لابن المبارک و ابن الجوزی لم یکن لہٗ ظل۔	ابن المبارک اور ابن جوزی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

زرقانی ص۲۲۰ ج ۴ پر ہے۔

روی ابن المبارک و ابن الجوزی عن ابن عباس لم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم	ابن مبارک اور ابن جوزی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم

ظل ولم یقم مع الشمس قط الاغلب ضوءہٗ ضوء الشمس۔ کا سایہ نہ تھا۔ اور آپ کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر سورج کی روشنی پر آپکا نور غالب آیا۔

اور یہ ذکوان کی طرح مرسل روایت نہیں۔ بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پیش کردہ حدیث متصل ہے اور روایت کرنے والے ہیں۔ ابن جوزی جیسے ناقد حدیث جو اچھی بھلی حدیث کو موضوع بنا ڈالتے ہیں۔ پس ایسے شخص کی روایت میں تردد کرنا عناد کے سوا کچھ نہیں۔ مولوی سرفراز صاحب کی خیانت اور گمراہکن ذہنیت کا اندازہ اسی امر سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے اہل سنت کے مسلک کی دلیل حدیث ذکوان کو قرار دیا تاکہ رسول اللہ کے کمال نفی ظل پر اچھی طرح دل کا بخار نکال سکیں۔ عظمت رسول کو کم کرنے کا انہوں نے اپنے زعم میں خوب بہاڑ تراشا۔ مگر اس سے غافل تھے۔ کہ یہ رسوائی خود ان کا مقدر بن چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مداحوں کے دامن پر گندگی کا جو ہاتھ انہوں نے بڑھایا تھا۔ وہ اپنی تمامتر نجاستوں سمیت ان کی اپنی ذات کی طرف لوٹ آیا ہے۔

قاضی عیاض مالکی شفا شریف ص ۲۴۳ ج ۱ پر فرماتے ہیں۔

وذکر من انہٗ لا ظل لشخصہ فی شمس ولا قمر لانہٗ کان نورا۔ اور وہ جو مذکور ہے کہ آپ کا چاند سورج میں سایہ نہ پڑتا تھا پس وہ اسلئے ہے کہ آپ نور ہیں۔

شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض جز ۳ ص ۳۱۹ پر اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

لاظل لشخصہ ای جسدہ الشریف اللطیف یعنی آپکے جسد شریف لطیف کا سایہ نہ تھا اور لطیف کے لفظ میں یہ لطیف اشارہ موجود ہے کہ آپ کی بشریت کثافت

سے منزہ ہو کر لطافت کے اس درجہ میں تھی کہ روشنی کیلئے حاجب نہ ہوتی تھی کہ حتی کہ تاریک سایہ کا موجب ہوتی۔ اسی بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

هذا رواه صاحب الوفا عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل

اس کو (ابن جوزی) صاحب کتاب الوفا نے ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

غور فرمایئے کہ ان تمام اکابر علماء نے نفی ظل کی بنا حدیث ابن عباسؓ پر کی ہے۔ لیکن مولوی سرفراز نے اس حدیث حسن کو چھوڑ کر اس مسئلہ کو حدیث ذکوان پر مبنی قرار دیا تاکہ اسی روایت کے ضعف اور ارسال سے اصل مسئلہ میں ضعف ثابت کر سکیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قاضی عیاض کے قول لانہ کان نورا۔ کی شرح میں ملا علی قاری حنفی شرح شفاء ص۵۲ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ای بنفسہ والنور لا ظل لہ لعدم جرمہ وھذا المعنی ما فی النوادر ولفظہ لم یکن لہ ظل فی شمس ولا قمر ونقلہ الحلبی عن ابن سبع ایضا

یعنے حضور نور بذاتہ ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کثافت نہیں ہے اور جو مضمون نوادر میں وارد ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں۔ اسکو حلبی نے بھی ابن سبع سے نقل کیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ مدارج النبوت ص۲۱ جلد ۱ پر فرماتے ہیں۔

ونور یکے از اسماء آنحضرت است ونور را سایہ نمے باشد۔

اور نبی علیہ السلام کے اسماء میں سے ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا

نیز یہی شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ ص۱۴۱ ج ۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وعثمان بن عفان رضی اللہ عنہما گفت کہ سایہ شریف تو بر زمین نمی افتد کہ مبادا بر زمین نجس افتد	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہ کہیں نجس زمین پر نہ پڑے۔

تفسیر عزیزی ص۲۱۹ پ ۳۰ میں شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں۔

وسایہ ایشاں برزمین نیفتاد	اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

کیا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے

مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ اصل میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے انتھی کلامہ ــــ کیا خیال ہے آپ کا کہ حضرت عثمانؓ حضرت ابن عباسؓ۔ امام سیوطی، شافعی۔ قاضی عیاض مالکی ،علامہ ابو البرکات نسفی حنفی ملا علی قاری حنفی۔ شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی ،علامہ بجوری شہاب الدین خفاجی۔ ابن مبارک اور ابن جوزی یہ تمام صحابہ اور اکابر ائمہ دین حضرات شیعہ تھے

جب عہد رسالت سے لیکر شاہ عبد العزیز تک تمام اکابر مسلمین حضور کے سایہ نہ ہونے کے قائل تھے۔ تو آپ کے انکار پر کون کان دھریگا اور یہ جو آپ نے صحابہ سے لیکر شاہ عبد العزیز تک تمام مسلمانوں کو بیک جنبش قلم شیعہ بنا ڈالا ہے۔ بھلا علم و تحقیق کی کسوٹی پر ایسی بے سرو پا بات کون مانے گا۔

اور اگر واقعی سایہ نہ ہونا شیعہ کا مسئلہ ہے۔ تو جناب والا گستاخی معاف پھر سب سے بڑے شیعہ تو مولوی گنگوہی ہیں۔ جو لکھتے ہیں۔ آپ کا سایہ نہ ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ اور دوسرے نمبر پر مولوی اشرف علی تھانوی ہیں۔

شکر النعمہ صنا پر لکھتے ہیں۔ یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا یا پھر عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند شیعہ ہیں جو عزیز الفتاوی ص ج ۸ پر لکھتے ہیں۔ امام سیوطی نے خصائص کبری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر الخ۔

بہتر ہوگا کہ مولوی سرفراز صاحب خدا سے توبہ کر کے لوٹ آئیں۔ ورنہ جس ڈگر پر انہوں نے چلنا شروع کیا ہے۔ وہ اس میں بالکل تنہا رہ گئے ہیں۔ حتی کہ عمائد دیوبند بھی ایک ایک کر کے ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ یہ خیر خواہی سے ایک نصیحت پیش کی گئی ہے۔ ورنہ ذہن ان کا ہے۔ قدم ان کے ہیں۔ منزل ان کی ہے۔ جادہ ان کا

اثبات ظل کے دلائل اور انکے جوابات

مولوی سرفراز صاحب نے ص۱۱ پر اثبات ظل میں دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ پہلی حدیث کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ نے آپکو ہاتھ بڑھاتے ہوئے دیکھا۔ اور پھر پیچھے ہٹاتے ہوئے دیکھا۔ بعد آپ سے اسکی حکمت پوچھی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ پہلے مجھ پر جنت پیش کی گئی۔ اور پھر دوزخ۔ حتی رأیت ظلی وظلکم فیھا۔ یہاں تک کہ اس آگ میں میں نے اپنا اور تمہارا

ما اس حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ یہاں تک کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اپنے فاسد عقیدہ کی جگہ بنانے کیلئے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ یہاں تک کہ میں نے اس آگ کی روشنی میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔

سایہ دیکھا۔ الحدیث۔

حدیث کافی طویل ہے لیکن جس مرکزی نقطہ اور جن خاص الفاظ سے استدلال کیا گیا ہے۔ انہیں ہم نے پیش کر دیا ہے۔

جواباً گزارش ہے کہ اگر قرآن کی طرف التفات کئے بغیر محض لفظ ظل کے اطلاق سے تاریک سایہ ثابت ہو جاتا ہے۔ تو حدیث مبارک میں سبعۃ یظلھم اللہ بظلہ اور یوم لا ظل الا ظلہ سے کیا اللہ تعالٰے کیلئے بھی۔ العیاذ باللہ سایہ ثابت کیجئے گا۔ ثانیاً یہ کہ رائیت ظلی و ظلکم فیھا۔ یعنی میں نے دوزخ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ اس جملہ میں ظل اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے۔ کیونکہ دوزخ کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشن نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آپ نے اپنے کمزور مطالعہ سے سمجھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مشکوٰۃ شریف۔ باب صفۃ النار فصل ثانی کی پہلی حدیث میں ہے۔

فھی سوداء مظلمۃ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے پس مولوی سرفراز کا حدیث کے ترجمہ میں اپنی طرف سے یہ بڑھانا کہ اس آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ علمی بے مائیگی کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے۔ وہاں روشنی کا کیا کام۔ اور پھر کس قدر حیرت ہے کہ مولوی سرفراز صاحب نے اپنے ناپاک عقیدہ کو ثابت کرنے کیلئے حدیث میں تصرف کیا۔ اور روشنی کا لفظ بڑھا کر سایہ کے جواز کا چور دروازہ نکال لیا۔ اور اس طرح جو بات حضور نے نہیں فرمائی۔ اسے آپ کی طرف منسوب کر کے العیاذ باللہ جہنم کے سیاہ اندھیروں اپنا مقام بنا لیا۔ بہر حال دو طرح ثابت ہو گیا کہ یہاں ظل کا لفظ اپنی اصل پر محمول نہیں۔ ایک تو اسلئے کہ آپ نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا دوسرا

اس لئے کہ جہنم میں سایہ دکھائی دینا معقول ہی نہیں ہے کیونکہ جہنم تو سیاہ تاریکی ہے اور سایہ روشنی میں متحقق ہوتا ہے۔ پس ان دو قرینوں سے تعین ہو گیا کہ یہاں پر لفظ ظل مجاز پر محمول ہے۔ اور ظل مجازی طور پر شخص کے معنی میں آتا ہے۔

معالم التنزیل میں ہے۔ وقیل ظلالھم ای اشخاصھم پس معنی حدیث یہ ہے کہ میں نے جہنم کو دیکھا اور اس میں اپنے اور تمہارے اشخاص کو دیکھا اور جہنم میں دیکھنے سے حضور نے یہ تعبیر لی کہ آپ کے وصال کے بعد امت فتنوں میں مبتلا ہوگی۔ باقی جہنم میں دیکھنے کا مطلب مجاز بالمشارفۃ کے طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود یا صحابہ کو جہنم کے قریب یا اس کے کنارے دیکھا ہو۔ اور اگر خود جہنم میں دیکھنا بھی وارد ہو۔ تو معاذ اللہ وہ کس طرح تنقیص شان کا موجب نہیں کیونکہ جہنم میں ہونا۔ صرف کفار کیلئے موجب عذاب واہانت ہے۔ ہر ایک کیلئے نہیں۔ ورنہ خزنۃ جہنم بھی تو جہنم میں موجود ہیں اور وان منکم الا واردھا کے تحت مفسرین کہتے ہیں۔ کہ تمام مومنین کا جہنم سے گذر ہوگا۔ مگر ان کیلئے یہ باعث نشاط وسرور ہوگا اور کفار کے لئے یہی گذر موجب عذاب واہانت ہوگا۔

دوسری حدیث جس سے مولوی سرفراز صاحب نے نبی علیہ السلام کیلئے ایک سایہ ثابت کیا۔ اس کا خلاصہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے۔

"حضرت زینب فرماتی ہیں۔ کہ میں آپ سے ناامید ہو گئی اور میں نے اپنی چارپائی وہاں سے ہٹا دی۔ اذا انا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبلا الخ فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھا جو میری طرف آ رہا تھا" تنقید متین ص ۱۹

اس حدیث میں بھی ظل سے مراد شخص ہے کیونکہ ہم پہلے دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اسلئے ہمارے

نزدیک اس حدیث میں بھی ظل شخص کے معنی پر محمول ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے

بادل کا سایہ فگن ہونا

سرفراز صاحب تنقید متین ص ۲۲ پر ایک شیعہ عالم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ۔

"آپ کا سایہ نہ تھا کہ ہمیشہ بادل آپ کے درمیان اور سورج کی ٹکیا کے درمیان حائل رہتا تھا" اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"ان کی اس تاویل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ سے سایہ کی جو نفی ہو رہی ہے۔ اس سے وہ بھی مطمئن نہیں ہیں۔ اور تاویل پر مجبور ہیں۔ لیکن قطع نظر اس کے کہ ہمیشہ آپ کے سر مبارک پر بادل کے سایہ کا کسی صحیح حدیث سے ثبوت نہیں اس لحاظ سے بھی مشکل ہے کہ پورے تریسٹھ سال تک سورج اور چاند میں دن اور رات کو سفر اور حضر میں ہمیشہ بادل کا سایہ آپ کے سر پر ہوتا رہا ہو"

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم کا سایہ نہ ہونا ہمارے نزدیک آپ کی نورانیت پر مبنی ہے اور اس کو ٹھوس حوالوں سے ثابت کر دیا ہے۔ مولوی سرفراز صاحب کا شیعوں کی روایت سے حضور کے سایہ نہ ہونے کی وجہ بادل کا سایہ فگن ہونا۔ ذکر کرنا۔ اور پھر اس بحث کو طول دے کر بادل کے سایہ نہ کرنے پر حدیث پیش کرنا در اصل خلط مبحث کی ناکام کوشش ہے۔ بایں ہمہ ہم ان کے غور و فکر کے لئے دو حوالے پیش کرتے ہیں۔

ذریت دیوبند کے معنوی جد امجد شاہ ولی اللہ "انفاس العارفین" ص ۴۳ پر اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک رات نبی اکرم علیہ السلام نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو ملاقات سے مشرف فرمایا۔ اور از راہ عنایت انہیں دو موئے مبارک بھی عنایت فرمائے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب نے وہ بال نکالے اور بعض شخصوں نے اس بات کا انکار کیا کہ وہ حضور کے موئے مبارک ہیں اور بحث چل پڑی۔

چوں مناظرہ بامتداد انجامید آں عزیزاں ہر دو موئے در آفتاب بردند ہماں ساعت ابرپارہ ظاہر شد حال آنکہ آفتاب بسیار گرم بود موسم ابر ہرگز نبود یکے توبہ کرد و دیگر گفتند قضیہ اتفاقیہ است۔ دیگر بار آوردند ابر پارہ ظاہر شد دیگرے توبہ کرد۔ سومے گفت ایں نیز قضیہ اتفاقیہ است۔ سہ بار بر آفتاب بردند دیگر وار ابر پارہ ظاہر شد سیومے نیز در سلک تائبان منسلک گشت

جب مناظرہ طوالت کو پہنچا تو وہ لوگ ہر دو موئے مبارک کو دھوپ میں لے گئے۔ اسی وقت ابر کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا حالانکہ اس وقت سورج خوب گرم تھا اور موسم ابر کا نہ تھا تینوں میں سے ایک نے توبہ کر لی۔ اور باقی دو کہنے لگے کہ اتفاقاً بادل آ گیا ہوگا۔ دوسری مرتبہ لے گئے اور دوسری بار بادل آ گیا دوسرا بھی تائب ہو گیا لیکن تیسرے نے کہا ممکن ہے یہ بھی اتفاق ہو۔ تیسری مرتبہ لے گئے تیسری بار ابر پھر ظاہر ہوا اور تیسرا منکر بھی تائب ہوا۔

تفسیر عزیزی ص ۲۱۹ آپ پر شاہ عبدالعزیزؒ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

و ہمیشہ ابر در وقت حرارت گرما بر ایشاں سایہ مے داشت۔

اور ابر ہمیشہ گرمی کے وقت آپ کے اوپر سایہ کرتا تھا۔

اس موضوع پر بھی وسیع کلام کی گنجائش ہے لیکن چونکہ آپ کے ہاں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اسلئے انکے دو حوالے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اب ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے گا کہ شاہ ولی اللہ اور تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز حضور کیلئے بادل کا سایہ مان کر شیعہ ہو گئے یا تاہنوز سنی رہے اگر وہ شیعہ ہو گئے تو آپ نے جو اپنی کتاب میں انکی عبارتوں سے اندھا دھند استشہاد کیا ہے۔ اسکی کیا وقعت رہ گئی اور اگر وہ سنی رہے تو کیا آپ اپنے اس قول سے رجوع کریں گے کہ بادل کا سایہ کرنا شیعہ کا مسئلہ ہے؟

حاضر و ناظر

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ویکون الرسول علیہم شہیدا کے ترجمہ میں فرمایا۔ "اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ" اس پر مولوی سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمایئے۔

مفسرین کرام نے شہید کے معنی حاضر قائم بالشہادۃ ناصر اور امام وغیرہ کئے ہیں۔ خان صاحب نے جب یہ محسوس کیا کہ گواہ کیلئے مجلس میں موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ الشہادۃ بالتسامع (یعنی سن کر گواہی دینا) بھی درست ہے تو نگہبان کا لفظ خانصاحب نے زیادہ کیا تاکہ انکے مسلک کے اختراعی عقیدہ حاضر و ناظر پر روشنی پڑے۔" تنقید متین ص ۱۲۳

اس تنقید میں مولوی سرفراز صاحب نے تمام تفاسیر سے یا تو تجاہل عارفانہ برتا ہے یا واقع میں جاہل ہیں۔ یا مفسرین کی وہ تمام عبارات جو ان کے عقیدہ فاسدہ کے خلاف تھیں۔ انہیں صیہونی ہاضمہ کی بھینٹ چڑھا کر تمام دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں بہر حال انہوں نے جو کچھ کیا اپنے حق میں اچھا نہیں۔ کیونکہ دنیا کے سامنے جب اُن کی تنقید کی حقیقت واضح ہو گی تو سوائے رسوائی کے آنسوؤں کے کوئی ان کا غمگسار نہ ہو گا۔

اس مقام پر مفسرین کرام نے شہید کے کس معنی پر اعتماد کیا ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ نے نگہبان کے لفظ کو کس حکمت کے پیش نظر ترجمہ میں ذکر کیا۔ یہ ہم ابھی ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔ دیکھئے تفسیر روح البیان میں علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمتہ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:۔

ان قلت ان الشاھد اذا اضر بشھادتہ عدیت الشھادۃ بکلمۃ علٰی واذا نفع بھا تعدی باللام فیقال شھد لہ. والرسول علیہ السلام لما زکی امتہ وعدلھم بشھادۃ انتفعوا بھا فالظاھر ان یقال فیکون الرسول لکم شھیدا بخلاف شھادۃ الامۃ علی الناس فانھا علیھم حیث استضروا بھا فکلمۃ علی فیھا واقعۃ فی موضعھا قلت ھذا مبنی علی تضمین الشھید معنی الرقیب والمطلع فعدی تعدیتہ۔

اگر تو یہ کہے کہ شاہد جب اپنی شہادت سے ضرر پہنچائے تو شہادت کو کلمہ علی سے متعدی کرتے ہیں اور جب اپنی شہادت سے نفع دے تو شہادت کو لام سے متعدی کرتے ہیں پس کہا جاتا ہے شہدلہ (اُس کے حق میں گواہی دی) اور رسول کریم نے جب اپنی شہادت سے امت کا تزکیہ کیا اور انکی تعدیل کی تو امت آپ کی گواہی سے نفعیاب ہوئی پس بظاہر ویکون الرسول لکم شہیدا کہنا چاہیئے تھا۔ بخلاف لوگوں پر امت کی گواہی کے کیونکہ انکی شہادت ان لوگوں کے لئے باعث ضرر تھی پس اس کا کلمہ علی سے متعدی ہونا اپنی اصل پر ہے۔ تو میں اسکے جواب میں کہوں گا کہ شہید کا علی کے ساتھ متعدی ہونا اس امر پر مبنی ہے کہ شہید رقیب (نگہبان) اور مطلع کے معنی کو متضمن ہے اور رقیب چونکہ علی کیساتھ متعدی ہوتا ہے اسلئے شہید کیساتھ علی لایا گیا۔

اعلٰی حضرت قدس سرہٗ کی جلالت علمی

صاحب روح البیان کے اس بیان سے خوب واضح ہوگیا کہ شہید یہاں پر نگہبان کے معنی کو متضمن ہے۔ اور شہید کے ساتھ اگر نگہبان کے معنی کا لحاظ نہ کیا جائے۔ اور اُسے اپنے ظاہر پر چھوڑ دیا جائے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ "یہ رسول تمہارے خلاف گواہ" اور یہ معنی بالاجماع مراد نہیں۔ پس اعلٰی حضرت قدس سرہ العزیز کے کمال علمی پر داد دینی پڑتی ہے۔ کہ انھوں نے گواہ کے ساتھ نگہبان کا لفظ ذکر کرکے

اس طرف اشارہ فرما دیا۔ کہ علی یہاں پر شہادت کا صلہ نہیں۔ بلکہ شہید جس رقیب کے معنی کو متضمن ہے۔ یہ اس کا صلہ واقع ہے۔

علامہ بیضاوی علیہ الرحمتہ اسی آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

ولما کان الرسول علیہ السلام کالرقیب المہیمن علی امتہ عدی بعلی	اور چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لئے نگہبان کی طرح ہیں۔ اس لئے (شہید) کو علی سے متعدی کیا گیا۔

مدارک التنزیل میں علامہ نسفیؒ ارقام فرماتے ہیں۔

ولما کان الشہید کالرقیب جیٔ بکلمۃ الاستعلاء	اور جبکہ لفظ شہید رقیب (نگہبان) کی مثل ہے تو کلمہ استعلاء یعنی علی کو لایا گیا

تفسیر ابی سعود میں ہے۔

وکلمۃ الاستعلاء لمافی الشہید من معنی الرقیب والمہیمن	اور کلمہ استعلاء یعنی علی کو اسلئے لایا گیا کہ لفظ شہید مطلع اور نگہبان کے معنی کو متضمن ہے

سرفراز صاحب سے گذارش ہے کہ اگر ترجمہ میں نگہبان کے معنی کا ملحوظ رکھنا ان کے نزدیک قرآن میں تحریف ہے تو علامہ بیضاوی علامہ نسفی اور ابو سعود نے جو رقیب اور مہیمن سے تفسیر کی ہے تو کیا یہ مفسرین آپکے نزدیک محرف نہیں اور صاحب روح البیان نے جو قائم کیا ہے آپ اس معنی کا لحاظ کے بغیر اس اشکال کا جواب دے سکتے ہیں دیدہ باید۔

مفسرین کرام کی عبارتوں کے سامنے آجانے سے اب یہ بات پردہ میں نہیں رہی کہ شہید اس مقام پر مطلع اور نگہبان کے معنی کو متضمن ہے لیکن چونکہ اس معنی میں عظمت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلو ہے۔ اسی لئے مولوی سرفراز صاحب کو کسی تفسیر میں یہ معنی نظر نہیں آیا اور انہوں نے اس معنی کو اعلیٰ حضرت کی اختراع قرار دیا۔ اور اب چونکہ وہ روشنی میں آچکے ہیں۔ اسلئے ناظرین کرام

پر واضح ہو جائیگا کہ اس مقام پر شہید کے معنی ہیں نگہبان کا ذکر کرنا اعلیٰ حضرت کی عظمت علمی ہے۔ یا نگہبان کے ذکر پر چیں بجبیں ہونا مولوی گکھڑوی صاحب کی جہالت ہے۔

صدر الافاضل کی تفسیر اور اس پر تائید

صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے آیۂ زیر نظر کی مندرجہ ذیل تفسیر ارقام فرمائی ہے "اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکرم نور الٰہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال اور اس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں (مسئلہ) اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت امت کے حق میں مقبول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے اپنے زمانہ کے حاضرین کے متعلق جو کچھ فرمایا۔ " مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے فضائل و مناقب یا غائبوں اور بعد والوں کے لئے مثل حضرت اویس علیہ الرحمتہ اور امام مہدی وغیرہ اس پر اعتقاد واجب ہے"

اس تفسیر پر مولوی سرفراز صاحب تنقید کرتے ہیں ص ۱۲۰۔ اور مولوی نعیم الدین صاحب نے تو صاف لفظوں میں لکھدیا کہ "آپ ہر شخص کی حقیقت ایمان اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق پر مطلع ہیں لیکن یہ نظریہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ و صریحہ کے سراسر خلاف ہے"

آئیے اب دیکھیں کہ نصوص قطعیہ اور احادیث صریحہ کے خلاف تفسیر کرنے کے جرم میں اور کون کون شریک ہے۔ یہ ہیں ذریت دیوبند کے معتمد علیہ و معنوی جد امجد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی عبارتوں کو مولوی گکھڑوی نے اپنی کتاب میں اندھا دھند پیش کیا ہے۔ وہ اسی آیت شریفہ کے تحت تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں۔

یعنی و باشد رسول شما بر شما گواہ زیرکہ   یعنے تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ

او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر
متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از
دین من رسیدہ و حقیقتِ ایمان او
چیست و حجابے کہ بداں از ترقی
محجوب ماندہ است کدام است پس
او مے شناسد گناہانِ شمارا و درجاتِ
ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا
و اخلاص و نفاق شمارا و لہذا شہادت
او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول
و واجب العمل است و آنچہ او از
فضائل و مناقب حاضرانِ زمانِ
خود مثل صحابہ و ازواج و اہل بیت رض
یا غائبانِ از زمانِ خود مثل اویس و
مہدی و مقتولِ دجال یا معائب و
مثالب حاضراں و غائباں میفرمائد
اعتقاد براں واجب است و ازیں است
کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر
اعمال امتیانِ خود مطلع میسازند
کہ فلانے امروز چنیں میکند و فلانے
چناں تا روزِ قیامت ادائے شہادت
تواند کرد۔

وہ نورِ نبوت سے ہر دین دار کے دین پر
مطلع ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا
ہوا ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت
کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ
دین میں ترقی نہ کر سکا۔ وہ کونسا ہے۔
پس وہ تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات
اور تمہارے اچھے اور برے اعمال اور
اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں۔ اسی لئے
امت کے دنیاوی احکام میں آپ کی گواہی
بحکم شرع مقبول اور واجب العمل ہے اور نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانے کے حاضرین
مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضی اللہ عنہم
اجمعین یا غائبین مثلاً اویس و مہدی اور
مقتولِ دجال کے فضائل و مناقب بیان
فرمائے ہیں یا اپنے زمانے کے حاضر و غائب
لوگوں کے عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں۔
ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اسی قبیل سے
ہے جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت
کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں آج
یہ کرتا ہے اور فلاں یہ۔ تاکہ قیامت کے
دن ان پر گواہی دے سکیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس نورانی کلام کو ملاحظہ فرمائیے۔ اور دیکھئے کہ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی یہ تفسیر بعینہٖ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مضمون کی تعبیر ہے یا نہیں۔ پھر یہ کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ یہی بات اگر شاہ صاحبؒ فرمائیں تو وہ حق و صواب اور اگر صدر الافاضل وہی بات کہہ دیں تو وہ نصوص صریحہ کے خلاف ہو جاتی ہے۔ مولوی سرفراز صاحب کو اگر صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے کلام پر سب و شتم کرنا ہی تھا تو پہلے شاہ صاحبؒ کی تفسیر کے تمام نسخوں کو دریا برد کر دیتے۔ ورنہ جب تک دنیا میں تکیہ دیوبند کی یہ تفسیر موجود ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں سلامت ہیں تو اس وقت تک مولوی سرفراز صاحب کے اس دجل و فریب کو کوئی وقعت نہیں دیگا۔ اور اس کلام پر اُن کی تنقید اہلِ حق کی نگاہوں میں ذلّت و رسوائی کا آخری نشان بن کر رہ جائے گی۔

تفسیر عزیزی کے بعد روح البیان سے اسی مقام کی تفسیر میں ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

و معنی شهادة الرسول علیهم	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا
اطلاعه علی رتبة کل متدین بدینه	مطلب یہ ہے کہ آپ ہر دیندار کے دینی مرتبہ اور
وحقیقته التی هو علیها من دینه	اس کے دین کی حقیقت پر مطلع ہیں اور اُس
وحجابه الذی هو محجوب عن کمال	حجاب سے بھی واقف ہیں جس کی وجہ سے
دینه فهو یعرف ذنوبهم وحقیقة	وہ اپنے کمالِ دینی سے محجوب ہے پس حضور صلی اللہ
ایمانهم واعمالهم وحسناتهم و	علیہ وسلم لوگوں کے گناہوں۔ ایمان کی حقیقت۔ انکی نیکیوں
سیئاتهم واخلاصهم ونفاقهم و	اور برائیوں اُن کے اخلاص و نفاق اور اسکے
غیر ذالك بنور الحق۔	علاوہ باقی تمام امور پر نور ربانی سے واقف ہیں۔

روح البیان کی یہ شہادت ان دلوں پر یقیناً گراں گذرے گی۔ جو تنقیص نبوت

کی تسبیح پر اپنے ایمان کے درجات کا شمار کرتے ہیں جن کی نگاہیں فضائل رسالت کی تیز روشنی میں شپرہ ناہنجار کی طرح بینائی کھو دیتی ہیں۔ اور بغض نبوت کے سیاہ فام اندھیروں میں جن کا دیدہ غارت گر مستعد اور فعال ہو جاتا ہے

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل پر جو مشق ستم مولوی سرفراز صاحب نے کی ہے اور آپ کی وسعتِ علمی پر جو گھر سے تیر پھینکے ہیں انہیں ہم سطور ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رہنے والے بعض منافقین کے نفاق کو بھی نہ جانتے تھے۔

(۲) سورۂ نور میں حضرت عائشہ رضؓ پر اتہام کا اور پھر اُن کی صفائی کا ذکر ہے اگر آپ ہر شخص کی حالت سے واقف ہوتے تو اُم المؤمنینؓ کو پیچھے چھوڑتے ہی کیوں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سچے صحابی (حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ) کو جھوٹا فرمایا اور منافقین کو سچا فرمایا لیکن نزول وحی کے بعد حقیقت منکشف ہوئی۔

(۴) سورۂ تحریم میں حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہؓ کی ایک خاص کارروائی کا ذکر ہے۔ جس کی وجہ سے آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا۔ اور اُن اصل کارروائی اور حالات کا علم نزولِ سورت کے بعد ہوا۔

(۵) حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا تھا جس کو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تلاش کیا۔ اور دیگر صحابہ کرام نے بھی تلاش کیا۔ مگر نہ ملا۔ حاضر و ناظر سے بھی بھلا کوئی چیز مخفی رہتی ہے۔

(۶) سنہ ۷ھ میں خیبر کے مقام پر آپ کی زہر خورانی کا واقعہ موجود ہے جس سے صاف طور پر یہ بات واضح تر ہو جاتی ہے۔ کہ آپ کو غیب کا علم نہ تھا اور نہ آپ نگہبان ہیں (تنقید متین صد ۱۲۴ و صد ۱۲۵ ا)۔

علم رسالت پر طعن طریقہ منافقین ہے

اس سے پہلے کہ ہم ان سوالوں کے جوابات پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کو اس معدن پر مطلع کریں جہاں سے بغض رسالت کا یہ لاوا پہلی بار پھوٹا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبحر علمی پر جن سوالات کا اعادہ گھڑ سے کیا گیا ہے۔ اُن کی اختراع کس ذہن نے کی تھی۔ تفسیر خازن میں ماکان اللہ لیذر المؤمنین علیٰ ما انتم علیہ کے شان نزول میں علامہ خازن فرماتے ہیں۔

قال السدی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرضت علی امتی فی صورہا فی الطین کما عرضت علیٰ آدم و اعلمت من یومن بی و من یکفر بی فبلغ ذلک المنافقین فقالوا استہزاءً زعم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انہ یعلم من یومن بہ و من یکفر ممن لم یخلق بعد و نحن معہ و ما یعرفنا فبلغ ذالک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فقام علی المنبر فحمد اللہ تعالیٰ و اثنی علیہ ثم قال ما بال اقوام طعنوا فی علمی لا تسئلونی عن شئی فیما بینکم و بین الساعۃ الا نبأتکم بہ فقام عبد اللہ بن حذافۃ

سدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت اپنی خاکی صورت میں اس طرح پیش کی گئی جس طرح حضرت آدم پر پیش کی گئی تھی اور مجھے بتلا دیا کہ مجھ پر کون ایمان لائیگا اور کون نہیں لائے گا جب بات منافقین تک پہنچی تو انہوں نے استہزا کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یوں گمان کرتے ہیں۔ کہ انہیں جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے انکے بارے میں بھی علم ہے کہ ان میں سے کون ان پر ایمان لائیگا اور کون کفر کریگا۔ حالانکہ ہم انکے درمیان رہتے ہیں۔ اور انہیں ہمارے نفاق کا علم نہیں پس جب یہ بات رسول اللہ تک پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو میرے علم پر طعنہ زنی کرتے ہیں تم لوگ اب سے قیامت تک کسی بات کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھو گے۔ مگر میں تم کو اس کی خبر دونگا۔ پس عبداللہ بن حذافہ سہمی (رضی اللہ عنہ) (باقی حدیث معہ ترجمہ بر صفحہ ۱۹۶)

السهمی (رضی اللہ عنہ) فقال من ابی یا
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فقال حذافة
فقام عمر فقال یا رسول اللہ رضینا
باللہ ربا وبالاسلام دینا وبالقرآن
اماما وبک نبیا فاعف عنا عفا اللہ
عنک فقال النبی صلے اللہ علیہ
وسلم فهل انتم منتهون فهل
انتم منتهون ثم نزل عن المنبر
فانزل اللہ هذه الآیة

سہمی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض گذار
ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا
باپ کون ہے تو حضور نے فرمایا۔ حذافہ پھر
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض
کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اللہ
کی ربوبیت پر راضی ہیں۔ اسلامی دین پر
خوش ہیں۔ ہم قرآن کی امامت مانتے ہیں
آپکی نبوت پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپکے
درجات بلند کرے آپ ہمیں معاف فرما
دیجئے پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر فرمایا کیا تم رُکنے والے ہو۔ کیا تم رُکنے والے ہو پھر اللہ تعالٰے نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اس حدیثِ صریح سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام امت کے ایمان وکفر پر مطلع ہیں۔

(۲) منافق آپکے اس دعوٰی پر طعنہ زن ہوئے کہ اگر آپ سب کے ایمان وکفر پر مطلع ہیں تو ہمارا نفاق کیوں آپ سے مخفی ہے۔

(۳) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر دعوٰی فرمایا کہ اب سے قیامت تک کی جو بات چاہو۔ پوچھو۔

(۴) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے علم پر طعنہ زنی سے ناراض ہوئے۔

(۵) حضرت عمر اور عبداللہ ابن حذافہ رضی اللہ عنہما آپ کی وسعتِ علمی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

حوالہ خازن کی تحریر تفصیل اور اس تجزیہ کے بعد اب ناظرین پر مخفی نہ رہا

ہوگا کہ پس افگندہ منافقین سے خوشہ چینی کر کے مولوی سرفراز نے اپنے آپ کو کس صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ اور کیا اب یہ صراحت ضروری ہے کہ علم رسالت پر طعن کرنا کس کا انداز فکر ہے۔ اور علم نبوت کی وسعتوں کو ماننا کس کا طریقہ ہے اور وہ جزدی واقعات جو مولوی سرفراز صاحب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاعلمی ثابت کرنے کے لئے پیش کئے ہیں۔ ہمیں کسی طرح مضر نہیں کیونکہ باوجود علم کے کسی امر کی طرف سے توجہ ہٹ جانا۔ ایک حقیقت ثابتہ ہے اور علماء دیوبند کو بھی مسلم ہے۔ دیکھئے عقائد علماء دیوبند ص ۳۱۔ ثانیا یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں الی حین الوصال مکمل ہُوا۔ سرفراز صاحب نے جس قدر واقعات حضور کی بے علمی ثابت کرنے کیلئے پیش کئے ہیں۔ سب نزول قرآن کے دوران تھے اور تدریجا ان کا علم حضور کو حاصل ہوتا رہا۔ اگر سرفراز صاحب واقعی حضور کی بے علمی ثابت کرنے کیلئے بیقرار ہیں۔ تو ثابت کریں۔ کہ آپ کو فلاں امر کا علم وصال تک حاصل نہیں ہُوا۔ ویدونہ خرط القتاد۔

انتہائی افسوسناک امر یہ ہے کہ مبتدعین دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت کرنے کیلئے ہمیشہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ برسر عام بازاروں میں مساجد کے منبروں پر کتاب کے صفحات پر کہیں یہ اس واقعہ کو بیان کرنے سے نہیں چوکتے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ اگر ان کی ماں پر اس قسم کی تہمت لگائی جاتی تو کیا یہ اس بات کو پسند کرتے کہ وہ تہمت خواہ غلط ہی ہو اسکو برسر عام بیان کیا جائے پھر ام المؤمنین کے اس واقعہ کو بیان کرنے میں انہیں کوئی حیا کیوں نہیں آتی۔ کیا اس طرز عمل سے ام المؤمنین اور نبی علیہ السلام کو ایذا

نہیں پہنچتی۔ اسی طرح مسئلہ حاضر ناظر کو مولوی سرفراز صاحب کا بار بار استہزاءً ذکر کرنا فضائل نبوت سے لہو ولعب کے مترادف ہے۔

حاضر وناظر کا ثبوت

ہماری تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسم اقدس کے ساتھ روضۂ منورہ میں تشریف فرما ہیں۔ اور تمام کائنات آپ کے سامنے حاضر ہے۔ جسے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں۔ اگر آنِ واحد میں امکنۂ متعددہ پر تشریف لے جانا چاہیں۔ تو یہ بھی ممکن ہے۔ یہی حاضر و ناظر کا صحیح مفہوم ہے نہ یہ کہ آپ اپنے مجھور جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے اہل سنت پر افتراء باندھا اور پھر اسے بنیاد بنا کر لغو اور لایعنی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جہاں تک آپ کے ملاحظہ فرمانے کا تعلق ہے۔ ہم نے نگہبان کی تائید میں جو عبارات پیش کی ہیں۔ ان میں اس کے ثبوت کا کافی مواد موجود ہے۔ وللتفصیل موضع اخر۔ اجمالی طور پر یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ حاضر ناظر کے اثبات کیلئے آپ کی حیات اور لوازمات حیات کے بالفعل متحقق ہونے کا اور آنِ واحد میں امکنۂ متعددہ پر موجود ہونے کے امکان کا اثبات ضروری ہے۔

حیات حیات کے بارے میں کچھ گفتگو ہم اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

مبتدعین دیوبند کے سرخیل مولوی قاسم نانوتوی لطائف قاسمیہ صد ۳ پر لکھتے ہیں۔ "عقیدہ دل سے آگاہ کئے دیتا ہوں۔ اس ضمن میں کسی دلیل یا مثال کی طرف بھی اشارہ ہو جاوے۔ تو ہو جاوے۔ انبیاء کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔"

لطائف قاسمیہ صد ۴ پر لکھتے ہیں۔

"تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاصکر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔ مگر اس صورت میں یہ اجتماع موت وحیات ایسا ہوگا۔ جیسا وقت حرکت کشتی جانشین کشتی کا حرکت وسکون۔ جیسے یہاں سکون اصلی ہے۔ اور حرکت عرضی ایسی ہی وہاں بھی حیات اصلی اور موت عرضی ہوگی"

نانوتوی صاحب کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ موت کا اتصاف مجازا ہوا ہے۔ اور حقیقۃً حضور کے ساتھ موت کا قیام نہیں ہوا جیسے جالس فی السفینۃ کے ساتھ حرکت کا قیام مجازا ہوتا ہے۔ اور حقیقۃ وہ متحرک نہیں ہوتا۔ خلاصۃ المرام یہ کہ اس تقریر سے آپ پر حقیقۃً موت کے طاری ہونے کا انکار ہوگیا۔

لطائف قاسمیہ ص۵ پر لکھتے ہیں۔

فرض کیجئے چراغ کو کسی ظرف گلی میں رکھ کر سرپوش رکھ دیجئے جیسے یہاں تمام شعائیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آجاتی ہیں۔ بلکہ خود شعلہ چراغ میں سما جاتی ہیں جس سے وہ اشتداد مشارالیہ نمایاں ہوجاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمالیجئے۔ اس صورت میں موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہوگا جیسا چراغ ظرف گلی میں مستور ہوجانے اور گل ہوجانے میں فرق ہے"

اس عبارت کا مطلب واضح ہے۔ یعنی عوام کی موت تو اس طرح ہے کہ موت سے اس کا چراغِ حیات بجھ جاتا ہے۔ اور انبیاء کی موت اس طرح ہے کہ ان کا چراغِ حیات قبر میں مستور ہوجاتا ہے۔ یعنی اس کی روشنی پہلے سے بڑھ جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کی حیات کا چراغ ہمیشہ روشن رہتا ہے اور کبھی نہیں بجھتا۔

لطیفہ ۔ مولوی سرفراز صاحب تنقید متین ص۲۹ پر لکھتے ہیں۔

"یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء اور شہداء سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں ۔ اور نہ قریب ۔"

اس عبارت میں سرفراز صاحب نے حیاتِ انبیاء کی نفی کی ہے ۔ اور لطائف قاسمیہ میں قاسم صاحب نے موت کی نفی کی ہے ۔ غور فرمایئے ۔ مبتدعین دیوبند کے اصول و فروع کس قدر متناقض ہے ۔ آباء دیوبند نے حیات کو ماننے میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ حقیقت موت کا سرے سے انکار کیا ہے ۔ اور انک میتٌ ۔ کل نفسٍ ذائقة الموت اور فان محمد اقد مات کی تکذیب کر دی ۔ اور ابناء دیوبند نے موت میں اس قدر غلو کیا ہے کہ حیات کا قطعاً انکار کر دیا ۔ اور نبی اللہ حی یرزق کی تکذیب کر دی ۔ باپ بیٹوں میں کوئی جھوٹا ہے ۔ اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں ۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ دونوں ہی جھوٹے ہیں ۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کے لئے ایک آن کی موت ثابت ہے اور یہی انک میتٌ اور کل نفس ذائقة الموت کا مقتضیٰ ہے ۔ اور اس کے بعد آپ کو اللہ تعالےٰ نے حقیقی حیات عطا فرمائی ۔ جو کہ احادیث صحیحہ کا مقتضیٰ ہے ۔ ضروری تفصیل بحث استعانت میں کی جا چکی ہے ۔ بہر حال بانی دیوبند کے کلام سے دنیاوی حیات ثابت ہوگی اور یہی ہمارا مدعا ہے

لوازمِ حیات جبکہ یہ امر روشن ہو گیا کہ نبی علیہ السلام دنیاوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں ۔ اور دنیاوی حیات میں آپ کی وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ تمام عالم کو مثل کفِ دست ملاحظہ فرماتے ہیں ۔ دیکھئے صاوی ج ۲ ص ۱۰۴ پر ہے ۔

ورد دفعت لی الدنیا فانا انظر فیھا کما انظر الی کفی ھذہ ۔ حدیث میں آیا ہے کہ تمام دنیا میرے سامنے پیش کی گئی جس میں اس کو مثل کفِ دست دیکھتا ہوں ۔

ممکن ہے مبتدعین کو یہ شبہ لاحق ہو کہ یہ فضیلت تو دنیا میں ثابت تھی

نہ کہ بعد الوفات پس اس کا اولاً جواب یہ ہے کہ فانا انظر جملہ اسمیہ ہے اور خبر فعل مضارع ہے اور وہ جملہ اسمیہ جس کی خبر فعل مضارع ہو، دوام تجددی کا افادہ کرتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ قرآن کریم میں اللہ فرماتا ہے۔ لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید پس اس قرآنی ضابطہ سے معلوم ہوا کہ شکر کرنا زیادتی نعمت کا سبب ہے، اور نبی علیہ السلام سید الشاکرین ہیں، فلہذا اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ پر یوماً فیوماً بلکہ آناً فاناً نامی ہوگی پس جب دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی تو وصال کے بعد زیادتی متصور ہوگی نہ کمی تنقیص کیلئے کوئی راہ نہیں۔ ثالثاً اگر فرض کیا جائے کہ .....

دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی اور آخرت میں یہ نعمت مسلوب ہوگئی تو لازم آئیگا کہ آپ کی آخرت دنیا سے بہتر نہ ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ "آپ کی آخرت دنیا سے بہتر ہے" رابعاً جب آپنے مان لیا کہ قبر میں دنیاوی حیات ہوتی ہے، تو دنیاوی حیات کے لوازم بھی ماننے ہونگے اور وسعتِ نظر چونکہ دنیا میں ثابت ہے، اس لئے قبر شریف میں بھی اس کو ماننا ہوگا خامساً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام افرادِ امت کے بارے میں فرمایا ہے۔

المیت یعلم من یکفنہ ومن یصلی علیہ ومن یحملہ ومن یدفنہ مرقات ج ۲	میت کو علم ہوتا ہے کہ اسے کون کفن پہنا رہا ہے اور کون اس پر نماز جنازہ پڑھتا ہے، کون اس کا جنازہ اٹھاتا ہے اور کون اسے دفن کرتا ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے کیونکہ حیاتِ دنیاوی میں اگر اسے چارپائی پر لٹا کر اوپر چادر ڈال کر لے جاتے تو وہ نہ جان سکتا لیسے اٹھانے والے کون ہیں۔ کون اس پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور کون اس کو دفنا رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وفات کے بعد اس کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے۔ جب عام میت کا یہ حال ہے۔ تو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالم ہوگا جن کی نگاہ کی وسعت کا حیات دنیاوی میں یہ عالم تھا کہ اوپر نظر اٹھاتے تو سات آسمانوں کے پار جنت

کا ملاحظہ فرماتے اور اگر نیچے نظر فرماتے۔ سات زمینوں کے نیچے جہنم کا معائنہ فرماتے۔ جو حیاتِ دنیاوی میں اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھتے تھے۔ وصال کے بعد جب ان کا ادراک بصری ترقی پا گیا ہو تو پھر ان کی نگاہ کی وسعتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ سادسا۔ لطائف قاسمیہ ص۳ پر نانوتوی صاحب لکھتے "یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے۔ کہ وقت موت حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور بھی شدید ہو جاتی ہے کیونکہ جب حیات اصلی ہے۔ تو اس صورت میں کبھی قبر میں رہنا کبھی آسمان پر نظر آنا ایسا ہو گا۔ جیسے حالت حیات سابقہ میں کبھی زمین پر رہنا کبھی بوجہ معراج آسمانوں پر چلے جانا ص۵ پر لکھتے ہیں۔ "بالجملہ حیاتِ حال انبیاء کا مثل حیات سابق ہونا اور پھر اس سے اشد اور اعلیٰ ہونا یوں ظاہر ہے کہ بوجہ احاطہ ضد معلوم جس کو موت کہئیے۔ تمام فیض حیات جو مثل شعاع شمس وقمر اطراف بدن اور اس سے باہر تک بذریعہ افعال جاتا تھا سمٹ کر داخل بدن کی طرف چلا آیا۔"

نانوتوی صاحب کا یہ کلام ان کی تمام ذریت پر حجت قاطعہ ہے۔

آن واحد میں امکنہ متعددہ پر حاضر ہونے کا امکان

بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے مبتدعین دیوبند کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ دنیاوی حیات کے ساتھ قبر انور میں زندہ ہیں اور فیضان حیات دنیاوی حیات سے شدید تر ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ آپ قبرِ انور میں تشریف فرما ہیں۔ اور تمام عالم کا ملاحظہ فرما رہے ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں۔ اور آن واحد میں اگر امکنہ متعددہ میں تشریف لے جانا چاہیں تو وہ بھی ممکن ہے۔ رہا یہ سوال کہ امکنہ متعددہ پر اگر بعینہ حضور موجود ہیں تو یہ تکثر جزئی ہے اور اگر وہاں آپ کی مثال موجود ہے تو مثل شئی غیر شئی ہے پس امکنہ متعددہ پر آپ کا غیر موجود ہوا لکہ خود آپ اس سوال کا ایک جواب تو بطور نقض

اجمالی ہم بحث استعانت میں تھانوی صاحب کی گپ پر اعتراضات کے ضمن میں دے چکے ہیں۔ ثانیاً نقض تفصیلی کے طور پر جواب یہ ہے کہ اجساد مثالیہ متعددہ متعلقہ بروح واحد امکنۂ متعددہ میں موجود ہو سکتے ہیں اور یہ تکثر حقیقی نہیں ہے کیونکہ اجساد میں نوع من التغائر موجود ہے۔ اور یہ اجسام حضور کے غیر بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ تمام اجساد کے ساتھ حضور کی روح کے متعلق ہوگی۔ اور تعین کا مدار عینیت روح پر ہے نہ کہ عینیت جسم پر ہے۔ کمالا یخفی علی النھی

دیکھئے جذب القلوب ص ۱۵۳ پر شیخ عبد الحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

شیخ علاء الدین قونوی میگوید کہ بعید نیست کہ گفتہ شود کہ ارواح مقدسہ انبیاء بعد از مفارقت بمنزلہ ملائکہ است بلکہ افضل از ایشاں وہم چنانکہ ملائکہ متمثل شوند در صور مختلفہ کذالک جائز باشد کہ ارواح مقدسہ انبیاء نیز متمثل گردند و نیز ممکن است کہ ایں تصرف بعضے خواص عباد را در حالت حیات نیز دست دہد و روح واحد در ابدان متعددہ غیر بدن معہود متصرف گردد چنانچہ بعض محققین در تسمیہ ابدال گفتہ اند کہ گاہے یک از ایشان بمکانے رود و در مکان اول شبحے و مثالے در

شیخ علاؤ الدین قونوی کہتے ہیں کہ یہ بات بعید نہیں کہ انبیاء کی ارواح مقدسہ ابدان سے مفارقت کے بعد ملائکہ کے ابدان کا شکل ہو جاتی ہیں بلکہ ان سے بھی افضل ہوتی ہیں اور جس طرح ملائکہ مختلف صورتوں میں متمثل ہو جاتے اسی طرح جائز ہے کہ ارواح مقدسہ بھی متمثل ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو یہ مقام دنیا میں حاصل ہو جائے اور روح واحد بدن معہود کے سوا ابدان متعددہ میں تصرف کرے جس طرح بعض محققین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہو تو وہ پہلی جگہ اپنے بدلے میں اپنی مثال

بدل خود بگذارد وسادہ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم عالم متوسط درعالم اجساد وارواح ثابت کردہ اند کہ آں را عالم مثال گویند الطف از عالم اجساد واکثف از عالم ارواح وظہور ارواح وصور مختلفہ مبنی برآں ساختہ وظہور جبرئیل علیہ السلام بصورۃ دحیہ کلبی وتمثل او مریم را بصورت بشر سوی الخلق ازاں عالم مے دارند وبنا برعلیہ جائز بود کہ موسے علیہ السلام باوجود استقرار در آسمان ششم بشبح وپیکر مثالے در قبر متمثل باشد وآنحضرت اورا درہر دو مکان مشاہدہ فرمود وبعد از اثبات عالم مثال جواب اکثر مسائل کثیرہ بیروں آید واشکالات بسیار مثل بیان سعت جنت در دیت او در عرض حائط مثالی منحل گردد"

چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک عالم اجساد اور ارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم اجساد سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہوتا ہے اور ارواح کا صور مختلفہ میں متمثل ہونا اسی عالم پر مبنی ہے اور جبرئیل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں اور مریم کے پاس بشر سویا کی شکل میں متمثل ہو کر جانا اسی عالم سے ہے اور اسی بنا پر جائز ہے کہ موسے علیہ السلام چھٹے آسمان پر مستقر ہوں اور اسی وقت قبر میں بھی مثال چھوڑ آئے ہوں اور حضور نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو۔ اور اس عالم کے اثبات سے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں مثلاً جنت کا باوجود وسعت دیوار کی پہنائی میں دکھائی دینا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ ص۳۱ ج ۴ پر فرماتے ہیں:۔

ولا تباعد من الاولياء حيث طويت لهم الارض وحصل لهم ابدان مكتسبة متعددة وجدوها

جب اولیاء اللہ کیلئے زمین لپیٹ دی جائے اور ان کیلئے ابدان مکتسبۃ متعددہ حاصل ہو جائیں تو ان کے لئے اپنے آپ کو

فی اماکن مختلفة فی آن واحد واللہ علی کل شیٔ قدیر وھذا فی ھذا العالم المبنی علی الامر العادی غالباً۔

ایک آن واحد میں متعدد جگہوں پر پالینا کوئی بعید نہیں ہے۔ اور اس جہان میں یہ امر غالباً اولیاء اللہ کے لئے عادت پر مبنی ہے۔

اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبندیوں کے تمام اکابر اور اصاغر کے مسلم مقتدا رہیں۔ فیصلہ ہفت مسئلہ ص۸ پر لکھتے ہیں۔

رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کتنی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے۔ آپکے علم و روحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اسکے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے علاوہ اسکے اللہ کی قدرت تو محل کلام نہیں۔

اس بحث کے آخر میں بطور تتمہ کے ہم ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں جس سے یہ امر واضح ہو جائیگا کہ شخص واحد آن واحد میں امکنہ متعددہ پر موجود ہو سکتا ہے۔ دیکھئے مشکوٰۃ شریف ص۱۵۳ پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معلوم شخص کو جس کا بیٹا فوت ہو چکا تھا۔ فرمایا۔

اما تحب ان لا تاتی بابا من ابواب الجنة الا وجدته ینتظرك فقال رجل یا رسول الله له خاصة ام لکلنا فقال لکلکم (ترجمہ) کیا تو اسکو پسند نہیں کرتا کہ تو جنت کے دروازوں میں سے کسی دروازے سے داخل ہو مگر تیرا بیٹا اس دروازے پر تیرا انتظار کر رہا ہو کسی نے پوچھا حضور یہ اسی کا خاصہ ہے یا سب کے لئے آپ نے فرمایا سب کے لئے

اس حدیث شریف میں باب نکرہ ہے۔ اور حیز نفی میں ہے اور نکرہ تحت نفی مفید عموم ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جنت کے ہر دروازے کی یہ صفت ہوگی کہ اس دروازے پر وہ بیٹا موجود ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ آن واحد واحد میں امکنہ متعددہ پر موجود نہ صرف ممکن ہے بلکہ امر واقع ہے

نذر و نیاز

وما اُھل بہ لغیر اللہ کے تحت حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمت تحریر فرماتے ہیں کہ "چوتھے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر کیا گیا ہو۔ مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو۔ وہ حرام نہیں۔ جیسے عبد اللہ کی گائے۔ عقیقہ کا بکرا۔ ولیمہ کا جانور۔ یا وہ جانور جس سے اولیا کی ارواح کو ثواب پہنچانا مقصود ہو۔ اُن کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے۔ مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو۔ اُس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال وطیب ہیں۔ اس آیت میں صرف اس کو حرام فرمایا گیا ہے۔ جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے۔ وہ آیت کے معنی میں غلطی کرتے ہیں۔ اور اُن کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے۔ اور خود آیت ان کے معنی کو بننے نہیں دیتی۔ کیونکہ ما اھل بہ کو اگر وقتِ ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں۔ تو اِلَّا مَا ذَکَّیتُم کا استثنا اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقتِ ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو۔ وہ اِلا ما ذکیتم سے حلال ہوگا۔ غرض وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں"

اس پر مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ "مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے۔ محض اپنے ایک باطل نظریہ کے تحت لکھا ہے اور اپنی بدعت پسندی کا واضح ثبوت دیا ہے۔ جو چند وجوہ سے مردود ہے" (تنقید متین ص ۱۲۶)

حق یہ ہے کہ صدر الافاضل علیہ الرحمتہ کا یہ محققانہ کلام چند وجوہ سے مولوی سرفراز

صاحب کی سمجھ میں نہ آسکا اسی لیے انہوں نے تفاسیر و قرطاس کو گی ڈنڈ اہنانے کی کوشش کی ہے۔ خود فریب کھایا ہے۔ یا لوگوں کا دین و ایمان لوٹنے کیلئے دجل کی دوکان سجائی ہے۔

تعجب یہ ہے کہ مولوی سرفراز صاحب نے مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک بے سند فتویٰ بھی سند بنا کر پیش کیا ہے۔ اور غضب کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ خصم پر بطور حجت کے مسلّم بزرگوں کے اقوال پیش کیا کرتے ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو آپ گنگوہ کے عالی مریدوں پر پیش کیجئے گا۔ یا ان پکی روٹی کے حافظوں پر جن کے سروں پر دیو بند نے فضیلت و افتخار کی دستار باندھی ہے۔ احتجاج و استشہاد کے میدان میں اس مجموعہ کی کیا قدر ہوگی جس میں نام کیلئے بھی کوئی دلیل موجود نہیں۔

سرفراز صاحب کا پہلا شبہ سرفراز صاحب نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے کلام میں پہلی تحریف اس طرح کی ہے کہ "اہلال کے معنی عربی زبان میں ذبح کے نہیں۔ بلکہ نامزد اور شہرت دینے کے ہیں" تنقید ص ۱۲۷ پھر مولوی سرفراز صاحب نے اس پر خوب زور دیا۔ اور اربابِ لغت اور تفاسیر کے حوالے نقل کرتے چلے گئے۔

جیسے صدر الافاضل نے اُہِلَّ کا معنی ذبح کیا ہو۔ اور اس کے خلاف مولوی سرفراز صاحب گھر سے پورا اسکواڈرن فضائے قرطاس میں لے آئے ہوں۔ صدر الافاضل نے اہلّ کا کیا معنی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ وہ فرماتے ہیں۔

"وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو"۔ اب مولوی سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ جب صدر الافاضل نے اُہِلَّ کا معنی ذبح نہیں کیا۔ تو پھر آپ کو اس بے مقصد کلام سے دفتر کے دفتر سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر یوں ہی گلے میں طوقِ لعنت آویزاں کرکے کذابین کی صفت میں شامل ہونے

کا شوق ہے۔ تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔

خود مولوی سرفراز صاحب کو بھی احساس تھا کہ جھوٹ کی یہ کشتی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی۔ اسلئے ص ۱۳۰ پر لکھتے ہیں۔ غرضیکہ وما اُھل کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت، خواہ مخواہ کی ضد کا البتہ کوئی علاج نہیں۔ انتھی کلامہ۔

دروغ گورا حافظہ نباشد۔ پہلے آپ نے کہا تھا کہ اُہِل کو ذبح کے معنی میں لینا غلط ہے۔ اور اس سے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ صدر الافاضل نے "اُھل" کا معنی ذبح کیا ہے۔ اب کہتے ہیں کہ "اُھل" کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا غیر ضروری ہے جس سے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ صدر الافاضل نے "اُھل" کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کیا ہے یہ کس شراب فتنہ گر کا اثر ہے۔ کہ آپ کا قلم بار بار بہک جاتا ہے۔

ذبیحہ حرام ہونے کی صورتیں

صدر الافاضل فرماتے ہیں۔ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ انتھی کلامہ۔

مذکورہ بالا عبارت اس مفہوم میں صریح ہے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی اور بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس آیت میں صرف اسی کو حرام کیا گیا ہے جس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ ہم اس کے علاوہ ذبیحہ حرام ہونے کی چند صورتیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مثلاً مجوسی اور اہل ہنود کا ذبیحہ حرام ہے (۲) احناف کے نزدیک مسلمان بھی اگر عمداً بسم اللہ کو ترک کر دے تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہو گا (۳) مرتد اگر اللہ کا نام لیکر بھی ذبح کرے تو ذبیحہ حرام ہو گا۔ اور اسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان جانور کو غیر اللہ کی طرف تقرب علی وجہ العبادۃ کے طور پر منسوب کر دے تو اب وہ اگر بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہو گا کیونکہ بحیثیت عبادت

غیراللہ کا تقرب حاصل کرنے کے قصد سے وہ مرتد ہوگیا۔ اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہوتا ہے۔ اور اسی جانور کو کوئی اور مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو وہ بلاریب حلال وطیب ہے۔ اس کو حرام کہنا قرآن کی نصوص قطعیہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنی کتابوں میں جس ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے۔ وہ اسی صورت پر محمول ہے۔ کہ ذابح نے جانور کو بحیثیت عبادت تقرب حاصل کرنے کے لئے کسی بزرگ کی خاطر نامزد کر دیا ہو۔ اب وہ خود اگر اس کو بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔ اور اگر تقرب بحیثیت عبادت حاصل کرنے کا قصد نہ ہو تو یہ ذبیحہ حلال اور طیب ہے۔ کیونکہ مطلقاً تقرب وجہ شرک نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز اور نیاز کے جانور

مبتدعین دیوبند اس خوش فہمی بلکہ غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں۔ کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انکے خود ساختہ مسلک کی تائید کیلئے وافر مواد جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد کئے جاتے ہیں۔ انکی حرمت پر یہ لوگ ہمیشہ شاہ صاحب کی عبارتوں سے استشہاد کرتے ہیں۔ علماء اہلسنت نے ان کی اس غلط فہمی کو بارہا رفع کیا لیکن یہ ضدی طائفہ ہمیشہ ان عبارتوں کو لے کر اس طرح سامنے آجاتا ہے جیسے اب تک یہ عبارتیں لاجواب رہی ہوں۔ انصاف اور دیانت کا تقاضا تھا کہ سرفراز صاحب ان پٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھانے سے پہلے پچھلا حساب بیباق کرتے اور علماء اہل سنت نے ان عبارتوں کے جو جوابات دیئے ہیں ان کو پیش کر کے ان پر تبصرہ کرتے۔ بہر حال اب چونکہ انہوں نے یہ مسئلہ چھیڑ ہی دیا ہے۔ اسلئے اب ہم بھی ذرا اس پر کھل کر گفتگو کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق

سرفراز صاحب نے تفسیر عزیزی سے جو عبارات پیش کیں ہیں ان کا کچھ حصہ تو اُہِلّ کے معنی سے متعلق ہے کہ اس کا معنی ذبح نہیں. بلکہ آواز دینا، اور شہرت دینا ہے۔ اور یہ کلام خارج از بحث ہے. کیونکہ صدر الافاضلؒ نے اہل کا معنی ذبح نہیں کیا۔ ہم ان کی نقل کردہ عبارت کا وہ حصہ پیش کرتے ہیں جو موضوع سے متعلق ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "خواہ پیر پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں کہ یہ سب حرام ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر اللہ کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے" (تفسیر عزیزی اردو ص ۳۵ / ۲۲۰، ۲۶)

اور شاہ صاحب موصوف ہی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ "اس واسطے جب شہرت کر دی کہ یہ جانور فلاں کے واسطے ہے. تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہوگا۔ اسواسطے کہ وہ جانور منسوب بغیر خدا ہو گیا۔ اور اس میں پلیدی پیدا ہو گئی اور خبث اس کا مردار کے خبث سے زیادہ ہے۔ اسواسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا۔ اور یہ جانور غیر کے نام پر مارا گیا۔ اور یہ عین شرک ہے۔ اور جبکہ یہ خبث مؤثر ہوا تو ذکر نام خدا کا اس کو حلال نہیں کر سکتا. جیسا کہ کتا اور سؤر کہ اگر نام خدا لیکر ذبح کئے حلال نہ ہوں گے۔"

"حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے. کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیاز کرنا درست نہیں ہے۔ اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی تقرب لغیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے" (تفسیر عزیزی ص ۳۵ ج ۲ تنقید متین صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۲)۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ذبیحہ کے حرام ہونے کی دو مستقل وجہیں بیان کی ہیں (۱) تقرب غیر خدا (۲) جان کو جان پیدا کرنے والے کے غیر کی طرف منسوب کرنا ـــــ پہلے ہم تقرب پر گفتگو کرتے ہیں. گذارش یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ذبیحہ

کے حرمت کی علت اس تقرب کو قرار دیا ہے جو تقرب شرک ہو، چنانچہ فرمایا اور یہ عین شرک ہے، اور مطلق تقرب الی الغیر شرک نہیں ہے۔ ورنہ تمام ذوی القربیٰ خدا کے شریک قرار پائیں گے کیونکہ ذوی القربیٰ کو ذوی القربیٰ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ان سے قرابت کا تعلق ہوتا ہے۔ اور انسان کو ان کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر مطلق قرب وجہ شرک ہو تو ذوی القربیٰ اللہ تعالیٰ کے شریک قرار پائیں گے اور یہ بداہتہً باطل ہے۔ ورنہ لازم آئیگا کہ وبالوالدین احسانا و ذوالقربیٰ اور قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ اللہ تعالےٰ کے شرکاء سے احسان اور مودت کی تعلیم دی گئی ہو، پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ مطلق تقرب الی الغیر شرک نہیں بلکہ تقرب من حیث العبادۃ شرک ہے۔

علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ مکفر تقرب علی وجہ العبادۃ ہے۔ چنانچہ جب درمختار نے مطلقاً تقرب کا ذکر کیا۔ تو شامی نے اس کو علی وجہ العبادۃ سے مقید کیا۔ دیکھئے شامی میں ہے:-

ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر — یعنی تقرب علی العبادۃ کیونکہ یہی مکفر ہے۔

(ردالمحتار ص ۲۰۳ ج ۵)

علامہ شامی کی تصریح کے بعد بھی اگر سرفراز صاحب مطلق تقرب کے وجہ کفر و شرک ہونے پر اصرار کریں۔ تو لیجئے۔ ہم خود شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت کئے دیتے ہیں کہ کفر کا مدار عبادت کے اعتقاد پر ہے۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں:-

واما الذبح لغیر اللہ فالمراد بہا	بہرکیف ذبح لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ غیر
ان یذبح باسم غیر اللہ کمن ذبح	اللہ کے نام سے ذبح کرے مثلاً کوئی شخص
للصنم او للصلیب او لموسیٰ و	بت یا صلیب یا حضرت موسیٰ علیہ السلام
عیسیٰ علیہم السلام او الکعبۃ و	یا عیسےٰ علیہ السلام یا کعبہ کے لئے

نحو ذالك فكل هذا حرام ولا تحل هذه الذبيحة سواء كان الذابح مسلما او نصرانيا او يهوديا كما نص عليه الشافعي واتفق عليه اصحابنا فان قصد مع ذالك تعظيم المذبوح لغير الله والعبادة له كان ذالك كفرا فان كان الذابح مسلما قبل ذالك صار بالذبح مرتدا ارفتاوی عزیزی ص۴۳ ج ۱-

ذبح کرے۔ پس یہ سب حرام ہے خواہ ذابح مسلمان ہو۔ یا نصرانی یا یہودی۔ اسی پر امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے نص کی۔ اور ہمارے اصحاب کا بھی اس پر اتفاق ہے پس اگر ذابح نے باوجود غیر اللہ کے نام لینے کے اسکی تعظیم کی اور عبادت کا بھی قصد کیا۔ تو یہ کفر ہے اور اگر ذبح سے پہلے مسلمان تھا تو اس اعتقاد سے ذبح کرنیکی وجہ سے مرتد ہو گیا۔

دیکھئے اس عبارت میں شاہ صاحب نے تصریح کر دی کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے نام سے ذبح کرے تو یہ شرک نہیں اور اگر اس کے ساتھ ہی فقط تعظیم غیر اللہ کا اعتقاد ہو۔ پھر بھی شرک نہیں۔ شرک تب ہو گا جب تعظیم کے ساتھ عبادت غیر اللہ کا بھی قصد کرے گا۔ پس ثابت ہو گیا کہ کفر و شرک کا مدار قصد عبادت غیر اللہ پر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تفسیر میں تقرب سے مراد تقرب مع قصد العبادت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص نے تقرب مع قصد العبادت سے جانور کو غیر اللہ کے نام پر مشہور کر دیا۔ وہ شخص اگر پہلے مسلمان بھی تھا تو اب اس قصد سے مرتد ہو گیا اور مرتد کے ہاتھوں ذبح ہونے کی وجہ سے اس جانور میں خبث سرایت کر گیا اور یہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہے۔ خواہ وہ وقت ذبح خدا کا نام لے یا نہ لے۔ مگر خوب یاد رکھئے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے چنانچہ اسی جانور کو کوئی مسلمان شرائط کے ساتھ ذبح کرے تو یہ خالص حلال و طیب ہے اور اس میں رتی برابر بھی شک نہیں ہے۔ دیکھئے مشرکین مکہ سوائب وغیرہ جانوروں کو بتوں کیلئے نامزد کر دیتے اور یہ نامزدگی مع قصد العبادت تھی لیکن

اس کے باوجود جب مسلمانوں نے ان جانوروں کو ذبح کر دیا، تو ان کا کھانا حلال و طیب ہو گیا اور کفار جو ان جانوروں کو کھانے سے گریز کرتے تھے۔ انکی مذمت پر قرآن نازل ہوا چنانچہ مالکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ کے تحت تفسیر ابو سعود میں ہے۔

انکر ان لا یکون لھم شئی یدعو الی الاجتناب عن اکل ما ذکر علیہ اسم اللہ تعالیٰ من البحائر والسوائب ونحوھا۔	اللہ تعالیٰ نے اس بات پر انکار فرمایا ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات پائی جائے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانوروں مثلاً بحائر و سوائب وغیرہ کو نہ کھائیں۔

نیز یا ایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم کے تحت ملاجیون حنفی فرماتے ہیں:۔

وقد فسر بعضھم بالبحیرۃ و السائبۃ والحامی یعنی کلوا البحیرۃ واخواتھا۔	بعض مفسرین نے کہا کہ طیبات سے مراد بحیرہ سائبہ وغیرہ ہیں یعنی بحیرہ وغیرہ کھاؤ۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جن جانوروں کو کفار بتوں کا تقرب علی وجہ العبادت حاصل کرنے کیلئے نامزد اور ان کے نام پر مشہور کر دیا کرتے تھے وہ جانور بھی کتے اور خنزیر کی طرح حرام نہیں ہیں۔ بلکہ شرائط ذبح کے ساتھ انہیں ذبح کر دیا جائے تو حلال ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حلال نہ سمجھنے پر کفار کی مذمت کی ہے۔ پس لامحالہ تفسیر عزیزی میں جس جانور کو کتے اور خنزیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ وہ جانور ہے جس کو مرتد نے ذبح کر دیا ہو۔ اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر بطور تقرب مع قصد العبادت کے کسی شخص نے مشہور کر دیا اور اس کو کوئی اور شخص جو مسلمان ہو وہ شرائط ذبح کے ساتھ ذبح کر دے تو بلا ریب یہ

حلال وطیب ہے۔ اور اس کو حرام سمجھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے کفار سوائب وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے۔ غیر اللہ کے نام پر مع قصد العبادت مشہور کرنا خبث ہے۔ اور یہ خبث عقیدہ کا خبث ہے پس جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا۔ اس کے اعتقاد میں خبث سرایت کر گیا۔ جانور میں اس خبث کے سرایت کرنے اور اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اسلئے ہمارے نزدیک شاہ صاحب کی عبارت کا صحیح محمل یہی ہے کہ اس خبث عقیدہ والے شخص نے جب اس جانور کو ذبح کیا۔ خواہ اللہ کا نام لیکر ہی ذبح کیا ہو تو یہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو گیا۔ کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔

دوسری وجہ جو شاہ صاحب نے بیان فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر مشہور کیا ہوا وہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو جاتا ہے۔ جس کے ذبح سے مقصد غیر اللہ کو گوشت پہنچانا مقصود نہ ہو۔ بلکہ غیر اللہ کو جانور کی جان اور روح پیش کرنی ہو اور یہ عمل کفر جاہلیت کے مشابہ ہے کیونکہ کفار بھی بطور عبادت بتوں کو جانور کی روح بھینٹ چڑھاتے ہیں پس یہ عمل جاہلیت کفار کے تشبہ کی وجہ سے عین کفر و شرک ہے۔ سرفراز صاحب نے فتاوی عزیزی ص ۵۶ سے شاہ صاحب کی وہ عبارت تو نقل کر دی جس میں انہوں نے کہا ہے جو جانور غیر اللہ کے نام پر بطور تقرب مشہور کر دیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی متصل انہوں نے جو حرمت کی وجہ بیان کی اسکو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف ہضم کر گئے کیونکہ اگر اس عبارت کو بھی ذکر کر دیتے تو قصر ہی زمین پر آ گرتا اور اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ جانوروں کو حرام کہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

لیجئے اب ہم آپ کے سامنے شاہ صاحب کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ جو معترض گکھڑوی کی نذر ہو گئی۔

وکنہ این مسئلہ آنست کہ جان ۔۔۔ اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان

برائے غیر خدا جان آفرین نثار کردن درست
نیست و ماکولات و مشروبات و دیگر
اموال را نیز اگرچہ از راہ تقرب بغیر اللہ
دادن حرام و شرک است اما ثواب آں چیزہا
را کہ عائد بدہندہ مے شود ازاں غیر
ساختن جائز است زیرا کہ ایشاں را
مے رسد کہ ثواب مس خود را بغیر بخشد
چنانچہ مے رسد کہ مال خود را بغیر خود دہد و
جان جانور مملوک آدمی نیست تا او را
بکسے تواند بخشید و نیز دادن مال ازیں
جہت مستوجب است کہ آدمیاں ازوے
منتفع مے شوند و چوں مردہ بالعد از
مفارقت ازیں جہاں قابل انتفاع نمیں
مال نماندہ اند طریق نفع رسانیدن آنہا
شرع چنیں قرار یافت کہ ثواب اموال را
بمستحقان برسانند تا بآنہا عائد سازند و
جان جانور اصلا قابل انتفاع نیست در
زندگی پس از مردگی نیز قابل انتفاع نباشد
آرے اضحیہ از طرف مردہ کردن در
حدیث صحیح آمدہ است لیکن معنیش ہمیں
است دادن جان برائے خدا و ثواب

اور روح کو غیر اللہ کے حضور میں پیش کرنا
صحیح نہیں ہے کھانے پینے کی چیزوں اور
دوسرے اموال کو بھی اگرچہ تقرب بغیر اللہ
بقصد عبادت دینا حرام اور شرک ہے
لیکن ان چیزوں کے دینے کا ثواب غیر اللہ
کو پہنچایا جا سکتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنا
ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے اور جانور
کی جان اور روح کا آدمی مالک
نہیں ہوتا حتی کہ وہ جان کسی کو پیش کر دے
نیز مال دینے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے
نفع حاصل کریں۔ اور اموات جب
مال سے نفع حاصل نہیں کر سکتے تو اس
مال کا ثواب پہنچانے کا طریقہ شریعت
نے مقرر کیا، تاکہ وہ اس سے نفع حاصل
کریں۔ اور جانور کی جان اور روح دینے
سے کسی کو جب زندگی میں بھی کوئی فائدہ
حاصل نہیں ہوتا۔ تو مرنے کے بعد اگر کسی
کو جانور کی جان دی جائے تو اس سے کیا
فائدہ حاصل ہوگا۔ البتہ اموات کی طرف
سے قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے
لیکن اس کا مطلب یہی ہے کہ جان اور روح

کہ وارد باں مردہ بخشیدہ شود نہ آنکہ ذبح برائے مردہ کردہ آید۔ فتاوی عزیزی ص۵۶ ج ا۔	اللہ تعالےٰ کیلئے دی جائے اور اس عمل کا ثواب اموات کو ایصال کیا جائے نہ یہ کہ جان اموات کیلئے پیش کی جائے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس طویل عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کئے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں۔ اور کتے اور خنزیر کی طرح وہ جانور حرام ہیں جن کی جان اور روح غیر اللہ کو پیش کی گئی ہو۔ اور یہ مانحن فیہ سے قطعاً خارج ہے لیکن سرفراز صاحب کی خیانت پر داد دینی پڑتی ہے۔ کہ انہوں نے مغالطہ آفرینی کرنے کیلئے اپنے حکمی دادا کے کفن پر بھی قینچی چلادی۔

مولوی سرفراز صاحب تنقید متین ص۱۵۱ پر لکھتے ہیں۔

"الغرض ما اُھل لغیر اللہ بہ اور نذر الگ چیز ہے۔ اور اس کا حکم جُدا ہے اور ایصالِ ثواب ایک مستقل شئی ہے۔ اور اس کا حکم علیحدہ ہے۔ ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا کم علمی اور کوتاہ فہمی کا عبرتناک مظاہرہ ہے۔"

اہل سنت یہ نہیں کہتے کہ نذر اور ایصال ثواب ایک چیز ہیں۔ البتہ یہ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کیلئے نذر ماننا ایصالِ ثواب کو مستلزم ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی بھی یہی تحقیق ہے۔ کم علم اور کوتاہ فہم تو وہ شخص ہے جس کو اتحاد اور استلزام کے فرق کی بھی تمیز نہیں ہے۔ اور جو اپنے معنوی آباء کی تحقیقات پر بھی نظر نہیں رکھتا دیکھئے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ونذر اولیاء کہ برائے قضا حوائج معمول و مرسوم است اکثر فقہاء بحقیقت آں پے نبردہ اند آنرا بہ نذر ہائے خدا قیاس	اولیاء اللہ کی جو نذر عوام میں مشہور اور معمول ہے۔ اکثر فقہاء اسکی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے کہا کہ اگر یہ نذر

کردہ حکم مردود برآوردہ اند کہ اگر نذر
بالاستقلال برائے آں ولی است باطل
واگر برائے خدا است وذکر ولی برائے
بیان مصرف است صحیح است لیکن حقیقت
ایں نذر آنست کہ اہداء ثواب اطعام
وانفاق وبذل مال بروح میت کہ
امریست مسنون از روئے احادیث صحیحہ
ثابت است مثل ما ورد فی الصحیحین من
حال ام سعد وغیرہا دریں نظر مستلزم مے
شود۔ پس حاصل ایں نذر آنست کہ آں
نسبت مثلاً اہداء ثواب ہذا القدر الی
روح فلاں وذکر ولی برائے تعیین عمل
منذور است نہ برائے مصرف ومصرف
ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی
میباشد از اقارب وخدمہ وہم طریقان
وامثال ذالک وہمیں است مقصود نذر
کنندگان بلاشبہ وحکمہ انہ صحیح یجب
الوفاء بہ لانہ قربۃ معتبرۃ فی الشرع
آرے اگر آں ولی را حلال مشکلات
بالاستقلال یا شفیع غالب اعتقاد
مے کنند ایں عقیدہ او منجر بشرک

باستقلال اس ولی کے لئے ہو تو باطل ہے
اور اگر نذر اللہ کے لئے ہو اور ولی کا ذکر
برائے مصرف کے ہو تو جائز ہے۔ لیکن
اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ طعام اور
مال خرچ کرنے کے ثواب کا ہدیہ امر مسنون
ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے
جیسا کہ حدیث ام سعد سے ظاہر ہے
اور اس نذر میں بھی یہی ایصال ثواب
مستلزم ہوتا ہے۔ پس اس نذر کا
حاصل یہ ہے کہ اس میں مخصوص قدر کے
ایصال ثواب کی نسبت کسی کی روح کی
طرف کی جاتی ہے۔ اور ولی کا ذکر عمل
منذور کے تعیین کیلئے ہوتا ہے اور انکے نزدیک
اس نذر کا مصرف اس ولی کے متوسلین
اقارب خدام وغیرہ ہوتے ہیں اور بلاشبہ
نذر ماننے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے۔
اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور
اسکو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ شریعت
میں قربت مقصود ہے ہاں اگر ناذر کو
حلال مشکلات بالاستقلال اعتقاد کرے
یا شفیع غالب اعتقاد کرتا ہو تو یہ عقیدہ

و فساد ہے گرد د ولیکن ایں عقیدہ چیز — مفضی الی الشرک ہے لیکن یہ عقیدہ
دیگر است و نذر چیز دیگر۔ — اور چیز ہے اور نذر اور چیز

(فتاویٰ عزیزی جلد اول ص۱۳۲)

اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ شاہ عبد العزیز صاحب کے نزدیک اولیاء اللہ کیلئے نذر ماننا ایصال ثواب کو مستلزم ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو ایصال ثواب کیلئے نذر ماننا جائز ہے کیونکہ صدقہ و خیرات عبادت مقصودہ ہیں اور نذر اس عبادت مقصودہ کی ہوتی ہے۔ جس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ شرع سے ثابت ہے اور نذر للاولیاء کا یہ مطلب ہے کہ ثواب نذر اولیاء اللہ کیلئے ہے۔ علی طریق حذف المضاف کما ہو شائع۔ اور بحمد اللہ یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا۔ کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے لئے جو جانور نامزد کئے جاتے ہیں۔ وہ حلال اور طیب ہیں۔ البتہ اگر ناذر اولیاء کو مستقل اور متصرف بالذات سمجھتا ہو تو بسبب اعتقاد شرک کے وہ مرتد ہو جائیگا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا اور کتے اور خنزیر کی طرح حرام قرار پائے گا۔

تنقیحات فتاویٰ عزیزی سے جو ہم نے شاہ صاحب کی عبارات پیش کی ہیں۔ ان کی روشنی میں اولیاء کے نام پر مشہور جانوروں کی جو حرمت شاہ صاحب سے منقول ہے۔ اس کی تین وجہیں ہیں (۱) ناذر اولیاء اللہ کی تعظیم مع قصد العبادت سے جانور کو ذبح کرے۔

(۲) جانور کی جان اور روح اولیاء کی بھینٹ کرنے کیلئے جانور کو ذبح کرے۔

(۳) ناذر اولیاء کے مستقل بالذات ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو پھر ذبح کرے۔

اور ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کو ایصال ثواب کیلئے منذور جانوروں کے ساتھ ناذرین کا قصد ان تینوں میں سے کسی ایک طرح بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ محض ایصال

ثواب کیلئے جانوروں کو اولیاء اللہ کے لئے نامزد اور مشہور کیا جاتا ہے اور اس کے حلال اور طیب ہونے کی خود شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مرا ما کثیرہ تصریح کر دی ہے۔

نوٹ۔ سرفراز صاحب نے تنقید متین ص ۱۴۱ تا ۱۴۴ پر نذر کی بحث میں بحر الرائق۔ شامی۔ عالمگیری سے فقہاء کا کلام پیش کیا ہے۔ اور بزعم خویش نذر کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے جواب میں گذارش یہ ہے کہ یہ عبارتیں ما نحن فیہ سے خارج ہیں۔ آپ نے کجروی اور مغالطہ آفرینی کے لئے انہیں اس مقام پر نقل کیا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کر چکے ہیں اولیاء اللہ کے لئے نذر کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جائے اور بحر الرائق۔ شامی اور عالمگیری میں حرمت کی جن وجوہات کا ذکر ہے ان میں سے یہاں کوئی نہیں پائی جاتی۔ اب ہم آپ کی پیش کردہ وجوہات کو ذکر کر کے جواب دیتے ہیں۔

(۱) النذر للمخلوق لا یجوز — مخلوق کی نذر جائز نہیں۔

الجواب۔ نذر مخلوق کی نہیں۔ اللہ کی ہوتی ہے۔

(۲) النذر لہ میت والمیت لا یملک — منذور لہ میت ہے اور میت کی ملکیت ثابت نہیں۔

جواب۔ طعام۔ مال یا جانور کا مالک میت کو نہیں بنایا جاتا بلکہ ان چیزوں کو صدقہ کیا جاتا ہے۔ اور مالک اس کو بنایا جاتا ہے۔ جس پر صدقہ کیا گیا ہو۔ اور وہ مردہ نہیں زندہ ہے۔ اموات کو اس صدقہ کا ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

(۳) ظن ان المیت متصرف فی الامور دون اللہ فاعتقاد لا بذا الکفر — یہ گمان کرنا کہ میت تمام امور میں اللہ کی مرضی کے بغیر تصرف کرتا ہے پس اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

جواب جس کا کہ یہ اعتقاد ہو وہ بے شک کافر ہے اور اس میں کسی کا نزاع نہیں۔ سرفراز صاحب نے کجروئی سے ایک متفق علیہ مسئلہ کو نزاعی بنانے کی سعیٔ مذموم کی ہے۔ اوپر جو تین وجہیں نقل کی ہیں انکو شامی اور بحر الرائق نے ذکر کیا ہے۔ عالمگیری میں حرمت کی وجہ نذر لغیر اللہ بیان کی ہے۔ اس کا جواب آچکا ہے۔ کہ اس نذر متعارف سے مقصود یہ ہے۔ کہ نذر اللہ کی ہے اور اس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے۔ باقی عالمگیری نے جو یہ ذکر کیا ہے۔ کہ نذر اس وقت جائز ہوگی۔ جبکہ نذر اللہ کی ہو اور شیخ کا ذکر صرف بیان مصرف کیلئے ہو (النذر للہ وذکر الشیخ انما ھو محل لصرف النذر) اولاً تو یہ ہمیں مضر نہیں کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ نذر اللہ ہی کی ہوتی ہے۔ ثانیاً۔ یہ کہ بہترین بات وہ ہے۔ جو شاہ عبد العزیز صاحب نے "فتاوی عزیزی" میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت میں اس نذر کا مقصد اولیاء اللہ کو نذر کا ثواب پہنچانا ہے اور وہ شرعاً ثابت ہے۔

وقت ذبح کی قید

مولوی سرفراز صاحب نے اس پر کافی زور دیا ہے کہ اُہِلّ کو ذبح پر محمول کرنے یا وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اب ہم مولوی سرفراز صاحب کی توجہ کیلئے کتب تفاسیر سے چند حوالے تفویض رقم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

روح المعانی پ ۶ ص ۵۲ پر وما اھل لغیر اللہ بہ کے تحت ہے۔

ای رفع الصوت لغیر اللہ تعالیٰ عند ذبحہ والمراد بالاھلال ھنا ذکر ما یذبح لہ کاللات والعزیٰ

یعنی ذبح کے وقت غیر اللہ کیلئے آواز بلند کرنا اور اہلال سے مراد یہاں اسکا ذکر کرنا ہے جس کے لئے جانور ذبح کیا جائے مثلاً لات۔ عزیٰ وغیرہ

علامہ ابو سعود اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

و ما اُھلّ بہ لغیر اللہ ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم	غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے۔

ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم	غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے
جلالین میں ہے ای ذبح علی اسم غیرہ	غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔
جمل میں ہے و ما جیم۔ فی ذبحہ لغیر اللہ (تفسیرات احمدیہ میں ہے)	اور وہ جانور جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔
و ما اھل بہ لغیر اللہ معناہ ذبح بہ لاسم غیر اللہ	جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔
روح البیان میں ہے مارفع بہ الصوت عند ذبح للصنم	جس پر ذبح کے وقت آواز بتوں کیلئے بلند کی گئی
مدارک میں ہے۔ ای ذبح للاصنام	جو بتوں کیلئے ذبح کیا گیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ " اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۷۹ "
میں و ما اھل لغیر اللہ بہ کے تحت فرماتے ہیں۔

یعنی بنام خدا ذبح کردہ نشدہ باشد	یعنی جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔

احکام القرآن ج ا ص ۱۳۵ پر ما اھل بہ کے تحت ہے۔

ولا خلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اھل بھا لغیر اللہ عند الذبح۔	اور مسلمانوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ " ما " سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔

مولوی سرفراز صاحب کیلئے عبرت کا مقام ہے جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ

ذبح کی قید بعض مفسرین نے لگائی ہے۔ وہ آنکھیں کھول کر احکام القرآن کا یہ حوالہ پڑھیں اور سوچیں کہ ابو بکر رازی تو فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اس قید کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پھر مولوی سرفراز صاحب نے اس قید سے اختلاف کر کے اپنے آپ کو کس گروہ میں شامل کر لیا ہے۔ یہ وہ خود سوچیں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صدر الافاضل کا وما اھل بہ لغیر اللہ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا جمہور مفسرین کی اتباع میں ہے۔ اور جو تبرا صدر الافاضل کی تفسیر پر مولوی سرفراز صاحب نے کیا ہے۔ اس کا مونہہ حقیقت میں ان تمام اکابر مفسرین کی طرف راجع ہے۔

سرفراز صاحب کا دوسرا شبہ

صدر الافاضل کے کلام میں سرفراز صاحب نے دوسری تحریف ان الفاظ سے کی ہے۔ کہ اگر وما اھل لغیر اللہ بہ سے صرف بت مراد ہوں۔ جیسا کہ دیگر اہل بدعت عموماً اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر مصر ہیں۔ تنقید ص ۱۳۳۔

دروغگوئی اور خیانت کی یہ بد ترین مثال ہے۔ جو مولوی سرفراز صاحب نے صفحہ تنقید پر سیاہ کی ہے جس عبارت میں صدر الافاضل نے بتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم اسے بھی نذر رقم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔ صدر الافاضل نے فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ انتہی

اس عبارت کے علاوہ پوری بحث میں کہیں بتوں کا تذکرہ نہیں ہے اگر مولوی سرفراز صاحب میں ہمت ہے تو وہ ہمیں عبارت میں وہ الفاظ دکھائیں کہ وما اھل لغیر اللہ بہ سے مراد صرف بت ہیں مگر سرفراز صاحب کے دل میں صداقت اور ایمان کا کوئی ذرہ بھی موجود ہوتا تو کبھی یہ افترا نہ کرتے

صدر الافاضل نے غیر اللہ کا بتوں میں حصر کر دیا ہے۔ بحوالہ روحانی سے اگر آپ کو کوئی مَس ہے تو کوئی کلمہ حصر یا کوئی طریقہ حصر پیش کیجئے جس سے صدر الافاضل کے کلام میں انحصار ثابت ہو ورنہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ جس طرح سے آپ ایمان سے محروم ہیں، اسی طرح غضب الہی نے آپ کی لوح دل سے علم کے ایک ایک ذرہ کو محو کر دیا ہے۔ آپ نے صدق و دیانت سے بالا ہو کر اور اپنی روایتی دروغ گوئی اور تحریف سے کام لیکر جس طرح یہ عبارت وضع کی ہے۔ اس پر ہم آپکے بہر حال مشکور ہیں۔ کہ آپنے اپنی تحریف کو سطح کتاب پر لاکر دنیا کے اہل نظر کو دعوت دی ہے کہ وہ سوچیں کہ جس مذہب کے سرکردہ نمائندہ کی امانت و دیانت اور عصمت قلم کا یہ عالم ہے۔ اس آبرو باختہ مسلک کی تعلیمات کا کیا حال ہوگا۔

مولوی سرفراز صاحب نے ضمن تنقید میں قدم قدم پر تحریف و خیانت کا جال بچھا کر اس حقیقت کو واضح سے واضح تر کر دیا ہے۔ کہ جس ملت کی وہ نمائندگی کر رہے ہیں۔ اس کی اساس ہی افتراء اور تلبیس پر رکھی گئی ہے۔ اور مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ مفسرین نے جو صنم وغیرہ کی قید لگائی ہے۔ وہ اتفاقی ہے۔ تو صاحب صدر الافاضل نے کب کہا ہے کہ یہ قید احترازی ہے۔ یا آپ کیلئے بھی کسی قادیان کی وحی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جو آپ پر انہونی حقیقتیں منکشف کرتا رہتا ہے۔

لغیر اللہ اور بغیر اللہ کا فرق اور سرفراز صاحب کا تیسرا شبہ

مولوی سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی کا راز فاش کرتے ہوتے اس بحث میں ایک شبہ پیش کیا ہے۔

قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں وہ لغیر اللہ کے ہیں بغیر اللہ کے نہیں۔ اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے۔ کہ لغیر اللہ کا معنی یہ ہے کہ غیر خدا کے نام پر اس کو شہرت دی گئی ہو اور اس کیلئے وہ تقرب کے طور پر نامزد ہو۔ اگر قرآن کریم

میں الفاظ لغیر اللہ کے ہوتے تو یہ تاویل ایک حد تک سنی جاسکتی تھی کہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا جائے (تنقید ص ۱۳۹)

کاش مولوی سرفراز صاحب کو ایک مبتدی طالب علم جتنا بھی علم و سلیقہ ہوتا۔ تو وہ جان لیتے کہ ما اھل لغیر اللہ بہ کا معنی ہے۔ جس کو غیر اللہ کیلئے نامزد کیا گیا ہو۔ اور اس غیر کو اس مالی عبادت کا مستحق سمجھا گیا ہو اور ما اھل لغیر اللہ کا معنی ہے۔ جس کو غیر اللہ کے ساتھ نامزد کیا گیا ہو۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ دوسرے معنی میں تقیید ذبح کا کونسا داعیہ ہے اور پہلے معنی میں کونسا مانع ہے۔

دروغ گو را حافظہ نباشد۔ ص ۱۳۰ پر تو آپ نے کہا تھا۔ ہاں بعض مفسرین نے عام رواج کے پیش نظر ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشہور صورت ذکر کی ہے۔

دیکھا آپ نے ص ۱۳۰ پر مولوی سرفراز نے قید ذبح کو مشہور قرار دیا اور نو صفحہ بعد ایسی قلابازی کھائی کہ مشہور عند المفسرین کو غیر مسموع بنا ڈالا گیا اب سوچنے والے یہ نہیں سوچیں گے۔ کہ جو بات علماء مفسرین کے درمیان مشہور ہو وہ کس طبقے میں غیر مشہور ہو سکتی ہے؟ ہم نے گذشتہ سطور میں ذبح کی قید کو متعدد اجلہ تفاسیر سے ہدیہ رقم کیا تھا۔ ان کے علاوہ دوسری تفاسیر میں بھی یہ تقیید موجود ہے۔ پس اس قید کو غیر مسموع قرار دے کر اور جماعت مفسرین سے کنارہ کش ہو کر مولوی سرفراز صاحب نے جس طبقے میں اپنی جگہ بنائی ہے۔ امید ہے کہ یہ امر ارباب ذوق سے مخفی نہ ہو گا۔

سرفراز صاحب کا چوتھا شبہ

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مصنف تنقید نے چوتھا اعتراض اس طرح کیا ہے کہ دا لبعد جانور ہو یا کوئی اور شی جب کسی ولی

اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی جائے۔ کہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت ہوگی تو وہ حرام ہے۔ انتہیٰ کلامہ

یہ کلام بھی حسب سابق تحریف اور دروغگوئی کی اپنی آپ مثال ہے۔ صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ بزرگوں کے نام پر اس اعتقاد سے جانور دیا جائے کہ جلب منفعت اور دفع مضرت ہو۔ البتہ ایصال ثواب کیلئے جانوروں کو نامزد کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں۔

" یا وہ جانور جس سے اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانا منظور ہو۔ ان کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے۔ مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو۔ اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے۔ وہ حلال اور طیب ہیں "

فریق مخالف کے قطب عالم مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاوے رشیدیہ میں لکھتے ہیں کہ " اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب لوجہ اللہ کسی کو پہنچے اس میں کچھ حرج نہیں۔ تعظیم پر ذبح سے حرام ہوتا ہے " (بحوالہ تنقید ص ۱۴۳)

اور اسی حزب معاند کے حکیم الامت لکھتے ہیں۔

" بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہوگیا ہے۔ اس کا جواب اس کے منہیہ سے ظاہر ہے۔ کہ انہوں نے "تاویل ایصال ثواب کی بنا پر حلت کا حکم فرمایا ہے " (بحوالہ تنقید ص ۱۴۵)

دیکھئے اہل تنقیص کے دو جغادری مولویوں کے کلام سے بالتصریح یہ امر ثابت ہوگیا۔ کہ جانور کو ایصال ثواب کی خاطر اولیاء اللہ کیلئے نامزد کیا جائے تو یہ حلال اور طیب ہیں۔ اور یہی حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نے بھی فرمائی ہے۔ پھر یہ کیسا ظلم اور صریح بد دیانتی ہے۔ کہ آپ کے احبار و رہبان اگر ایک بات کہیں تو وہ حق ہے اور وہی بات اگر ہم پیش کریں۔ تو باطل۔ باقی رہا اولیا اللہ کے تقرب کیلئے نذر ماننا تو ہم اس بارے میں اپنا مسلک مرارا کثیرہ واضح کر چکے ہیں۔ کہ تقرب علی وجہ العبادۃ شرک ہے۔ اور ہم ایصال ثواب کے قائل ہیں۔ صدر الافاضل نے اپنی اس تفسیر میں بھی ایصال ثواب کا ذکر کیا ہے۔ پس اس صورت میں اس طرح نذر ماننا کہ "اے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں نذر مانتا ہوں کہ میں فلاں جانور تیرے لئے ذبح کروں گا۔" اور پھر وہ اس نذر کا ثواب کسی شخص یا بزرگ کو پہنچائے۔ تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "انفاس العارفین" ص۱۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند شب ہنگام بود در آں محل فرمودند مخدوم ضیافت ما میکند چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد وملال بر یاراں غالب آمد آنگاہ زنے بیاید طبق برنج و شیرینی برسر و گفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام [illegible] با نشستہ گان درگاہ مخدوم اللہ دیا رسانم دریں وقت آمد ایفائے نذر کردم۔

حضرت والد ماجد قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے۔ رات کا وقت تھا اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری ضیافت کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جانا پھر حضرت بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ آدمیوں کا نشان منقطع ہو گیا۔ ساتھی اکتا گئے اس وقت ایک عورت اپنے سر پر چاول اور شیرینی کا طبق لئے ہوئے آئی۔ اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند گھر آ گیا تو مخدوم اللہ دیا کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچاؤں گی وہ اسی وقت آیا۔ میں نے اپنی نذر پوری کی۔

اللہ اکبر! کیسا عبرتناک منظر ہے۔ کہ اہل سنت پر نذر و نیاز کی آڑ میں شکم پروری کا الزام رکھنے والوں کے مزعوم اکابر نذر و نیاز کے چاول اور شیرینی کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اب مولوی سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ کیا یہ نذر جلب منفعت اور دفع مضرت کے اعتقاد پر مبنی تھی۔ ہم نے باقاعدہ ثبوت بہم پہنچا کر ثابت کر دیا ہے کہ آپ کے فتویٰ کی زد میں براہ راست آپ کے اکابر آرہے ہیں۔ ہمیں تو خیر سے آپ ہمیشہ ہی کوستے رہتے ہیں۔ اب اپنی خبر لیجئے۔ یا عقیدہ بدلئے۔ یا شجرہ نسب بدلئے۔ ورنہ حرام خوروں کی معنوی اولاد بنئے۔ جو آسان معلوم ہو گئے۔ ہاتھ کر ڈالئے۔ ہم تو آپ کی بہتری میں خوش ہیں۔ اور ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کی بہتری فرمائے۔ آمین۔

سرفراز صاحب کا پانچواں شبہ

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مولوی سرفراز صاحب کی پانچویں تحریف ملاحظہ فرمائیں۔ خامسا۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے جو لکھا ہے کہ کیونکہ ما اھل بہ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں۔ تو ما ذکیتم کا استثناء اس کو لاحق ہو گا۔ اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو۔ والا ما ذکیتم سے حلال ہو گا۔ یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے۔ اسلئے کہ یہ استثنا سب مذکورہ اشیاء کے ساتھ ملحق نہیں بلکہ صرف قریب کی چیزوں سے ملحق ہے۔ مثلاً وما اکل السبع وغیرہ اگر سب کے ساتھ ملحق ہے۔ تو ان میں میتت اور خنزیر کا تذکرہ بھی ہے۔ اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ مردار جانور جو خود بخود لو بدون ذبح کے مر چکا ہو۔ وہ حرام ہے۔ مگر ہاں جس مردار کو تم ذبح کر لو۔ وہ حلال ہے۔ اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے۔ ہاں جس چیز کو تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جائے گا (معاذ اللہ) جب

جانور مردار ہو چکا ہو تو پھر ذبح کرنے سے کیونکر حلال ہو سکتا ہے اور خنزیر کس طرح ذبح کرنے سے حلال ہو سکتا ہے۔ انتہیٰ کلامہ تنقید متین ص۱۲۰

مولوی سرفراز صاحب نے یہ جاہلانہ اعتراض کر کے صدر الافاضل کی طرف جو گند اچھالا ہے۔ اس نے ان کی عاقبت کو اس طرح پلید اور نجس بنا دیا ہے۔ کہ وہ ذلت کی نگاہوں میں بھی رسوا ہو گئے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو بالخصوص مردار اور خنزیر کو استثناء لاحق کیا اور نہ بالعموم یہ فرمایا کہ تمام مذکورہ اشیا کو استثناء لاحق ہوگا حتی کہ میت اور خنزیر کو بھی لحوق استثناء لازم آئے پس مولوی سرفراز صاحب نے جہالت عناد اور دروغگوئی کے پیش نظر جو صدر الافاضل کے کلام پر یہ رد کیا ہے۔ کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیاء سے ملحق نہیں۔ یہ اُس وقت وارد ہوتا۔ جب صدر الافاضل نے سب اشیاء کے ساتھ لحوق استثناء کا دعویٰ کیا ہوتا۔ اور اگر بعض یعنی (وما اھل بہ) امور کے ساتھ استثناء کا لحوق کل کے ساتھ لحوق کو مستلزم ہے۔ تو پھر یہ الزام مشترک ہے۔ کیونکہ بعض امور (وما اکل السبع) کے ساتھ لحوق استثناء تو آپ بھی مانتے ہیں۔ ممکن ہے۔ مولوی سرفراز صاحب کو ان بعض مفسرین کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہو جو منخنقہ سے لے کر وما اکل السبع تک پانچ چیزوں کو استثناء لاحق کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے تصریح کی ہے۔ دم۔ میت۔ خنزیر اور وما اھل لغیر اللہ بہ کو استثناء لاحق نہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ وَمَا اُہِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کو جن مفسرین نے استثناء لاحق نہیں کیا۔ وہ مَا اُہِلَّ کو ما ذبح پر محمول کرتے ہیں۔ پس اِلَّا مَا ذکیتم لاحق کرنے کا مفاد جب ما اھل سے حاصل ہو گیا۔ تو اب اِلَّا مَا ذکیتم کا لاحق کرنا محض تحصیل حاصل ہے اور یہ بات اس مفہوم میں صریح ہے۔

کہ اگر ما اہل کو ذبح پر محمول کیا جائے تو اب اس کو الا ما ذکیتم کا لحوق صحیح ہوگا، کیونکہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد گرامی ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیرات احمدیہ سے وہ کلام پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے وما اہل بہ کو الا ما ذکیتم کے لاحق نہ ہونے کی علت اہل کا بمعنی ذبح ہونا قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

ولا يجوز ان يكون استثناء مما تقدمها ايضا يعني من الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل لغير الله به كما نص به في الزاهدي لان هذه الاشياء حرام لذاتها لم يلحقها الحل في حال من الاحوال يدل عليه ذكرها مرارا في القرآن بدون الاستثناء لانها مما لم يتصور فيها الذكوة لان الميتة هي التي ماتت بلا ذبح والدم ظاهر والخنزير لما كان لحمه حراما مطلقا لم يحتج الى الاستثناء ومعنى ما اهل ما ذبح فكيف يتصور فيه الذكوة ثانيا.

اور ما تقدم سے استثنا کرنا جائز نہیں یعنی مردار خون لحم خنزیر اور ما اہل لغیر اللہ بہ سے جس طرح اس پر علامہ زاہدی نے نص قائم کی ہے کیونکہ یہ اشیا ملذاتہا حرام ہیں جنھیں کسی حال میں حلت لاحق نہیں ہوتی اور قرآن میں ان کا ذکر متعدد بار بغیر استثناء کے کیا گیا ہے اور یہ اس پر کافی دلیل ہے۔ نیز ان امور میں ذبح کا معنی غیر متصور ہے، کیونکہ مردار تو بلا ذبح مر گیا اور خون کا مذبوح نہ ہونا بالکل ظاہر ہے، اور خنزیر مطلقاً حرام ہے پس اسے مذبوح ہونے کے لئے الا ما ذکیتم کے استثناء کی حاجت نہیں اور ما اہل کا معنے ماذبح ہے پس اسے ما ذکیتم لاحق کرکے دوبارہ ذبح کرنا کسطرح متصور ہو سکتا ہے۔

منصف مزاج آدمی کے لئے ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام میں ہدایت کا وافر سواد موجود ہے۔ البتہ خواہ مخواہ کی ضد اور عناد کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے اور اگر مولوی سرفراز صاحب کو اب بھی کچھ شبہ رہ گیا ہو تو لیجئے اب تفسیر روح المعانی سے علامہ آلوسی کی صریح نص پیش کرتے ہیں۔ کہ یہاں استثناء وما اھل لغیر اللہ بہ کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

وعن علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ان الاستثناء راجع الی جمیع ما تقدم ذکرہ من المحرمات سوی مالا یقبل الزکاۃ من المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اکل السبع علی تقدیر انقاثہ علی ظاہرہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت میں استثناء تمام محرمات کی طرف راجع ہے سوا ان چیزوں کے جو زکاۃ کو قبول نہیں کرتیں اور وہ یہ ہیں مردار، لحم خنزیر، خون اور جس کو درندے نے کھا لیا ہو اور اس کے کھانے کے بعد جانور زندہ نہ بچا ہو۔

اس آیت کریمہ میں نو چیزوں کو محرمات میں شامل کیا گیا ہے۔ حضرت علی اور ابن عباسؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان میں چار کی طرف استثناء راجع نہیں ہے (۱) مردار (۲) خون (۳) لحم خنزیر اور (۴) درندے کا کھایا ہوا۔ اور جن پانچ چیزوں کی طرف حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ نے استثنا راجع کیا ہے وہ یہ ہیں (۱) ما اھل لغیر اللہ بہ (۲) منخنقۃ (۳) موقوذۃ (۴) متردیہ (۵) نطیحۃ۔ اس حوالے سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ صدر الافاضل کی طرح صاحب روح المعانی حضرت علی اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی

وما اھل لغیر اللہ بہ، کو لا ما ذکیتم کا استثنا لاحق کیا ہے اور اس لحوق پر سرفراز صاحب اس طرح برہم ہوئے ہیں "یہ ہے فریق مخالف کے مفسر کی قرآن دانی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان خوفِ خدا سے بے نیاز ہو جائے اور بدعات کا شیدائی بن جائے اور من مانی کاروائیوں پر اُتر آئے۔ تو دینی معاملات میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائے گا۔ اور دُنیا و آخرت میں عند اللہ اور عند الناس رسوا ہوگا۔" (تنقید متین ص ۱۳۹)

اب آپ ہی سوچیئے کہ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کون کھا رہا ہے۔ اور دُنیا و آخرت کی رسوائی کس کا حصہ اور مقدر ہے۔ بحمد اللہ ہم نے صدر الافاضل کے کلام سے وہ غبار دور کر دیا ہے۔ جو سرفراز صاحب کی مجرمانہ جسارت اور سعی کاذب کا حاصل تھا۔ حلقۂ لعنت میں گرفتار گکھڑوی کے دامن میں سوائے کذب و افترا کے اور ہے بھی کیا۔ جس سے وہ اہلِ حق کے سامنے آسکیں۔

سرفراز صاحب کا چھٹا شبہ

مولوی سرفراز صاحب کی چھٹی جسارت ملاحظہ ہو۔ ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے۔ لیکن آخر میں چن چن کر بزرگوں کو ہی کیوں اس کیلئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ اپنے ماں باپ اور دیگر اعزہ و اقارب کو جو نفس الامر میں ثواب کے زیادہ محتاج ہیں۔ ان کو یہ کیوں راس نہیں آتا۔ انتہٰی (تنقید ص ۱۳۹)

مولوی سرفراز صاحب کو خواہ مخواہ بزرگوں سے عداوت ہے۔ ورنہ رشتہ داروں اور بزرگوں اور وارثوں کو بھی ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ یہ لغو اعتراض مولوی سرفراز صاحب اس کتاب میں متعدد بار کر چکے ہیں۔ اور اس کے جواب میں مکمل تفصیل ہم نے و مما رزقنھم ینفقون کی بحث میں پیش کر دی ہے۔

مولوی سرفراز صاحب مار کھانے کے شوق میں بار بار پٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور اب کی مار کی گردان سے اپنے آپ کو طفل تسلیاں دینا چاہتے ہیں۔

عید میلاد النبی

صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ الیوم اکملت لکم دینکم کے تحت فرماتے ہیں ـــ شان نزول۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک یہودی آیا۔ اور اس نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے اور وہ ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم روز نزول کو عید مناتے فرمایا کونسی آیت ہے۔ اس نے یہی آیت والیوم اکملت لکم پڑھی۔ آپ نے فرمایا میں اس دن کو جانتا ہوں۔ جس میں یہ نازل ہوئی تھی۔ اور اس کے مقام نزول کو بھی پہچانتا ہوں۔ وہ مقام عرفات کا تھا۔ اور دن جمعہ کا۔ آپ کی مراد اس سے یہ تھی کہ ہمارا وہ دن عید ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ سے بھی ایک یہودی نے ایسا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جس روز یہ نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں۔ جمعہ۔ عرفہ۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دینی کامیابی کے دن کو خوشی کا دن منانا جائز اور صحابہ سے ثابت ہے۔ ورنہ حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہما صاف فرما دیتے کہ جس دن کوئی خوشی کا واقعہ ہو۔ اس کی یادگار قائم کرنا۔ اور اس کی خوشی سے عید منانا ہم بدعت جانتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عید میلاد منانا جائز ہے کیونکہ وہ اعظم نعم الٰہیہ کی یادگار و شکر گذاری ہے۔ اور ص۱۸۲ ۔ ۱۸۲ میں فرمایا کہ یعنی ہم اس کے نزول کے دن کو عید منائیں۔ اس کی تعظیم کریں۔ خوشیاں منائیں۔ تیری عبادت کریں۔ شکر بجا لائیں۔

مسئلہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو۔ اس دن کو عید منانا اور خوشیاں منانا عبادتیں کرنا۔ شکر الٰہی بجالانا طریقہ صالحین ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین نعمت ہے۔ اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ پر دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الٰہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ انتہی کلامہ

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے اس تحقیقی کلام پر مولوی سرفراز صاحب نے اس طرح تنقید کی ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ اہل بدعت جس طرح دینی رنگ اور مذہبی درجہ دے کر ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کے اسراف سے جشن میلاد مناتے ہیں۔ جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں۔ اور عورتوں اور مردوں کے مخلوط اجتماعات کراتے ہیں۔ اور جس کے لئے وہ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے ہیں۔ اور ان کو دین اور کار ثواب ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ یہ کاروائی کس صحابی سے منقول ہے؟ حضرت عمرؓ سے مروی ہے یا حضرت ابن عباسؓ سے یا کسی دیگر صحابی سے یا معاذ اللہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت نہ تھی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ تو یہ کاروائی نہ کریں۔ اور آج یہ مخترع کاروائی دیکھتے دیکھتے دین کار ثواب اور اہل سنت والجماعت کا شعار قرار پائے۔ صحیح اور صریح حوالہ سے اس کا ثبوت درکار ہے اور انشاء اللہ تا قیامت اہل بدعت کی پوری جماعت اس کا ثبوت مہیا نہیں کر سکتی۔ انتہی کلامہ تنقید متین ص ۱۵۳

مولوی سرفراز صاحب نے جس عیاری سے کام لیکر یہ تنقید کی ہے۔

اس کا تلبیس ملہر حال کوئی جواب نہیں۔ صدر الافاضل نے اپنی تفسیر میں نہ تو لاکھوں روپیہ کے اسراف کو مستحسن قرار دیا ہے اور نہ مرد وزن کے اختلاط کو ہمارے نزدیک اسراف اور مرد وزن کا اختلاط دونوں ہی مذموم ہیں۔ اور جلوس کی بعض بے اعتدالیوں اور غیر شرعی امور پر علماء اہل سنت کے اعلانات اور بانیانِ جلوس کے اشتہارات میں خصوصی نوٹ۔ ان غیر شرعی امور سے اجتناب اور پرہیز کی تلقین کے سلسلہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

صدر الافاضل نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ ثابت ہے اور جو آپ نے تحریف کی ہے نہ اس کا اہل سنت یا صدر الافاضل نے دعویٰ کیا ہے نہ اس کی ہم کو ضرورت ہے بلکہ ان خرافات کی تردید میں ہمیشہ علماء اہل سنت زبان و قلم سے جہاد کرتے رہتے ہیں۔

رہا یہ امر کہ نبی علیہ السلام کی پیدائش پر خوشی منانا کیا اسراف ہے؟ ابو لہب نے نسبی رشتہ سے آپکی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا اور ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ اور یہی اسراف اس کیلئے تخفیف عذاب کا موجب ہوا۔ اور اگر آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ایسا ہی دکھ ہے کہ آپ یوم ولادت پر تمام ملک میں ماتمی فضاء پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو بے ادبی معاف۔ ہمیں کہنے دیجئے کہ آپ کی یہ ذہنیت ابو لہب سے کہیں بد تر ہے۔ اور عید میلاد کی روشنی سے اگر آپ کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ تو آپ کو قعر جہنم کی سیاہ تاریکیاں مبارک ہوں۔ وہاں اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیجئے گا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا

آپ اپنے مدرسوں کے سالانہ جلسوں میں روشنی اور جھنڈیوں کا انتظام کرتے ہیں۔ غیر ملکی مہمانوں کی آمد اور چودہ اگست، تئیس مارچ اور ستائیس اکتوبر کو پورے ملک میں چراغاں ہوتا ہے اور جھنڈیاں لگائی

جاتی ہیں۔ ان مواقع پر آپ کیوں اپنے جوش سی کر مداہنت بلکہ منافقت اختیار کرتے ہیں یا ذکر یہ بدعت کے فتوے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی یاد کے ساتھ مختص ہیں۔ مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت مل کر ہی اس گتھی کو سلجھائے کہ چراغاں اور جھنڈیوں کا یہ اسراف غیر ملکی مہمانوں کی آمد قومی ایام ان کے مذہبی تبلیغی جلسوں اور اپنے مولویوں کے استقبال میں کس طرح جائز ہے۔ اور رسول اللہ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کیلئے یہی امور بدعت کیسے ہو گئے۔ کیا ان دنیاوی چیزوں اور آپ کے شرعی قوالوں کا مرتبہ رسول اللہ سے زیادہ ہے۔

دینی اور دنیاوی امور کا فرق

راہ سنت میں مولوی سرفراز صاحب نے اس کے جواب میں ایک عذر لنگ پیش کیا ہے کہ بدعت صرف امور دینیہ کے ساتھ مختص ہے گویا کہ ان کے ہاں جلسوں میں شرعی بھانڈ جو ناٹک پیش کیا کرتے ہیں۔ وہ سب بے دینی ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ آپ کو خود ہی اپنے مقام کا احساس ہو گیا ہم اگر کچھ عرض کرتے تو آپ برا مناتے۔ لیکن غیر ملکی مہمانوں کی آمد اور قومی ایام کو جو آپ نے امور دینیہ سے خارج کر دیا۔ اس سے ہمکو اختلاف ہے۔ کیونکہ یہ خالص عیسائی نظریہ ہے۔ جس نے کلیسا اور قصر سیاست کو علیحدہ علیحدہ کر دیا ہمارے ہاں سیاست بھی دین ہے اور عبادت بھی۔ حکومت اور شریعت کی اس اسرائیلی تقسیم کو آپ مسلمانوں پر پیش کر کے اپنے سابقہ آقاؤں کا حق نمک ادا کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔

اور اگر امور دینیہ سے ذکر اذکار اور خالص عبادات مثلاً نماز۔ روزہ مراد ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان بھی عید میلاد پر اظہار خوشی کی اس قسم سے

نہیں سمجھتا۔ پس اس کا بدعت اور حرام ہونا کس طرح لازم آئیگا۔ بدعت سیئہ کا لفظ رٹنے کیلئے مولوی سرفراز صاحب نے سیکھ لیا ہے۔ اور اس کا معنی سمجھنے کی انہیں آجتک توفیق نہ ہوئی۔ سادہ لوح عوام اور جاہل مریدوں کے ایمان کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کیلئے ہر کارِ خیر کو بدعت کہتے ہیں۔ اہلِ تنقیص کا یہ پرانا حربہ ہے کہ عظمت رسول کے ہر نشان پر بدعت کا رولر پھیر دیا جائے اب ہم بدعت کی صحیح تعریف پیش کرتے ہیں۔

بدعت کیا ہے

ابن عابدین شامی صفحہ ۳۹۳ جلد اپر بدعت کی تعریف فرماتے ہیں:۔

بانها ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من علم اوعمل اوحال بنوع شبهة واستحسان وجعل دینا قویما وصراطا مستقیما

بدعت اس نو پیدا شدہ امر کو کہتے ہیں۔ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کردہ شریعت کا مخالف ہو۔ عام ازیں کہ وہ امر محدث نظری ہو۔ یا عملی یا حالی ہو اور یہ مخالفت کسی شبہے یا استحسان پر مبنی ہو۔ اور اسکو دین قویم بنا لیا جائے۔

پس بدعت سیئہ میں مرکزی طور پر دو چیزیں لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ شریعت کے مخالف ہو۔ دوسرا یہ کہ اسے دین کا جزو بنالیا جائے۔ اب آپ اس معیار پر تمام معمولات اہل السنت کو دیکھئے۔ تو ان میں کوئی ایسا امر نہیں پائیں گے۔ جو شریعت کے مخالف ہو۔ اس کے برعکس ہر امر میں کتاب وسنت کی روح کارفرما ہوگی۔ اور ہر طریقہ منشاءِ اسلام کے مطابق اور کتاب وسنت کی اصل کے تابع ہوگا۔ راہِ سنت میں مولوی سرفراز صاحب نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کسی عمل نو کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ اس کا منشا اسلام میں موجود ہے

یا نہیں۔ آئمہ مجتہدین کا کام ہے۔ مولوی سرفراز صاحب کا یہ قول بھی ان کی جہالت کا شاہکار ہے۔ علم اور تحقیق سے تہی دست دقاش محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آئمہ مجتہدین کے ساتھ صرف اصول کلیہ مختص ہیں اور کتاب وسنت اور آئمہ کے اصول کلیہ کی روشنی میں اجتہاد استخراج استنباط کی راہیں آج بھی امت پر کشادہ ہیں۔ فقہا کے مراتب سبعہ کی تفصیل اس دعویٰ پر واضح دلیل ہے لیکن حجروں میں بیٹھ کر امت رسول پر شرک کا کلہاڑہ مارنے والوں کے بس کی بات نہیں۔

جشن میلاد

جشن میلاد پر اظہار خوشی کے لئے جھنڈیوں، چراغاں اور جلوس کے بارے میں مولوی سرفراز صاحب نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ "بتاؤ صحابہ کرام نے اس طرح جشن منایا تھا؟ یا یہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے یا حضرت ابن عباسؓ یا کسی اور صحابی سے" یہ جہالت اور بد نصیبی کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کوئی کہہ دے کہ ٹینک اور طیاروں سے جہاد کرنا بدعت ہے۔ ورنہ بتلاؤ کہ کیا حضرت عمرؓ سے ٹینک مروی ہے۔ یا حضرت ابن عباس سے یا دیگر صحابہ سے جہلاء کی اس جماعت کو یہ بھی معلوم نہیں کہ خوشی منانے اور جنگ کے طریقے ہر دور میں مختلف ہوتے ہیں جس طرح جہاد میں جنگ کرنا رسول اللہ اور صحابہ سے ثابت ہے۔ اب اس تفصیل کی احتیاج نہیں کہ جنگ کن ہتھیاروں سے لڑی جاتی ہے۔ اسی طرح یوم ولادت پر اظہار مسرت اور اس کا اہتمام رسول اللہ اور صحابہ سے ثابت ہے اور اس کی تفصیل ہر دور کے مزاج اور زمانہ کی رفتار کے مطابق ہوگی۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کوئی شرعی بے اعتدالی نہ پائی جائے اور مولوی سرفراز صاحب کی جماعت جو میلاد کی خوشی پر چراغاں اور جھنڈیوں کو بدعت سیئہ اور حرام قرار دیتی ہے اس کا صحیح اور

صریح حوالہ کتاب و سنت سے درکار ہے۔ کیونکہ کسی امر کو حرام یا مکروہ قرار دینے کیلئے بالخصوص اس امر کی حرمت یا کراہت پر نہی مخصوص لانی ضروری ہے (شامی ج ۱ ص ۲۸۳) اور انشاء اللہ مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت تا قیامت اس کا ثبوت مہیا نہیں کر سکتی۔ دیدہ باید

ممکن ہے سرفراز صاحب یہ کہیں کہ ٹینک اور طیاروں سے جنگ اگرچہ صحابہ کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ لیکن اس کو قرآن سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے (اعدوا لهم ما استطعتم من قوة کفار کے خلاف جو بن پڑے حاصل کر لو) پس ان جدید طرز کے ہتھیاروں کا استعمال بدعت نہ ہوا۔ اسی طرح ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(قل بفضل اللہ و برحمته فبذالك فليفرحوا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے حصول پر خوشی مناؤ) اور جب مطلقاً فضل اور رحمت کے حصول پر فرحت و مسرت کا امر ہے۔ تو رحمتہ اللعالمین کے حصول پر خوشی منانا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ رہا یہ امر کہ نبی علیہ السلام کی رحمت تو ہمیں سال کے ہر دن بلکہ ہر لمحہ حاصل ہے۔ پھر اس یوم ولادت پر اظہار مسرت میں کیا خصوصیت ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس دن کی خصوصیت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ کے بارے میں فرماتا ہے۔ وسلام علیه یوم ولد (اور حضرت یحییٰ پر سلام ہو ان کی پیدائش کے دن) حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔ (والسلام علی یوم ولدت۔ مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن)۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۹ پر ہے۔

عن ابی قتادة قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن صوم الاثنين۔ ابی قتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے کا

فقال فیہ ولدت وفیہ انزل علیّ (رواہ مسلم) سبب پوچھا گیا آپ نے فرمایا اسدن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر قرآن کریم نازل ہوا۔

دیکھئے اپنے لئے سلامتی کی دعا، ہر روز مانگی جاسکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ پر یوم میلاد کو سلام بھیجتا تھا۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ بھی اسی دن اپنے لئے سلامتی کی دعا مانگتے تھے۔ حضور علیہ السّلام نے پیر کے دن کو روزے کیلئے خاص کر لیا تھا، کیونکہ اسی دن آپ پیدا ہوئے تھے۔ ان تمام قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ حضور سرور کائنات کی ولادت پر سال کے ہر دن اور ہر لمحہ خوشی منانا جائز ہے لیکن یوم میلاد کو خاص ترجیح ہے۔

آیئے اب ہم آپ کے سامنے آپ کے پیر روشن ضمیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا کلام پیش کرتے ہیں۔

اور انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کر لیا جائے۔ کمایظہر من التامل من قولہ علیہ السّلام من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد الحدیث۔ پس ان تخصیصات کو اگر کوئی شخص عبادت مقصودہ نہیں سمجھتا بلکہ فی نفسہٖ مباح جانتا ہے۔ مگر انکے اسباب کو عبادت جانتا ہے۔ اور ہیئت مسبب کو مصلحت سمجھتا ہے۔ تو بدعت نہیں مثلاً قیام کو لذاتہا عبادت اعتقاد نہیں کرتا۔ مگر تعظیم ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت جانتا ہے اور کسی مصلحت سے اسکی یہ ہیئت معین کر لی۔ اور مثلاً تعظیم ذکر کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر بمصلحت خاص ذکر ولادت کا وقت مقرر کر لیا۔ مثلاً ذکر ولادت کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے مگر مصلحت سہولت دوام یا کسی مصلحت سے بارہ ربیع الاوّل مقرر کر لی اور کلام تفصیل مصالح میں از بس طویل ہے۔ ہر محل میں جدا مصلحت ہے۔ رسائل مو البید میں

بعض مصالح مذکور بھی ہیں۔ اگر تفصیلاً کوئی مطلع نہ ہو تو مصلحت اندیشاں پیشین کا اقتدا ہو ہے۔ اس کے نزدیک یہ مصلحت کافی ہے۔ ایسی حالت میں تخصیص مذموم نہیں۔ تخصیصات اشغال و مراقبات و تعینات رسوم مدارس و خانقاہ جات اسی قبیل سے ہیں۔ اور اگر ان تخصیصات کو قربت مقصودہ جانتا ہے۔ مثل نماز روزہ کے تو بے شک اس وقت یہ امور بدعت ہے۔ مثلاً یوں اعتقاد کرتا ہے کہ اگر تاریخ معین پر مولود نہ پڑھا گیا یا قیام نہ ہوا یا شیرینی کا انتظام نہ ہوا۔ تو ثواب ہی نہ ملا۔ تو بے شک یہ اعتقاد مذموم ہے۔ غرض دونوں صورتوں میں تعدی مردود ہے اور اگر ان امور کو ضروری بمعنے واجب شرعی نہیں سمجھتا بلکہ ضروری بھی بمعنے موقوف علیہ بعض البرکات جانتا ہے۔ جیسے بعض اعمال میں تخصیص ہوا کرتی ہے۔ کہ انکی رعایت نہ کرنے سے وہ اثر خاص مرتب نہیں ہوتا۔ مثلاً بعض عمل کھڑے ہو کر پڑھے جاتے ہیں۔ اگر بیٹھ کر پڑھیں تو وہ اثر خاص نہ ہو گا۔ اس اعتبار سے اس قیام کو ضروری سمجھتا ہے۔ اور دلیل اس توقف کی موجدان اعمال کا تجربہ یا کشف والہام ہے۔ اسی طرح کوئی عمل مولد کو بہیئت کذائیہ موجب بعض برکات یا آثار کا اپنے تجربہ سے یا کسی صاحب بصیرت کے وثوق پر سمجھے اور اس معنی کے قیام کو ضروری سمجھے۔ کہ یہ اثر خاص بدوں قیام نہ ہو گا اس کے بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں اور اعتقاد ایک امر باطن ہے۔ اس کا حال بدوں دریافت کئے ہوئے یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا۔ محض قرائن تخمینہ سے کسی بدگمانی اچھی نہیں (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۲ و ۵)۔

حاجی صاحب کی اس طویل عبارت میں تقریباً وہ تمام ابحاث آ گئیں جن کو ہم پیش کر چکے ہیں۔ مثلاً تعین سے مراد تعین شرعی نہیں تعین عرفی ہے۔

اور یہ تعین جائز ہے اور قرائن کے سبب سے راجح ہے اور جائز امور کو حرام کہنا مذموم ہے۔ اور مذموم کا لفظ بھی گول مول ہے۔ حقیقت میں اللہ کے حلال کو حرام کرنا سخت حرام ہے اور رسول اللہ کی شریعت بدلنا ہے۔ العیاذ باللہ!

سرفراز صاحب اور انکے حکیم الامت کی جواز میلاد پر شہادت

اور مولوی سرفراز صاحب کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب کا ارشاد ہے۔

عمل مولد شریف بہ ہیئت و قیود مخصوصہ ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ ہے اور نہ کسی دلیل شرعی سے ممنوع ہے تو فی حد ذاتہ مباح ٹھیرا۔ (طریقہ مولود ص ۱۳ بحوالہ باب جنت ص ۱۲۴)۔

اور یہی بات ہم عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ فی نفسہ میلاد کتاب و سنت سے ثابت ہے اور قیود مخصوصہ فی حد ذاتہ مباح ہیں۔ سرفراز صاحب باب جنت ص ۱۲۵ پر لکھتے ہیں :-

" علاوہ ازیں عمل مولد شریف بہیئت و قیود مخصوصہ سے کیا وہ عمل مراد ہے۔ جو بعض بزرگوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت کے دن آپکیلئے ایصال ثواب کرنا اور آپ کے صحیح حالات بیان کرنا اور اسی طرح کی بعض دیگر چیزیں یا مفتی صاحب آپ کے زمانہ کا میلاد مراد ہے کہ اس کیلئے جلوس ہو اور بینڈ باجے ساتھ ہوں اور فرض نمازوں کے اوقات میں بھی جلوس جوش و خروش کے ساتھ چلتا رہے "

خدا کا شکر ہے کہ آپ نے حضور کی پیدائش کے دن ایصال ثواب کو مان لیا۔ ورنہ اب تک تو آپ یہی کہتے آئے تھے کہ تعیین بدعت ہے اور بزرگوں کو ایصال ثواب نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ وہ تو نیکیوں سے پہلے ہی مالامال

ہیں۔ بہر حال ہم بھی یہی کچھ چاہتے ہیں کہ آپ یوم میلاد کو ایصال ثواب اور آپ کے فضائل بیان کرنے کا جواز اور استحسان مان لیں اور رہا جلوس تو وہ مولوی اشرف علی صاحب کے بیان کردہ قاعدہ کے تحت مباح کی مد میں آتا ہے۔ کیونکہ وہ نہ مامور بہ ہے اور نہ منہی عنہ۔ اور جن خرافات کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ یعنی بینڈ باجہ اور نماز کو ترک کرنا تو ہم ان سے کلیتہً بیزار ہیں اور پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ہم اسکی تردید کے لئے اپنی کوشش کرتے رہتے ہیں آپ خواہ مخواہ خلط مبحث اور مغالطہ آفرینی کرکے ان امور کو ذکر کرتے ہیں جو محل نزاع نہیں ہیں۔

ابن عباس کی حدیث اور عید میلاد

مولوی سرفراز صاحب تنقید صفحہ ۱۵۵ پر لکھتے ہیں۔

مولوی نعیم الدین صاحب کا عید میلاد کو حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث پر قیاس کرنا جہالت کا پلندہ ہے۔ کیونکہ جمعہ اور عرفہ کے دن کو حضرات صحابہ کرام نے ازخود متعین ومقرر نہیں کیا۔ اور نہ خود اپنی مرضی سے عید بنایا اور منایا ہے۔ بلکہ ان دنوں کی تعیین اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوئی جس کا اعلان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے کیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ شریعت کی طرف سے مقرر کردہ دنوں پر اپنی طرف سے عید میلاد کے دن اور اس دن کے اہتمام اور اس کے جشن کو قیاس کرنا باطل اور فاسد قیاس ہے۔ انتہی۔

جہالت کا پلندہ کیا ہے۔ یہ عنقریب ناظرین پر واضح ہوجائیگا۔ یوم جمعہ اور یوم عرفہ کا دن بعض نعمتوں کے حصول کی بنا، پر عید قرار پایا ہے۔ اور ہم نے یوم جمعہ اور یوم عرفہ کے عید ہونے پر عید میلاد کو قیاس نہیں کیا۔ بلکہ ہم تو

بعض نعمتوں کے حصول کی بنار پر عید یہ کہتے ہیں کہ جب یوم جمعہ اور یوم عرفہ قرار پایا تو بارہ ربیع الاول کا دن جس میں ہمیں کائنات کی سب سے عظیم نعمت حاصل ہوئی۔ بطریقِ اولیٰ عید قرار پائے گا۔ اور یہ قیاس نہیں ہے بجہالت تو یہ ہے کہ حزبِ معاند کے محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قیاس میں مسلوات ہوتی ہے۔ اور یہاں مساوات نہیں بلکہ عید ہونے کی علت عید میلاد میں اقوی اور اولیٰ درجہ میں پائی گئی ہے۔ اس کو دلالۃ النص کہتے ہیں۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ماں باپ کو اُف کہنے سے روکا گیا ہے۔ پس انہیں اُف کہنا حرام ہے اب کوئی شخص اپنے ماں باپ کو زدوکوب کرنا شروع کر دے اور کہے کہ اُف کہنا حرام ہے۔ جس کی تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی اور اس کا اعلان حضور کی زبان فیض ترجمان سے ہُوا۔ زدوکوب کب منع کیا گیا ہے۔ بس اُف پر زدوکوب کو قیاس کرنا نرا باطل اور فاسد قیاس ہے۔ تو بتائیے۔ ایسے شخص کی بات کون مانے گا۔ پس جس طرح جب ماں باپ کو اُف کہنا حرام ہے تو زدوکوب کرنا بطریقِ اولیٰ حرام پایا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب جمعہ کا دن چند نعمتوں کی وجہ سے عید قرار پایا۔ تو یوم میلاد جو کائنات کی سب سے عظیم نعمت اور رحمت کا حامل ہے۔ بطریقِ اولیٰ عید قرار پائیگا۔ ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ مرقاۃ صـــ ۲۴۳ ج ۳ میں فرماتے ہیں۔

قال الراغب العید مایعاود مرۃ بعد اخریٰ وخص فی الشریعۃ بیوم الفطر ویوم النحر ولما کان ذالك الیوم مجعولا للسرور

امام راغب نے فرمایا کہ عید لغوی اعتبار سے اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے اور اصطلاع شرع میں عید فطر اور عید الضحیٰ کو کہتے ہیں۔ اور جبکہ یہ شریعت میں سرور

فی الشریعة کما نبه النبی علیه الصلوٰة والسلام بقوله ایام منیٰ ایام اکل وشرب وبعال صار یستعمل العید فی کل یوم فیه مسرة

کے لئے مقرر کیا گیا ہے جس طرح اس پر نبی علیہ السلام نے اپنے اس فرمان میں تنبیہ کیا ہے کہ ایام منیٰ کھانے پینے اور ملاپ کے دن ہیں تو عید کا لفظ ہر مسرت کے دن میں مستعمل ہونے لگا۔

اب فرمائیے جہلاء گکھڑ کا امام راغب اصفہانی اور ملا علی قاری کے بارے میں کیا فتوےٰ ہے۔ صدر الافاضل سے تو آپ کو یہ شکوہ تھا کہ انہوں نے یوم میلاد کو عید قرار دیا ہے۔ اور ان اکابر نے تو ہر یوم فرح و سرور کو عید بنا کر گکھڑ کو ماتم کدہ بنا دیا۔

یوم میلاد کے عید ہونے کی شہادت

ملا علی قاری کے بعد شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔ کہ وہ بالخصوص یوم میلاد کو عید فرماتے ہیں

قال ابن الجوزی فاذا کان هذا ابولهب الکافر الذی نزل القرآن بذمه جوزی فی النار لفرحه لیلة مولد النبی صلی الله علیه وسلم فما حال المسلم من امته یسر بمولده ویبذل ما تصل الیه قدرته فی محبته صلی الله علیه وسلم انما کان جزاؤه من الله الکریم ان یدخله بفضله العمیم

ابن جوزی نے کہا کہ پس جبکہ وہ ابولہب جس کی مذمت پر قرآن نازل ہوا اسے نبی علیہ السلام کی ولادت پر خوشی کرنے کے سبب سے جہنم میں جزا دی گئی۔ تو آپ کی امت شریفہ کے اس مسلمان کی جزاء کا کیا عالم ہوگا۔ جو آپ کی پیدائش پر خوشی اور اظہار سرور کرے . . . .

. . . .

جنات النعیم ولا یزال اهل الاسلام
یحتفلون بشهر مولده صلی الله علیه
وسلم ویعملون الولائم ویتصدقون
فی لیالیه بانواع الصدقات ویظهرون
السرور ویزیدون فی المبرات
ویعتنون بقراءة مولده الکریم
ویظهر علیهم من مکانه کل فضل
عمیم ومما جرب من خواصه انه
امان فی ذالک العام وبشری عاجل
بنیل البغیة والمرام فرحم الله امرءً
اتخذ لیالی شهر مولده المبارک
اعیادا لیکون اشد علة علی من
فی قلبه مرض و عناد (ما ثبت
بالسنة ص ۲)

اور مقدور بھر نہیں سے آپ کی محبت
میں خرچ کرے۔ اور مجھے اپنی حیات کی
قسم اسکی جزا اس کے سوا کچھ نہ ہوگی کہ اللہ
تعالیٰ اسے اپنے فضل وکرم سے جنات
نعیم میں داخل فرمائے گا۔ اور ہمیشہ سے
اہل اسلام نبی علیہ السلام کی ولادت کے
مہینہ میں محفلیں منعقد کرتے ہیں دعوتیں
کرتے ہیں۔ راتوں کو صدقہ وخیرات کرتے
ہیں۔ اظہار مسرت اور نیکیوں میں زیادتی
کرتے ہیں اور آپ کی ولادت مبارکہ کے
واقعات پڑھتے ہیں اور ان پر اس وجہ سے
فضل ظاہر ہوتا ہے اور مجرب ہے ثابت ہے
کہ محفل میلاد کی برکت سے سارا سال امن رہتا
ہے اور مطلوب حاصل ہونیکی جلد بشارت
ملتی ہے۔ پس خدا فضل کرے اس شخص پر جس نے ماہ ربیع الاول کی ہر شب کو عید بنا دیا۔ تاکہ علت نبوی کے منکروں اور تنقیص رسالت کے شیدائیوں پر یہ خوشی مزید گراں گذرے اور ان کا اندرونی عناد بڑھے۔

سرفراز کے شبہات

حضرت شیخ محقق اور محدث ابن جوزی کا یہ کلام اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ سرفراز صاحب اور ان کی پوری جماعت کے خرمن ایمان کیلئے یہ کلام برق صاعقہ سے کم نہیں۔ اب آخر میں ہم فضل گکھڑوی کے ایک اور شبہ کا ازالہ کئے دیتے ہیں مولوی

سرفراز صاحب نے لکھا ہے۔ علامہ ابن امیر الحاج المالکی نے اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے۔ تنقید ص۱۵۴

اس کا جواب شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سماعت فرمائیے۔

ولقد اطنب ابن الحاج فی المدخل فی الانکار علی من احدثه الناس من البدع والاهواء والغنا بالآلات المحرمة عند عمل المولد الشریف	اور ابن الحاج نے مدخل میں ذکر مولد کے وقت آلات محرمہ کے ساتھ غنا کو بدعات منکرہ اور خواہشات نفسانیہ پر سخت انکار کیا ہے۔

(ص۸۳ ماثبت بالسنة)

اور واضح بات ہے کہ جن امور کو صاحب مدخل نے منع فرمایا ہے وہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ یہ مولوی سرفراز صاحب کی سخت فریب کاری ہے کہ انہوں نے محض ابن الحاج کا نام لے کر لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کی ہے۔

سرفراز صاحب نے نہ تو مجدد الف ثانی کی عبارت پیش کی اور نہ صاحب مدخل کی اصل عبارت پیش کی اور اپنے باطل نظریات کو صاحب مدخل اور مجدد الف ثانی کے سر منڈھنے کی کوشش مذموم کی ہے۔ شیخ محقق کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صاحب مدخل نے بدعات محرمہ پر رد کیا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح مجدد الف ثانی کا انکار بھی بدعات محرمہ پر محمول ہے نہ کہ نفس انعقاد محفل پر اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے۔ کہ صاحب مدخل نے نفس انعقاد میلاد کو بدعت کہا ہے۔ تو گزارش ہے کہ جب انعقاد کے میلاد کے جواز کو ہم قرآن وحدیث اور علماء اسلام بلکہ خود دیوبندیوں کے حکیم الامت کے کلام سے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان تمام کے مقابلہ میں صاحب

مدخل کی کیا حیثیت ہے۔ اور اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ نفس انعقاد میلاد بدعت ہے تو معاف کیجئے گا۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد الرحیم جو نفس انعقاد میلاد کو جائز سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہے۔ کیا انہیں بھی بدعتی قرار دیکر جہنم میں پہنچائے گا؟ دیکھئے شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبد الرحیم کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

اخبرنی سیدی الوالد قال کنت اصنع فی ایام المولد طعاما صلۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یفتح لی سنۃ من السنین شیئ اصنع بہ طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمتہ بین الناس فرایتہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین یدیہ ھذا الحمص مبتھجا بشاشا۔ (در ثمین ص۴۰) (انفاس العارفین ص۱۴۰)

میرے والد مکرم فرماتے ہیں کہ میں ایام مولود شریف میں کھانا پکایا کرتا تھا۔ تاکہ آپ سے نیازمندی کا تعلق قائم رہے۔ ایک سال میرے پاس کچھ نہ تھا جس سے میں کھانا پکا سکوں۔ پس میں نے بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ نہ پایا۔ تو میں نے انکو لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور کے پاس وہ چنے رکھے ہیں اور آپ بیحد خوش ہیں۔

کیا سرفراز صاحب بتلا سکیں گے کہ ان کے حکمی لکڑ دادا نے سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے ایام مولود کو کیوں ایصال ثواب کے لئے خاص کر لیا تھا۔ نیز اس التزام کے ساتھ ایصال ثواب کو اگر اور کچھ نہ ہو تو بھنے ہوئے چنوں کو ہی تقسیم کر دیا جائے۔ یہ کس طرح مستحسن ہوگا۔ آپ تو کہتے ہیں کہ مستحب پر اصرار کرنا غیر مستحسن ہے۔ (تنقید متین ص۵۴)

اور حکمی لکڑ دادا کے بعد آیئے۔ اب آپ کو آپ کے مرکزی پیر کا فیصلہ بھی سنوا دیں۔ وہ لکھتے ہیں :۔

" اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں" (فیصلہ ہفت مسئلہ ص۶)۔

اور اب بھی اگر آپ نفس میلاد کے انعقاد کو بدعت کہیں تو لیجیے خود آپ کی زبان سے ہی کہلوائے دیتے ہیں۔

" بعض بزرگوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت کے دن ایصال ثواب کرنا اور آپ کے صحیح حالات بیان کرنا" (راہ جنت ص۱۲۴)

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے اس مسئلہ کے اصولی مباحث کو کتاب وسنت اور مبتدعین دیوبند کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ میلاد شریف میں جو کچھ کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس کا ذکر بادلائل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے غیر شرعی امور مثلاً مرد و زن کے مخلوط اجتماعات فحش گانے۔ آلات مخربہ اور دوسرے فواحش تو نہ ان کا انعقاد میلاد میں دخل ہے۔ نہ وہ ہمارے ذمہ ہیں۔ سرفراز صاحب نے خواہ مخواہ ان کا ذکر کر کے مغالطہ آفرینی کی کوشش کی ہے۔ والی اللہ المشتکی

تفویض احکام

یٰایہا الذین اٰمنوا لاتسئلوا عن اشیاء کے شان نزول میں صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں حج فرض ہونے کا بیان فرمایا۔ اس پر ایک شخص نے کہا، کیا ہر سال فرض ہے۔ حضرت نے سکوت فرمایا۔ سائل نے سوال کی تکرار کی۔ تو ارشاد فرمایا، کہ جو میں بیان نہ کروں، اس کے درپے نہ ہو۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ احکام حضور کو مفوض ہیں جو فرض فرمادیں وہ فرض ہو جاوے۔ نہ فرمائیں تو نہ ہو۔ انتہیٰ۔

اب آپ اس کلام پر مولوی سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیں۔ تنقید۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے مسئلہ کے عنوان میں جو لکھا ہے۔ وہ سراسر باطل اور درج اسلام کے قطعی خلاف ہے (اولاً) اسلئے کہ رسول اور نبی کے معنی پیغام رساں اور خبر دینے والے کے ہوتے ہیں یعنی جو کچھ اللہ تعالےٰ نے حلال یا حرام کر دیا۔ رسول کا کام یہ ہے کہ وہ ذمی یا کہ لوگوں کے سامنے ان احکام کی حلت وحرمت پیش کر دے اور انکو ان احکام کی اطلاع دے کر خبر دار کر دے کہ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا صلہ یہ ہوگا۔ اور خلاف ورزی کرنے کا وبال دنیا و آخرت میں یوں بھگتنا پڑیگا۔ رسول اور نبی کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اپنی طرف سے جس فرض کو چاہیں نافذ کر دیں۔ یا جس حکم کو چاہیں فرض نہ کریں۔ تنقید متین ص ۱۵۷

مقامِ نبوت۔ مولوی سرفراز صاحب نے پرویزی زبان سے جس طرح اس جماعت میں منکرین حدیث کی ترجمانی کی ہے۔ وہ دردمندانِ ملت سے مخفی نہیں ہے منصبِ رسالت کو صرف خبر رسانی میں بند کر دینا مقامِ نبوت سے جہالت اور عظمت رسالت سے عناد کی بدترین مثال ہے۔ آئیے۔ اب ہم آپکے سامنے کتاب و سنت اور اقوال علماء کی روشنی میں مقام نبوت کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا اعلان ہے۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما۔

آپکے رب کی قسم اس وقت تک یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ اپنے متنازعہ فیہ معاملات میں آپکی حاکمیت تسلیم نہ کرلیں اور پھر اپنے دل میں اسکے خلاف کوئی تنگی بھی نہ پائیں۔

وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله

اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اسلئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم

فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں محبوب بنائے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اسکا رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو پھر ان مومنین کو اللہ اور رسول کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ (ولایۃ)

بالتحقیق اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ رسول کو ان میں انہیں میں سے مبعوث فرمایا کہ جو ان پر قرآن پاک کی آیات تلاوت کرتے ہیں ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے جو فوائد حاصل ہوتے، وہ یہ ہیں۔ نبی علیہ السلام کی حاکمیت واجب التسلیم ہے، واجب الاطاعت ہے۔ جب آپ کسی کام کا حکم فرمائیں، تو اس سے اعراض کی کسی مسلمان کو گنجائش نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اتباع کو اپنی پسند کا معیار قرار دیا۔ آپ کو تعلیم اور تزکیہ کا منصب عطا فرمایا۔ اس کے برعکس سرفراز صاحب کا ارشاد ہے کہ "نبی کا کام ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے احکام کی حلت وحرمت پیش کرے ـــــ رسول اور نبی کو ہرگز یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی طرف سے جس فرض کو چاہیں نافذ کر دیں یا جس حکم کو چاہیں فرض نہ کریں۔" اب آپ ہی سوچیں اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت نافذ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ تو پھر کیا یہ اختیار گکھڑ کے سرفراز کیلئے ثابت ہے؟

نبی علیہ السلام کے اختیارات

مرقات صفحہ ۳۲۳، جلد ۲۔ اور فتح الملہم ص ۹۲ ج ۲ پر ہے ۱۔

ومن ثم عد ائمتنا من خصائصہ علیہ السلام انہ یخص من شاء بما شاء کجعلہ شہادۃ خزیمۃ بن ثابت شہادتین رواہ البخاری

اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کرام نے نبی علیہ السلام کے خصائص میں شمار کیا ہے کہ آپ جس کو چاہیں جس حکم کے ساتھ چاہیں خاص کر لیں جس طرح آپ نے خزیمہ بن ثابت کی

وکثر خصیصه فی النیاحة لام عطیة فی آل فلان خاصة رواہ مسلم قال النووی للشارع ان یخص من العموم ماشاء وبالتضحیة بالعناق لابی بردة بن نیار وغیرہ

تنہا شہادت کو دو شہادتوں کے قائم کر دیا۔ بخاری، حالانکہ متنازعات میں قرآنی حکم سے ایک مرد کی گواہی جائز نہیں) اور جس طرح آپ نے ام عطیہ کو آل فلاں میں نوحہ کرنے کی اجازت دیدی مسلم جبکہ باعموم نوحہ کرنا ممنوع تھا، اور نووی نے فرمایا کہ شارع علیہ السلام کیلئے جائز ہے کہ وہ عموم احکام میں سے جسے چاہیں خاص فرمالیں اور جس طرح ابی بردہ بن نیار کو آپ نے ایک سال سے کم عمر کے بکرے کی قربانی کی اجازت دیدی (اور دوسروں کے لئے ایک سال کی عمر سے کم کی قربانی جائز نہیں)۔

دیدہ عرفان کیلئے یہ عظمت رسول کے چمکتے ہوئے شہ پارے ہیں جس اختیار کو ائمہ کرام نے نبی علیہ السلام کی خصوصیت اور فضیلت ثابت کرنے کیلئے بیان کیا۔ اسی اختیار کا انکار کر کے اور نبی علیہ السلام اس فضیلت کا سلب کر کے مولوی سرفراز صاحب نے اپنی جس فرومایہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے وہ کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے۔

ملا علی قاری امام نووی اور دیگر آئمہ اہل سنت کے علاوہ فریق مخالف کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام عموم احکام میں سے جس کو چاہیں خاص فرمالیں۔ اب اگر آپ کے نزدیک یہ عقیدہ باطل اور رافضیوں کا خاصہ ہے تو گستاخی معاف اس تیر کا پہلا نشانہ اپنے شیخ الاسلام کو بنایئے۔ اس کے بعد آئمہ اہل سنت کو ہدف بنائیے گا۔ جن فاسد عقائد کا سرفراز صاحب نے آج اظہار کیا ہے۔ وہ نبی علیہ السلام پر چودہ سو سال پہلے منکشف تھے اور آپ نے غیر مبہم الفاظ میں

ان کی نشان دہی فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے مشکوٰۃ شریف ص۲۹ پر ہے۔

الا یوشك رجل شبعان علٰی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه و ان ما حرم رسول الله کما حرم الله	آگاہ رہو نزدیک ہے کہ ایک مستغنی اور متکبر تخت نشین کہے گا کہ قرآن کو لازم کر لو۔ پس جو اس میں حلال پاؤ وہ حلال سمجھو اور جو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ جسے اللہ کے رسول نے حرام فرمادیا وہ ایسا ہی حرام ہے جس طرح اللہ نے حرام فرمایا ہو۔

تخت تنقیص پر متمکن ہو کر نبی علیہ السلام کے تشریعی اختیارات اور خصوصی فضیلتوں کا انکار کر کے مولوی سرفراز صاحب نے اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کا حریف بنانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ مولوی سرفراز صاحب کو تو اپنی ہوائے نفسانی سے بغیر کسی صریح دلیل کے میلاد، عرس، ایصال ثواب وغیرہ امور کو ناجائز قرار دے کر حلال کو حرام اختیار ہے اور سرور کائنات کو کسی شئے کی فرضیت اور وجوب کے نافذ کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے

شرم تم کو مگر نہیں آتی

تفویض کا ثبوت

دیکھئے مسلم شریف باب السواک میں ہے۔

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لولا اشق علی المومنین و فی زهیر علی امتی لامرتهم بالسواك عند کل صلوٰة	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر میں مسلمانوں پر دشوار نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

اس کے تحت مولوی سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبندی فتح الملہم ص۴۱۵ ج ۱ پر لکھتے ہیں۔ ای وجوبا کما فی المرقاۃ ملا علی قاری حنفی

اور مولوی شبیر احمد عثمانی کے بیان کی روشنی میں اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ نبی علیہ السلام کو وجوب مسواک کے حکم میں اس کے سوا اور کوئی مانع نہ تھا۔ کہ آپ اس امر کو امت پر دشوار سمجھتے تھے۔ پس بحمداللہ یہ امر ثابت ہوگیا۔ کہ غیر وحی شدہ امور میں فرضیت اور وجوب کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض تھے۔ کہ آپ جس طرح چاہیں شروع فرمائیں۔

مسلم شریف کی جس حدیث کا صدر الافاضل رحمتہ اللہ نے تذکرہ فرمایا۔ اسی حدیث کے تحت ملا علی مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال الطیبی قیل دل علے ان الایجاب کان مفوضا الیہ ورد بان قولہ لو قلت نعم اعم من ان یکون من تلقاء نفسہ او بوحی نازل او برای یراہ ان جوزنا لہ الاجتھاد ذکرہ الطیبی وفیہ ان التفویض الیہ ایضا اعم فلا یکون مردودا۔

طیبی شافعی نے بیان کیا کہ بعض لوگوں نے کہا کہ احکام کو واجب کرنا آپکی طرف مفوض ہے اور یہ صحیح نہیں کیونکہ (حج ہر سال فرض ہونے کے جواب میں) آپ کا ہاں فرمانا عام ہے۔ کہ آپ نے اپنی طرف سے کہا ہو یا وحی سے یا اجتہاد سے اس بات کو طیبی نے ذکر کیا (اور ملا علی قاری حنفی نے فرمایا) کہ طیبی کے قول میں یہ سقم ہے کہ جس طرح آپکا فرمان ہاں عام ہے اسی طرح تفویض بھی عام ہے یعنی احکام کا ایجاب آپ کی طرف وحیا بھی مفوض ہے اور اجتہادا بھی اور من تلقاء نفسہ بھی پس تفویض کا قول مردود نہیں ہو سکتا۔

ملا علی قاری کے اس کلام سے یہ امر ظاہر ہو اکہ ملا علی قاری بھی احکام کو مفوض مانتے ہیں۔ پس اگر احکام کو تفویض کی مد میں شمار کرنا خالص جہالت تھی تو اب ملا علی قاری پر کیا فتویٰ لگائیے گا؟

اور یہ ہیں تمام علماء ہند کے واحد استاذ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جن

کے دم کرم سے ہندوستان میں علم حدیث پھیلا۔ یہ اسی حدیث کے تحت اشعتہ میں فرماتے ہیں۔

وظاہر ایں حدیث در آں است کہ احکام مفوض اند بآنحضرت چنانکہ مذہب بعضے است۔

اور اس حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف مفوض ہیں جس طرح بعض علما کا مسلک ہے۔

اور اس بعض مذاہب کا بیان ص ۱۳۳ ج ۳ اشعتہ اللمعات پر موجود ہے۔

ایں بر مذہب مختار کہ مے گویند احکام مفوض است بآں حضرت ہرچہ خواہد کند وہر کہ خواہد نکند وہر کرا خواہد تخصیص نماید ظاہر است

یہ مذہب مختار پر ہے جو کہتے ہیں کہ احکام نبی علیہ السلام کی طرف مفوض ہے۔ جو چاہیں کریں اور جو چاہیں نہ کریں اور جس کو چاہیں خاص فرمالیں۔

ان حوالوں سے یہ ظاہر ہوگیا کہ شیخ محقق کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے احکام آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض ہیں۔ اب دیکھئے کہ سرفراز صاحب اعلام علماء میں سے کس کس کو جاہل بنا کر اپنی عاقبت سنوارتے ہیں۔ اب آخر میں ہم حذب معاند کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ اور مولوی سرفراز صاحب کی دیانتداری سے توقع کہ وہ نہیں بھی خالص جاہل بنانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ فتح الملہم ص ۲۲ ج ۳ میں مسلم کی اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ جس کے ذیل میں صدر الافاضل نے فرمایا کہ احکام آپ کی طرف مفوض ہیں۔

قیل دل علی ان الایجاب کان مفوضا الیہ

کہا گیا ہے کہ احکام کو واجب کرنا نبی علیہ السلام کی طرف مفوض ہے۔

سرفراز صاحب کی جسارت

مولوی سرفراز صاحب نے زیر نظر مضمون

یس منصب نبوت پر دوسرا حملہ ان الفاظ سے کیا ہے تنقید ص ۱۵۸۔ ثانیاً اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص خانگی مصلحت کے پیش نظر صرف اپنی ذات مقدسہ کے لئے حلف اٹھا کر شہد حرام کر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ نازل ہوئی۔ یا یہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک انتھی۔ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ حلال کو حرام کرنا کفر ہے پس یہ عناد نبوت کا کیسا شرمناک مظاہرہ ہے کہ سرفراز صاحب بغیر کسی تاویل کے ایک کفر خالص کو نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ دیکھئے امام رازی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

البحث الثانی تحریم ما احل اللہ تعالیٰ غیر ممکن لما ان الاحلال ترجیح جانب الحل والتحریم ترجیح جانب الحرمۃ ولا مجال للاجتماع بین الترجیحین فکیف یقال لم تحرم ما احل اللہ۔ نقول المراد من ھذا التحریم ھو الامتناع عن الانتفاع بالازواج لا اعتقاد کونہ حراما بعد ما احل اللہ تعالیٰ فالنبی صلی اللہ علیہ وسلم امتنع عن الانتفاع معہا مع اعتقادہ بکونہ حلالا ومن اعتقد ان ھذا التحریم ھو تحریم ما احل اللہ تعالیٰ بعینہ

بحث ثانی یہ ہے کہ اللہ کے حلال کردہ کی تحریم غیر ممکن ہے۔ اسلئے کہ احلال جانب حلت کی ترجیح ہے اور تحریم جانب حرمت کی ترجیح ہے پس ان دونوں ترجیحوں کے اجتماع کی کوئی گنجائش نہیں تو اس آیت کا کیا معنی ہوگا ہم جواب میں کہتے ہیں۔ کہ اس تحریم سے مراد انتفاع بالازواج سے رک جانا ہے نہ کہ اللہ کے احلال کے بعد اس کی حرمت کا اعتقاد کرنا۔ پس نبی علیہ السلام انتفاع مع الازواج سے رک گئے تھے باوجود اس کی حلت کے اعتقاد کے اور جس شخص نے یہ اعتقاد کیا۔ یہ تحریم بعینہ

فقد کفر فکیف یضاف الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مثل ھذا — اللہ کے حلال کردہ کی تحریم ہے پس وہ شخص کافر ہو گیا پس نبی علیہ السلام کی طرف
اس اعتقاد کی نسبت کس طرح کی جا سکتی ہے۔

نوٹ۔ (مفسرین کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ تحریم کس امر پر واقع ہوئی۔ بعض روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور ازواج سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اور بعض سے ثابت ہے کہ تحریم شہد پر واقع ہوئی۔ امام رازی کا یہ کلام شق اول پر مبنی ہے۔ اور شق ثانی کا بھی یہی حکم ہے کما لایخفی علی الفطن)

سرفراز صاحب نے اس بحث میں جس قدر ہذیان پیش کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ آپ نے حلال کو حرام کر دیا اور اس آیت میں اس حلال کو حرام کرنے سے روکا گیا۔ پس ثابت ہوا کہ احکام مفوض نہیں ہیں اور امام رازی کی تقریر سے جواب واضح ہو گیا ہے کہ یہ ہذیان جس شبہ پر قائم ہے۔ وہ شبہ باطل اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ آپ نے حلال کو حرام نہیں کیا۔ بلکہ یہ تو کفر ہے۔ البتہ آپ نے اپنے آپ کو ایک حلال چیز کے انتفاع سے اسے حلال سمجھ کر روک لیا تھا۔ اور یہ امتناع عن الحلال تو ہر آدمی کو مفوض ہے۔ چہ جائیکہ حضور کو مفوض نہ ہو۔

سرفراز صاحب نے تنقید ص ۱۵۸ پر نبی علیہ السلام پر یہ افترا باندھا کہ آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تھا اور ص ۱۵۹ پر ایک روایت اس طرح نقل کی۔

انی لست احرم حلالا الخ — میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا۔

آپ اپنی عبارت کے توازن کو دو صفحوں میں بھی قائم نہ رکھ سکے۔ کہ ص ۱۵۸ پر آپ نے دعوٰی کیا کہ حضور نے ایک امر حلال کو حرام کر لیا اور ص ۱۵۹

پر کہا کہ حضور نے کسی حلال کو حرام نہیں کیا۔ لیکن چلئے ہم اس تعارض سے بھی صرف نظر کئے لیتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو حضور کے قول پر بھی اعتبار نہیں حضور تو قسم کھا کر فرماتے ہیں۔ واللہ مالی ان احرم ما احل اللہ (خدا کی قسم میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا) پھر آپ کو حضور کی قسم پر بھی اعتبار نہ آیا؟ جو آپ بار بار کہتے ہیں کہ حضور نے حلال کو حرام کر لیا تھا۔

احادیث میں سرفراز صاحب کا شبہ

مقام نبوت پر تیسرا حملہ مولوی سرفراز صاحب نے احادیث کے مفہوم میں خیانت اور تحریف سازی سے پیش کیا ہے۔ ہم قارئین کی عدالت میں احادیث کے ان الفاظ کو پیش کرتے ہیں جو مولوی سرفراز صاحب کے استدلال کا مرکزی نقطہ ہیں۔

(۱) انی لست احرم حلالا و لا احل حراما۔ — نہ میں حرام کو حلال کرتا ہوں نہ حلال کو حرام۔

(۲) انہٗ لیس لی تحریم ما احل اللہ لی۔ — میرے لئے اس چیز کو حرام کرنا جائز نہیں جسے اللہ نے میرے لئے حلال کر دیا۔

(۳) واللہ مالی ان احرم ما احل اللہ لی۔ — خدا کی قسم میرے لئے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنا جائز نہیں ہے۔

ان احادیث کو نقل کر کے سرفراز صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور کو چونکہ اللہ کے حلال کو حرام کرنے کا اختیار نہیں لہذا تفویض احکام کا بطلان ہو گیا۔

حزب معاند کے محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تفویض احکام کا مطلب ہے کہ غیر منصوص احکام میں اشیاء طیبہ کو حلال اور اشیاء خبیثہ کو حرام قرار دیا جائے۔ نہ یہ کہ اللہ کے حلال کردہ کو حرام یا حرام کردہ کو حلال کیا جائے کیونکہ یہ تو کفر خالص ہے اور اس میں جواز یا عدم جواز کا نزاع کھڑے کسی فاضل سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔

مولوی سرفراز صاحب نے اس دعویٰ پر ایک اور حدیث پیش کی ہے جس کے استشہاد کا بنیادی نقطہ پیش خدمت ہے:

الا انی لا احل الا ما احل اللہ فی کتابہ ولا احرم الا ما حرم اللہ عزوجل فی کتابہ	خبردار میں نہیں حلال کرتا کسی شئی کو مگر جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور حرام نہیں کرتا کسی شئی کو مگر جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا۔

یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں۔ ورنہ ان بے شمار احادیث سے تعارض لازم آئیگا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر اشیاء کی حرمت یا حلت کو بیان فرمایا۔ اور ان کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اور انکی حرمت صرف حدیث رسول سے ثابت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض رسول میں گھڑ کے سامری اندھے ہو چکے ہیں۔ اور اب منکرین حدیث کے گوسالہ کی پوجا کر رہے ہیں۔ درآں حالیکہ انہیں کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ اب اس تقریر پر اس معمہ کو وہ خود ہی حل کریں۔ کہ درندوں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے اب کیا چیز مانع ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ میں تو ان کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں۔ دیوبند کے اکابر نے کوے کو حلال کیا اور اصاغر نے درندوں اور گدھوں پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ آمدم برسر مطلب

مسطورہ بالا وجوہات کی بناء پر یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے اور اس کا صاف اور بے غبار مفہوم یہی ہے کہ وحی جلی سے الفاکمہ وہ اور منصوص احکام میں حلال اور حرام وہی ہیں جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے اور یہ بات ہمارے دعوے کے کسی طرح مناقض نہیں ہے۔

علماء امت اور تفویض احکام

سرفراز صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے تفویض کو سلب کرنے کے لئے علماء ملت کے چند حوالے پیش کئے ہیں چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی مرجع الصوفیہ شیخ اکبر کے حوالے سے لکھتے ہیں ،

نحن نعلم ان الشارع هو الله تعالیٰ (الی ان قال) فانه صلی الله علیه وسلم مبلغ عن الله احکامه فیما اراد الله تعالیٰ لاینطق قط عن نفسه (تنقید متین ص ۱۲۲)

ہم یقینا جانتے ہیں کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے (پھر آگے فرمایا) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے تھے جس امر کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کرتا ہے آپ اپنی طرف سے آپ کوئی بات نہیں کرتے تھے

اس عبارت میں کہیں بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ غیر منصوص احکام حضور کو مفوض نہیں ہیں بلکہ منقول عبارت کا سیاق جو مفہوم پیش کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضور نے جن امور کو مباح کیا، وہ مباح ہی رہیں گے، کیونکہ اگر ان میں کوئی خدشہ ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع فرما دیتا اور آپ اسے مباح نہ فرماتے۔ پس وہ تمام احکامات جنہیں آپ نے صادر فرمایا، منشاء الوہیت کے مطابق ہیں، چنانچہ امام شعرانی اس منقول عبارت سے پہلے شیخ اکبر کا کلام نقل کرتے ہیں۔

وایاك ان تری امورا قد اباحها الشارع صلی الله علیه وسلم فتکره ذالك (الی ان قال) واما الیوم فقد نشاء فی غالب الناس ویقولون لو ادرك مثل ذلك رسول الله صلی الله علیه وسلم منع الناس منه (الی ان قال) ولو کانت اباحة ذالك الامر خاصة بقوم دون اخرین بینها تعالیٰ

جن امور کو شارع علیہ السلام نے مباح کیا ہے انہیں ناپسند کرنے سے بچو۔ اور اس زمانہ میں یہ امر کثیر الوقوع ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کو پاتے تو آپ اسے مباح نہ فرماتے اور لوگوں کو منع کرتے (پھر اس کے بعد جواب میں فرمایا) اگر ایسا ہی ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان

علی لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرما دیتا کہ یہ اباحت عارضی ہے۔

اس کلام میں بھی یہ تصریح موجود ہے کہ نبی علیہ السلام شارع ہیں اور یہ کہ بعض حکم کو آپ نے مباح فرمایا رہا یہ سوال کہ آگے چل کر وہ الشارع ھو اللہ کہکر شارعیت کا حصر اللہ تعالیٰ میں کر رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور کی شارعیت چونکہ اللہ کے تقرر سے ہے۔ اسلئے آپ کی شارعیت کا رجوع بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور اصلاً شارع نہیں ہیں۔ ورنہ خود شیخ کے کلام میں تناقض غیر مندفع لازم آئے گا۔

آیئے اب امام شعرانی کے کلام سے حوالے دیتے ہیں۔ کہ بعض احکام حضور کو مفوض ہیں۔ دیکھئے امام شعرانی فرماتے ہیں۔

فان ما فرضہ اللہ تعالیٰ اشد مما فرضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ من ذات نفسہ (میزان الکبریٰ ۱۳۳/۱)	جس کو اللہ تعالیٰ فرض کرے اس کی فرضیت اس سے زیادہ اشد ہے کہ جس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے فرض کریں۔

تنقید متین ص ۱۴۳ پر سرفراز صاحب نے تین عبارتیں پیش کی ہیں۔ ابو جعفر النحاس سے

وھکذا سبیل الاحکام انما تکون من قبل اللہ عز وجل	اور احکام کا یہی طریقہ ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔
ابن ہمام سے الحاکم لاخلاف فی انہ اللہ رب العالمین	اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حکم دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔
محب اللہ بہاری سے لا حکم الا من اللہ	حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

ان تینوں عبارتوں کا محمل اس کے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ کا حکم دینا چونکہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے تقرر سے ہے اسلئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف

راجع ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ کو اصلاً کسی حکم دینے کا اختیار نہیں ۔

تنقید متین صـ۱۶۳ پر عمدۃ القاری سے ۔

ان التحليل والتحريم من عند الله کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا اللہ تعالیٰ کیطرف

لا مدخل لبشر فيه سے ہوتا ہے کسی بشر کا اس میں دخل نہیں ہے

یہ عبارت بھی اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے۔ کیونکہ حضور نے بیشمار چیزوں

کو حرام فرمایا۔ اور ان کی نسبت اپنی طرف کی چنانچہ درندے اور پنجوں سے شکار

کرنے والے پرندے ، پالتو گدھے وغیرہ اسی قبیل سے ہیں۔ نیز حضور نے فرمایا

ان ما حرم رسول الله كما حرم الله ، مشکوٰۃ صـ۲۹ (رسول اللہ کا حرام

کرنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ حرام کرے) یوں نہیں فرمایا۔ ان ما حرم رسول

الله هو ما حرم الله (جس چیز کو رسول اللہ نے حرام کیا۔ یہ وہی ہے جس

کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا) تشبیہ تغایر کو مستلزم ہوتی ہے اسلئے لا محالہ علامہ

عینی کا کلام محل تاویل میں ہے ۔ پس کہا جائیگا کہ یہ حصر اضافی ہے۔ اور اگر

رسول اللہ کی تحریم کو اللہ تعالیٰ کی تحریم کی طرف راجع کیا جائے۔ تو وہ حصر

حقیقی بھی ہو سکتا ہے ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سرفراز صاحب نے شیخ

عبد الحق محدث دہلوی کا کلام بھی اسی فہرست میں پیش کر دیا اور اس کلام

سے بزعم خویش تفویض کا رد کر دیا ۔ حالانکہ شیخ محقق علی رؤس الخلائق

اعلان فرماتے ہیں ۔ کہ احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مفوض ہیں اور

مذہب مختار یہی ہے ۔

سرفراز صاحب شیخ صاحب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں تنقید صـ۱۶۳

اسناد تحریم بہ حضرت ابراہیم علیہ السلام از جہت آں باشد کہ وے رسانید

و اعلام کرد حکم آنہا زیرا کہ حاکم بشرائع و احکام خدا تعالیٰ است و حکم وے

وے قدیم است. انبیا علیہم السلام رسانندہ احکام اند (اشعۃ اللمعات ص۱۳۲ ج۲)

الجواب. نجانے سرفراز صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ کس مصلحت اور حکمت کے پیش نظر نہیں کیا۔ بہرحال قارئین کی سہولت کے پیش نظر ہم اس کا ترجمہ بھی پیش کر دیتے ہیں۔

(مکہ کی) تحریم کا اسناد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ اللہ کے احکام پہنچانے والے ہیں، کیونکہ شریعتوں اور احکام کا واضع اللہ تعالےٰ ہے۔ اور اس کا حکم قدیم ہے، اور انبیاء علیہم السلام ان احکام کے پہنچانے والے ہیں۔ انتہیٰ کلامہ

ہم ماسبق میں اشعۃ سے نقل کر چکے ہیں کہ شیخ کے نزدیک مذہب مختار یہی ہے۔ کہ احکام آپ کی طرف مفوض ہیں۔ اور قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے۔ مدارج النبوۃ ص۳۳ ج ۲ پر شیخ محقق فرماتے ہیں۔

ومذہب صحیح ومختار آنست کہ احکام مفوض است بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ و ہر چہ خواہد حکم کند و بر دیگرے مباح گرداند وایں را امثلہ بسیار است	صحیح اور مختار مذہب یہی ہے کہ احکام حضور کو مفوض ہیں جو چاہیں جس پر چاہیں حکم نافذ فرمائیں۔ ایک فعل کو کسی پر حرام کر دیں اور وہ کسی کیلئے مباح فرما دیں اور اس کی کثیر مثالیں ہیں۔

غالباً اب یہ بات قارئین کرام پر روشن ہو گئی ہوگی۔ کہ اللہ تعالےٰ کا حاکم شرائع ہونا اس بات کے قطعاً منافی نہیں۔ کہ احکام حضور کو مفوض ہوں۔ کیونکہ شیخ صاحب نے تصریح کی ہے کہ احکام کا واضع اور شارع اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں کہ احکام حضور کو مفوض ہیں پس

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا واضع اور شارع ہونا تفویض کے ہرگز منافی نہیں چنانچہ وہ تمام عبارتیں جو سرفراز صاحب نے اس مدعا پر پیش کی ہیں۔ ان کے مطلوب کو ثابت نہیں کرتیں۔

اس پوری بحث میں صرف شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز کی دو عبارتیں ایسی ہیں۔ جو تفویض کے بظاہر خلاف ہیں۔ لیکن اس سے ہمکو ضرر نہیں پہنچتا۔ کیونکہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے کب یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ مسئلہ اتفاقی اور اجماعی ہے۔ لہذا بعض کا اختلاف ہمیں مضر نہیں۔ ہم نے ماسبق میں تصریح کی ہے۔ کہ مذہب مختار یہ ہے کہ احکام حضور کو مفوض ہیں جیسا کہ ہم شیخ صاحب سے نقل کر چکے ہیں۔ اب آپ غیر مختار پر تکیہ کریں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ دوسری گذارش یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز نے تفویض سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

زیرا کہ منصب پیغمبری رسالت و ایلچی گری است نہ نیابت خدا	کیونکہ رسول اللہ کا منصب بس احکام پہنچانا اور ایلچی کا کام کرنا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہونا

اور الصارم المسلول ص۱۴۱ پر آپ کے مسلک کے اصل بانی ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

وقد اقام اللہ مقام نفسہ فی امرہ ونہیہ واخبارہ وبیانہ	اللہ تعالیٰ نے حضور کو امر نہی اخبار اور بیان میں اپنا نائب مقرر کیا ہے

اب دیکھئے۔ آپ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں دوسرا کہتا ہے۔ کہ نائب نہیں ہیں۔ اب آپ کس کی بات مانیں گے اور کس کو رد کریں گے۔

افسوسناک خیانت۔ اسی بحث میں سرفراز صاحب ص۱۶۷ پر لکھتے

ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی باطل فرقوں میں شیعہ کے المفوضہ فرقہ اور عقیدہ کا ذکر یوں کرتے ہیں :-

المفوضه فهم القائلون ان الله فوض تدبير الخلق على الائمه وان الله تعالى اقدر النبى صلى الله عليه وسلم على خلق العالم وتدبيره
غنية الطالبين ص ۲۲۱ - طبع رفیق عام لاہور

ان باطل فرقوں میں سے ایک فرقہ مفوضہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ نے مخلوق کی تدبیر ائمہ کو تفویض کر دی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان کے پیدا کرنے اور اس کی تدبیر کرنے کی قدرت عطا کی ہے۔

اہل سنت والجماعت کے مشہور متکلم اور فلسفی علامہ سید شریف جرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ علم کلام کی مشہور اور مستند کتاب شرح مواقف میں لکھتے ہیں۔ المفوضة قالوا ان الله فوض خلق الدنيا الى محمد صلى الله عليه وسلم اى الله خلق محمد صلى الله عليه وسلم وفوض اليه خلق الدنيا فهو الخلاق بها وبما فيها
شرح مواقف ص ۷۵۲ - طبع نول کشور

مفوضہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور دنیا وما فیہا کی پیدائش آپ کو تفویض کر دی ہے اب دنیا وما فیہا میں جو کچھ ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔ کہ مولوی فیم الدین صاحب کا قارورہ کس جماعت سے جا ملا ہے۔ انتہی کلامہ۔

تحریف خیانت اور بددیانتی کی یہ انتہائی بدترین مثال ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ وتعالیٰ۔ اولاً علیٰ تقدیر صحۃ النسبۃ اور علامہ جرجانی نے شیعہ کے فرقہ مفوضہ سے ان لوگوں کو شمار کیا ہے جو جہان کی پیدائش

اور خلق اور تدبیر کو نبی علیہ السلام کی طرف تفویض کرتے ہیں۔ کہاں صفت خلق کی تفویض اور کہاں احکام کی تفویض۔ کیا ان دونوں کا فرق مولوی سرفراز صاحب کو نظر نہیں آتا۔ ہم بحث استعانت میں اس امر کی تحقیق کر چکے۔ مخلوق کا کوئی فرد بھی کسی امر کی تخلیق نہیں کرتا۔ اور جبکہ اہل سنت کے نزدیک اعراض کا خلق بھی غیر خدا کے لئے جائز نہیں۔ چہ جائیکہ تمام جہان کے خلق کی نسبت غیر خدا کی طرف کی جائے۔ پس غیر منصوص احکام میں تفویض کو
صیہونی محرف سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔

والی اللہ المشتکیٰ

امتناعِ کذب

للّٰہ ملک السمٰوٰت والارض وما فیھن وھو علیٰ کل شیئ قدیرا

اللہ ہی کیلئے ہے زمین اور آسمان اور جو کچھ ان میں ہے۔ سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

صدر الافاضل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مسطورہ بالا آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں صـ ۲۹۷ ۔ " صادق کو ثواب دینے پر اور کاذب کو عذاب دینے پر بھی۔ مسئلہ - قدرت ممکنات سے متعلق ہوتی ہے۔ نہ کہ واجبات اور محالات سے تو معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر امر ممکن الوجود پر قادر ہے مدارک (جمل)

مسئلہ کذب وغیرہ عیوب و قبائح اللہ سبحانہٗ و تبارک و تعالےٰ کیلئے محال ہیں۔ ان کو تحت قدرت بنانا اور اس آیت سے سند لانا غلط اور باطل ہے۔ انتھیٰ کلامہ۔

مولوی سرفراز صاحب صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

مولوی نعیم الدین صاحب اس عبارت میں الفاظ کا چکر دیکر کذب وغیرہ عیوب و قبائح کا جملہ استعمال کر کے اپنے جماعتی تحزب اور گروہ بندی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ کیونکہ اگر مشرک کی مغفرت اللہ تعالےٰ کی قدرت کے تحت داخل نہ ہوتی۔ تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام یہ نہ فرماتے کہ اگر تو انکو بخش دے تو تُو زبردست حکیم ہے۔ اور چونکہ خلف وعید اور امکان کذب اور امکان نظیر وغیرہ مسائل نہایت دقیق بے حد مشکل اور افہام و تفہیم اور

دلائل کے لحاظ سے خالص منطقیانہ پہلو کے حامل ہیں۔ اور عوام اس کے سمجھنے سے اکثر قاصر رہتے ہیں۔ اسلئے اہل بدعت چند دیگر مسائل کی طرح ان کو بھی اہل حق کے خلاف عامۃ المسلمین کو نفرت دلانے کے لئے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور اہل بدعت ان کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے ہیں جو معتزلہ۔ خوارج۔ مناطقہ اور فلاسفہ وغیرہ کا ہے۔ انتہی کلامہ۔ (تنقید متین ص۱۷۰)

اس بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے اپنی متاع علم کو بھری دھوپ میں چوراہے پر لاکر کھڑا کیا ہے اور اہل علم کی نگاہوں میں ان کی خفت کیلئے کوئی گوشہ خفا باقی نہیں رہا۔ امکان کذب کو اہل سنت علماء کی طرف منسوب کر کے انہوں نے اپنی روایتی دروغ گوئی کا حیاسوز مظاہرہ کیا ہے۔ اگر سرفراز صاحب میں ہمت تھی تو اکابرین اہل سنت اور مفسرین کرام میں سے کسی کی صریح اور منصوص عبارت پیش کرتے جس سے ثابت ہوتا کہ اکابر اہل سنت اللہ تعالیٰ کیلئے امکان کذب کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ رشید احمد گنگوہی اور محمود الحسن کی عبارت پیش کر کے ان سے امکان کذب پر استدلال کرنا جہالت اور حماقت کی آخری منزل ہے۔ بزعم خویش محقق کو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ طائفہ دیوبندی تو اس بدعت کا ذمہ دار ہے اور مجرم کے قول سے اس کی برأت پر شاہد بنانے کی جعلسازی دیوبند کی چار دیواری میں تو چل سکتی ہے۔ میدان استدلال میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

امکان کذب میں مکذبین کی عبارتوں کا اضطراب

حقیقت یہ ہے کہ مکتب دیوبند ذوباب عبد الوہاب نے جب کذب کی بدعت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تو انہیں ہر جانب سے ملامت ہوئی۔ اور جب انہیں اس باطل عقیدہ پر ہر طرف سے مذمت کی یلغار کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے آپ کو رسوائی سے بچانے کیلئے مختلف طریقے ایجاد

گئے۔ چنانچہ کبھی تو صاف طور پر امکان کذب کے عقیدہ کا ہی انکار کر دیا۔ دیکھئے جامعہ مدنیہ لاہور کے مہتمم مولوی حامد میاں صاحب سلسلہ علماء دیوبند صفحہ ص۲۳ پر لکھتے ہیں۔ " اس مسئلہ کو توڑ مروڑ کر اور غلط تفسیر کر کے علماء دیوبند کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ اور امکان کذب کا عنوان دے دیا گیا۔"

یہ عبارت اس مفہوم میں واضح ہے کہ امکان کذب ایک غلط عقیدہ ہے۔ مولوی واحد میاں صاحب کو یہ شکوہ ہے کہ امکان کذب ایک غلط تعبیر ہے جسے علماء دیوبند کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ آیئے اب ہم آپ کو بتلائیں کہ یہ تعبیر کس نے کی ہے۔

مولوی سرفراز صاحب تنقید متین ص۱۷۰ پر لکھتے ہیں۔

" اور اس مسئلہ کو اہل حق خلف وعید اور امکان کذب سے تعبیر کرتے ہیں۔"

کیا یہ بات اب بھی تشریح طلب ہے۔ کہ دیوبند کے تمام چھوٹے بڑے ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور وہ رنگ جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں جھوٹ ان لوگوں کی رگ و پے کا خون اور دل کی دھڑکن بن چکا ہے۔ جھوٹ ان کا دین ایمان اور زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ یہ اپنے خدا کو بغیر جھوٹ کے رہنے دیتے۔ چنانچہ اسے بھی اپنا ہمرنگ ظاہر کرنے کے لئے اور کچھ نہیں تو جھوٹ کا امکان ہی دیدیا۔ اور کون جانتا ہے کہ یہ ان کی معراج کا پہلا درجہ ہو۔ اور بتدریج امکان سے فعلیت تک پہنچنا ہی ان کا منتہائے نظر ہو۔ آیئے اب ہم آپ کو دیوبندی قلابازیوں کا ایک اور کرشمہ دکھائیں۔ تنقید ص۱۷۲ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

" یہ لوگ حقیقت کذب امکان کذب اور صورت کذب میں جو دقیق فرق ہے اس کو یا تو سمجھتے ہی نہیں۔ اور یا چشم پوشی کر کے خلط ملط اور گڈ مڈ

کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایک ادنیٰ سمجھ والا آدمی بلکہ مبتدی طالبعلم بھی لفظ کرنے اور کر سکنے میں بخوبی فرق سمجھ سکتا ہے۔ اور کرتا ہے اور کر سکتا ہے میں اہل لسان کے نزدیک فرق بالکل نمایاں ہے۔"

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک خدا جھوٹ بولتا نہیں۔ بول سکتا ہے۔ اس فرق کو انہوں نے کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔ کی بازیگری سے ادا کیا ہے۔ اور مولوی حامد میاں صاحب سلسلہ دیوبند ص۵۹ پر لکھتے ہیں ـــ "کہ اب اسے غلط خواہوں نے یہ جامہ پہنایا، کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے" دیکھئے حامد میاں کو اعتراف ہے اللہ تعالیٰ کیلئے جھوٹ بول سکتا ہے کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔ اور اس غلط عقیدہ سے دیوبندیوں کو بری کر رہے ہیں۔ اور مولوی سرفراز صاحب اس غلط عقیدہ پر اصرار کر رہے ہیں۔ اسے اہل حق کا مسلک بتلاتے ہیں اور اسی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ عظمت بیان کرتے ہیں۔ اور ان دونوں میں سے کون جھوٹا ہے۔ اسے ہم قارئین کی عدالت پر چھوڑتے ہیں۔ ہمارے نزدیک دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ حامد میاں تقیہ کرنے کی وجہ سے اور اپنا باطل عقیدہ چھپانے کی وجہ سے جھوٹے ہیں یا دیوبندیوں کے اس غلط عقیدہ کی تردید کی جرأت نہ رکھنے کی وجہ سے جھوٹے ہیں۔ اور سرفراز صاحب اس عقیدہ اہلسنت کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹے ہیں۔

امتناع کذب جمہور معتزلہ اور اہلسنت کا متفق علیہ مسلک ہے

سرفراز صاحب نے امتناع کذب کی بحث میں جگہ جگہ یہ تاثر دیا ہے کہ امتناع کذب معتزلہ کا مذہب ہے۔ اور امکان کذب اہلسنت کا مسلک ہے اور اس طرح سرفراز صاحب نے

تاریخ کو جھٹلا کر اپنے جھوٹے مسلک کو سچا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے اگر ہم اس پر استشہادی حوالے پیش کرنا شروع کر دیں تو ایک عظیم دفتر درکار ہوگا ہم دست مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت سے ایک حوالہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ جس سے سرفراز صاحب کے جھوٹ کا راز فاش ہو جائے گا۔

والمعتزلة قالوا ثانيا انه لولا لا اى كون الحكم عقليا لما امتنع الكذب منه تعالى عقلا اذ لا حكم للعقل بقبح فجاز الكذب عليه فلا يمتنع اظهار المعجزة على ايد الكاذب ولو اكتفى به لكفى فينسد باب النبوة وهو مفتوح والجواب انه اى المذكور نقص فيجب تنزيه تعالى عنه كيف وقد مر انه لا نزاع فيه فانه عقلى باتفاق العقلاء فالملازمة ممنوعة (مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ص ۴۳)

اور معتزلہ نے کہا ہے کہ اگر حسن و قبح کو عقلی نہ مانا جائے تو اللہ تعالے کا کذب عقلاً محال نہیں ہوگا۔ اور جب اللہ تعالے کا کذب ممکن ہوا تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جھوٹے نبی کی تصدیق کر دے پس باب نبوت بند ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ مفتوح ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کذب صفت نقصان ہے۔ اور قبح بمعنے صفت نقصان میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ قبح عقلی ہے پس اللہ تعالی سے کذب کی تنزیہ واجب ہے کیونکہ اللہ تعالے کا کذب بالاتفاق ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے دو فائدے حاصل ہوتے۔ ایک یہ کہ کذب کا محال ہونا صرف معتزلہ کا مسلک نہیں بلکہ سب کا متفق علیہ مسلک ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالے کا کذب ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے۔ اور مکذبین کے اس عناد پر صریح رد ہے۔ کہ اللہ تعالی کا کذب محال عادی اور ممتنع بالغیر ہے۔ فافہم واحفظ ذالک اور اس کی مزید تحقیق آئندہ صفحات میں کر دی گئی ہے۔

امام رازی اور امتناع کذب

سرفراز صاحب نے امام رازی پر بھی یہ افترا باندھا ہے کہ وہ امکان کذب کے معتقد ہیں۔ انہوں نے ان کے جس کلام سے امکان کذب ثابت کیا ہے اسے ہم ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔ دیکھئے تنقید متین صـ۱۸۲ پر سرفراز صاحب نے امکان کذب پر نویں دلیل قائم کرتے ہوئے کہا۔

(۹) حضرت امام رازی فرماتے ہیں۔ کہ نہ تو طاعت پر ثواب واجب ہے اور نہ معصیت پر عتاب ضروری ہے۔ بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے (تفسیر کبیر ج ۴ صـ۲۵)

قارئین کرام! آپ نے سرفراز صاحب کا نقل کردہ کلام تو ملاحظہ فرما لیا۔ جس سے سرفراز صاحب نے بزعم خویش یہ ثابت کر لیا کہ امام رازی امکان کذب کے معتقد ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے امام رازی کا وہ کلام پیش کرتے ہیں۔ جس میں انہوں نے تصریح کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے۔ اور آگے چل کر انشاء اللہ ان کا وہ کلام بھی پیش کرینگے جس میں انہوں نے امکان کذب کے قائل کے بارے میں فرمایا کہ "قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے"۔ سخت حیرت ہے کہ امام رازی تو فرمائیں کہ امکان کذب کا قائل کافر ہے۔ اور سرفراز صاحب اس کفر کو خود امام کے سر منڈھ رہے ہیں۔ گویا امام رازی خود اپنے آپ کو کافر بنا رہے ہیں۔ غالباً اسی مقام کے لئے کہا گیا ہے۔ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ملاحظہ فرمائیے۔ امام رازی تفسیر کبیر ج ۳ صـ۲۸۱ پر فرماتے ہیں۔

الکذب والخلف فی قولہ محال	کذب اور خلف اللہ تعالیٰ کے قول میں محال ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ ص۳۱۵ پر فرماتے ہیں۔

فالخلف فی کلام اللہ تعالیٰ محال۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا خلاف ہونا محال ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ ص۳۲ پر فرماتے ہیں۔

الکذب نقص والنقص علی اللہ محال کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۵ ص۵۶ پر فرماتے ہیں۔

انقلاب خبر اللہ کذبا محال اللہ تعالیٰ کی خبر کا جھوٹا ہو جانا محال ہے

تفسیر کبیر جلد ۵ ص۳۹ پر فرماتے ہیں۔

والا لانقلب خبر اللہ الصدق کذبا وذالک محال۔ اللہ تعالیٰ کی سچی خبر کا جھوٹا ہو جانا محال ہے۔

الغرض امام رازی نے اس کثرت سے امتناع کذب پر تصریحات کی ہیں اور اس پر دلائل پیش کئے ہیں کہ ان کا احصاء ایک مستقل دفتر چاہتا ہے۔

امتناع کذب پر دلائل

مولوی سرفراز صاحب نے امتناع کذب کی بحث میں بار بار یہ شکایت کی ہے کہ یہ مسئلہ خالص علمی اور منطقی طرز کا ہے۔ اور افہام و تفہیم کے لحاظ سے بے حد دقیق اور مشکل ہے۔ اسلئے ہم نے اس امر کا التزام کیا ہے کہ دلائل کی تقریر کو آسان اور سادہ انداز میں پیش کیا جائے تاکہ مکذبین کو کسی قسم کا کوئی شکوہ نہ رہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن اصدق من اللہ حدیثا اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچی بات کہنے والا ہے۔

مکذبین باری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا صادق ہونا بایں معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ

جھوٹ بولتا تو نہیں۔ بول سکتا ہے۔ (یعنی ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر)

گذارش یہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام بھی اسی معنی کے اعتبار سے صادق ہیں۔ کہ وہ جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بول سکتے ہیں پس اللہ تعالیٰ کا صدق انبیاء علیہم السلام کے صدق کے برابر ہو گیا۔ کیونکہ دونوں جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بول سکتے ہیں۔ اور یہ قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کا یہ ارشاد ہے۔ ومن اصدق من اللہ حدیثا اور یہ استفہام انکاری ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے۔ یعنی نہ تو جھوٹ بولتا ہے اور نہ بول سکتا ہے پس صدق میں نہ کوئی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ہے اور نہ اس کے برابر ہے۔ لیکن مکذبین کی بدعت سے لازم آئیگا۔ کہ اللہ تعالیٰ اور انبیا علیہم السلام دونوں کا کذب ممکن بالذات، اور ممتنع بالغیر ہو، یعنی جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بول سکتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کا معنی اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ اہل سنت کے طریقہ پر یہ اعتقاد رکھا جائے۔ کہ ساری مخلوقات سے زیادہ سچے انبیاء علیہم السلام ہیں لیکن ان کے کلام میں بھی کذب ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہے۔ کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بول سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انبیاء سے بھی زیادہ سچا ہے کیونکہ اس کے کلام میں کذب ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے یعنی۔ وہ نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ بول سکتا ہے۔

امام رازی جلد ۳ ص ۲۸۱ پر فرماتے ہیں۔

اما اصحابنا فدلیلہم انہ لو کان کاذبا لکان کذبہ قدیما ولو کان کذبہ قدیما امتنع زوال کذبہ لامتناع العدم علی القدیم ولو امتنع

بہرنوع ہم اہلسنت امتناع کذب پر یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کاذب ہوتا۔ تو اس کا کذب بھی قدیم ہوتا۔ اور جب اس کا کذب قدیم ہوتا تو پھر اس کا زوال ممتنع ہوتا کیونکہ قدیم پر عدم نہیں آسکتا اور جب

زوال كذبه قديمًا لامتنع كونه صادقًا لان وجود احد الضدين يمنع وجود ضد الآخر فلو كان كاذبًا لامتنع ان يصدق لكنه غير ممتنع لانا نعلم بالضرورة ان كل من علم شيئًا فانه لا يمتنع عليه ان يحكم عليه بحكم مطابق للمحكوم عليه والعلم بهذه الصفة ضروري فاذا كان امكان الصدق ثابتًا كان امتناع الكذب حاصلًا لا محالة

کذب کا زوال ممتنع ہوتا تو اللہ تعالےٰ کا صادق ہونا محال ہو جاتا کیونکہ ایک ضد کا وجود دوسری ضد سے مانع ہوتا ہے پس اگر وہ کاذب ہوتا تو اس کا صادق ہونا ممتنع ہوتا لیکن اس کا صادق ہونا تو ممتنع نہیں ہے۔ اسلئے کہ ہم بداہتہً جانتے ہیں کہ جو کسی شئی کو جانتا ہے اس کیلئے بطابق واقعہ اس شئے کی خبر دینا محال نہیں ہے اور اسکی صحت کا جاننا بدیہی ہے پس جب صدق کا امکان قائم ہے تو لا محالہ کذب کا امتناع حاصل ہو جائے گا۔

علامہ تفتازانی شرح مقاصد جلد ۲ ص ۱۰۴ پر امتناع کذب پر دلائل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اما اولاً فلاجماع العلماء واما ثانيًا فيما تواتر من اخبار الانبياء عليهم السلام الثابت صدقهم بدلالة معجزات من غير توقف على ثبوت كلام الله تعالى فضلًا عن صدقه واما ثالثًا فان الكذب نقص باتفاق العقلاء وهو على الله تعالى محال لما فيه من امارة العجز والجهل والعبث واما رابعًا فلانه لو اتصف في الازل بالكذب

بہر کیف امتناع کذب پر پہلی دلیل یہ ہے کہ اجماع علماء سے کذب محال ہے دوسری یہ کہ اخبار انبیاء علیہم السلام سے تواتراً ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے اور ان اخبار کا صدق معجزات سے ثابت ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے حتی کہ دور لازم آئے۔ تیسری یہ کہ کذب کے نقص ہونے پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے اور نقص اللہ تعالےٰ پر محال ہے چوتھی یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ ازل میں کذب سے متصف ہوتا تو اس کا

فی خبرها۔ لا متنع صدقه فیه لان ماثبت قدمه امتنع عدمه لکنا نعلم بالضرورة ان من علم النسبة لا یمتنع علیه ان یخبر عنها علی ماهی علیه

صدق ممتنع ہوجاتا کیونکہ ازلی وصف قدیم ہوتا ہے اور قدیم پر عدم ممتنع ہے۔ حالانکہ ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ جو کسی نسبت کو جانتا ہو اس کیلئے اس کے مطابق خبر دینا ممتنع نہیں ہے۔

ومن اصدق من الله حدیثا کے تحت علامہ نسفی فرماتے ہیں۔

لا احد اصدق منه فی اخباره ووعده ووعیده لاستحالة الکذب علیه تعالٰی

یعنی اللہ تعالٰے سے کوئی شخص نہ وعدہ میں سچا ہے نہ وعید میں کیونکہ اللہ تعالٰے پر کذب محال ہے۔

انوار التنزیل میں علامہ بیضاوی اسی آیت کے فرماتے ہیں۔

انکار ان یکون احد اکثر صدقا منه فانه لا یتطرق الکذب الی خبره بوجه لانه نقص وهو علی الله محال۔

اللہ تعالٰی اس آیت میں انکار فرماتا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالٰے سے زیادہ سچا ہو۔ کیونکہ اسکی خبر میں کذب کسی طرح راستہ نہیں پاسکتا اسلئے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالٰے پر محال ہے)

علامہ خازن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

ولا یجوز علیه الکذب۔

اللہ تعالٰی کیلئے کذب ممکن نہیں ہے۔

روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

لا یتطرق الکذب الی خبره بوجه لانه نقص وهو علی الله محال۔

کذب اللہ تعالٰی کی خبر کی طرف راستہ نہیں پاسکتا کیونکہ وہ نقص ہے اور وہ نقص اللہ تعالٰے پر محال ہے۔

شرح فقہ اکبر ص ۱۱۳ پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں

والکذب علیہ محال۔

کذب اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

حاشیہ عبدالحکیم علی الخیالی ص۲۰۰ پر ہے۔

الکذب فی کلامہ تعالیٰ باطل بالاجماع

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب بالاجماع باطل ہے۔

مسائرہ میں ابن ہمام فرماتے ہیں۔ (مسامرہ ص۳۹۳)

یستحیل علیہ صفات النقص کالجھل والکذب

اللہ تعالیٰ پر صفات نقص محال ہیں مثل جہل اور کذب ہے۔

نبراس ص۲۱۹ پر ہے۔

واعلم ان اھل الملل اجمعوا علی ان الکذب من اللہ سبحانہٗ محال

جان لو کہ تمام اہل مذاہب کا اس امر پر اجماع ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا کذب محال ہے

محال عقلی یا محال عادی

استحالہ کذب پر علمائے اسلام کی بیشمار تصریحات موجود ہیں۔ ہم نے ان میں سے چند عبارات پیش کرنے پر اکتفار کی ہے۔ مکذبین سے جب کچھ نہیں بن پڑتا۔ تو یہ کہتے ہیں کہ ان عبارات میں محال سے مراد محال عقلی اور نہیں۔ بلکہ محال عادی ہے۔ اور وہ کذب کے جواز اور امکان کے منافی نہیں ہے۔ لہذا امکان کذب کی نفی ثابت نہیں ہوئی۔

الجواب۔ اولاً تو محال کا معنی متبادر محال بالذات اور محال عقلی ہے اور الفاظ میں اصل یہی ہے کہ ان کو معانی متبادرہ پر محمول کیا جائے۔ ثانیاً محال کا معنی محال بالغیر کرنا بوجہ خلاف اصل ہونے کے محتاج الی القرینہ ہے اور جب عبارات میں کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے۔ نہ حالی نہ مقالی۔ تو اس کو مجاز پر محمول کرنا قطعاً باطل ہے۔ ثالثاً یہ کہ محال عادی محال ہونے میں ناقص ہے۔ اور

محال عقلی محال ہونے میں کامل ہے۔ اور ما خاف کا قاعدہ ہے۔ کہ المطلق ینصرف الی الفرد الکامل پس جن جن عبارتوں میں مطلقاً محال کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یقینی طور پر محال عقلی ہے۔ سابعاً۔ یہ کہ یہاں محال سے مراد محال عقلی ہونے پر تصریحات موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم سابقاً فواتح الرحموت سے نقل کر چکے ہیں۔ ثامناً۔ جو ادلہ ہم نے کتب کلامیہ سے نقل کئے ہیں۔ ان کا مفاد محال عقلی ہے نہ کہ محال عادی۔ دیکھئے شرح مقاصد جلد ۲ ص ۱۰۴۔ شرح مواقف ص ۲۰۳ تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۴۸۱۔ تاسعاً۔ اس شبہ کی اس وقت کوئی حیثیت ہو سکتی تھی۔ جب کتب کلامیہ اور تفاسیر میں وقوع کی نفی کی جاتی۔ لیکن چونکہ کتب کلامیہ اور تفاسیر میں امکان اور جواز کی نفی کی ہے تو ثابت ہوا کہ کذب باری محال عقلی اور ممتنع بالذات ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے وہ عبارات لاتے ہیں جن میں ہمارا مدعا امکان کی نفی پر روشن تصریح موجود ہے۔

(۱) شرح عقائد جلالی طبع نول کشور جلد ۲ ص ۳۲ پر ہے۔

ولا یجوز علیہ الجہل والکذب	اللہ تعالیٰ کیلئے نہ جہل ممکن ہے نہ کذب

(۲) شرح عقائد جلالی جلد ۲ ص ۶۳ پر ہے۔

الکذب نقص والنقص علیہ محال	کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کیلئے
فلا یکون من الممکنات ولا یشملہ	محال ہے پس اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن
القدرۃ	ہے اور نہ اسکو قدرت الٰہی شامل ہے۔

(۳) تفسیر خازن جلد ۱ ص ۳۷۳ پر ہے۔

ولا یجوز علیہ الکذب	کذب اللہ تعالیٰ کیلئے ممکن و جائز نہیں۔

(۴) امام رازی تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۲۹۲ پر فرماتے ہیں۔

فاذا جوز علیہ الخلف فقد	جب اللہ تعالیٰ پر خلف جائز رکھا

جوزا لکذب علی اللہ وظن ا خطاءً عظیمٌ بل یقرب من ان یکون کفرا	گیا تو اس پر کذب جائز رکھا گیا اور یہ عظیم خطا ہے بلکہ کفر کے قریب ہے۔

(۵) ابن عابدین شامی رد المحتار جلد ا صہ۳ پر فرماتے ہیں۔

الصحیح ان الدعا بالمغفرۃ للمشرکین کفر لعدم جوازہ عقلاً وشرعاً (ملخصا)	صحیح یہ ہے کہ مشرک کیلئے مغفرت کی دعا کرنا کفر ہے کیونکہ مشرک کی مغفرت نہ عقلاً ممکن ہے نہ شرعاً۔

واضح رہے کہ مشرک کی مغفرت اللہ تعالےٰ کے کلام میں کذب کو مستلزم ہے۔ جب مغفرت مشرک محال عقلی ہوئی تو کذب بھی محال عقلی ہوا کیونکہ مستلزم محال محال ہوتا ہے۔

بحمد اللہ العزیز ہم نے تصریحات علماء اہل سنت سے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا کذب عقلاً ممکن نہیں اور محال بالذات ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ باقی عبارتوں میں بھی محال سے مراد محال بالذات ہے۔

قارئین کرام ہم نے امتناع کذب کو نصوص قطعیہ اقوال مفسرین اور اجماع اہل ملل سے ثابت کر دیا۔ اس کے برعکس اہل دیوبند کے پاس امکان کذب کے عقیدہ پر نہ کوئی نص قطعی ہے اور نہ مستند اکابر اسلام میں سے کسی کا صاف اور صریح قول ہے۔ بلکہ وہ عموم قدرت اور خلف وعید سے لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ اور ہم سطور ذیل میں انشاء اللہ العزیز ان کی تمام غلط فہمیاں دور کر دیں گے۔

عموم قدرت سے دیابنہ کو دھوکا

قرآن کریم میں اللہ فرماتا ہے ان اللہ علی کل شیئٍ قدیر۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے چنانچہ مکفرین

کہتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اپنے جھوٹ بولنے پر بھی قادر ہے چاہیئے امکان کذب ثابت ہو گیا۔

الجواب۔ علامہ بیضاوی اس آیت کے تحت شئی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ص ۲۸ جلد ۱۔

ای شیئ وجوده وما شاء الله وجوده فهو موجود فی الجملة وعلیه قوله تعالیٰ ان الله علیٰ کل شیئ قدیر۔ الله خالق کل شیئ فهما علیٰ عمومهما بلا مثنویة و المعتزلة۔ لما قالوا الشیئ ما یصح ان یوجد وهو یعم الواجب والممکن او ما یصح ان یعلم ویخبر عنه فیعم الممتنع ایضا لزمهم التخصیص فی الموضعین بدلیل العقل۔

شئی کا معنی ہے جس کا وجود چاہا گیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے پس وہ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں موجود ہو جاتی ہے اور اسی معنی پر اللہ تعالیٰ کا قول ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر۔ اللہ خالق کل شیئ مبنی ہے۔ اور اس معنی کے لحاظ سے شئی کا لفظ اپنے عموم پر باقی رہے گا۔ بخلاف معتزلہ کے انہوں نے شئی کا معنی کیا جس کا موجود ہونا صحیح ہو۔ اور یہ واجب کو بھی شامل ہے یا انہوں نے اس کا معنی کیا جس کا جاننا صحیح ہو۔ اور یہ ممتنع کو بھی شامل ہے۔ پس دونوں آیتوں میں معتزلہ کو شیئ میں ممکن کے ساتھ تخصیص کرنا پڑی۔

علامہ بیضاوی کی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اہلِ سنت کے نزدیک جس چیز کو اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے۔ وہ فی الجملہ موجود ہو گی۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی اپنے کذب پر قدرت مانی جائے۔ تو لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ کا کذب کسی نہ کسی مرتبہ میں موجود ہو۔ ثانیاً اگر یہ مان لیا جائے کہ جس چیز کے پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا اتصاف بھی ممکن ہے۔ تو لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ

کا سواد اور بیاض کے ساتھ متصف ہونا بھی ممکن ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ ممکن ہے۔ محمود الحسن صاحب کی طرح سرفراز صاحب بھی کہدیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کا تمام قبائح کے ساتھ اتصاف جائز ہے۔ تو سواد اور بیاض کے ساتھ بھی اتصاف جائز ہو جاتے تو کیا حرج ہے۔ جواباً گذارش ہے کہ آپ کی جان پھر بھی نہیں چھوٹتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو موت کے پیدا کرنے پر بھی قدرت ہے لقولہ تعالیٰ خلق الموت والحیاۃ اور جب آپ کے نزدیک قدرت علی الکذب کی وجہ سے خدا کا کذب ممکن ہے تو لازم آئیگا کہ قدرت علی الموت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی موت بھی ممکن ہو۔ اور جس کی موت ممکن ہو۔ اس کا وجود واجب نہیں رہتا۔ پس لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ رہے۔ اور جس کا وجود واجب نہ ہو۔ وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ مگر آپکو اس سے کیا۔ آپ امکان کذب سے انکار نہ کیجئے۔ چاہے خدا کی خدائی سے انکار ہو ہو جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سرفراز صاحب! ضد جانے بھی دیجئے اور وجوب صدق پر ایمان لا کر امکانِ کذب سے توبہ کیجئے۔

خلف وعید میں اہل دیوبند کا مغالطہ

عموماً اہلِ دیوبند خلف وعید سے یا تو خود مغالطہ کھاتے ہیں یا جان بوجھ کر لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ حقیقت خواہ کچھ ہو۔ بہر حال ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عصاۃ کو عذاب دینے کی وعید فرمائی ہے۔ اور بعض اشاعرہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان کو عذاب نہ دے باوجود وعید کے عدم عذاب پر قدرت بعینہ کذب پر قدرت ہے۔ چلئے چھٹی ہوئی۔ امکان کذب ثابت ہو گیا۔ یہ ہے وہ خلف وعید جس سے دیوبندی امکان کذب ثابت کرتے ہیں جنہوں نے اس استدلال میں جو مغالطہ کھایا ہے اسے زائل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اصل مسئلہ خلف وعید کی تقریر کریں تاکہ حق اپنے جمیع پہلوؤں کے ساتھ واضح ہو جائے

اہل سنت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالےٰ شرک کے سوا سب کچھ بخش دیگا جس کے لئے چاہے حتیٰ کہ صاحب کبیرہ جو بغیر توبہ کے مرگیا ہو۔ اسے بھی اللہ تعالےٰ بخش دیگا اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا کیونکہ عصاۃ مومنین کے بارے میں قرآن کریم میں آیات وعید موجود ہیں۔ اور اگر عصاۃ کی بخشش بلا توبہ مان لی جائے تو ان آیات کا خلاف لازم آئیگا۔ دیکھئے شرح عقائد نسفی ص۸۰ پر ہے۔

والله تعالیٰ لا یغفر ان یشرک به الی ان قال ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء من الصغائر والکبائر مع التوبة او بدونها خلافا للمعتزلة

اللہ تعالےٰ شرک کو نہیں بخشیگا اور اس کے سوا سب کچھ بخش دیگا۔ خواہ صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ۔ توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور اس میں معتزلہ کا خلاف ہے۔

اب اہل سنت پر یہ اعتراض باقی رہا کہ جب صاحب کبیرہ کی مغفرت مان لی تو ان آیات کا خلاف لازم آگیا جن میں عصاۃ کی وعید بیان کی گئی ہے پس اہل سنت ماتریدیہ نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ خلاف تب لازم آتا اگر آیات وعید اپنے عموم پر ہوتیں یعنی ہر عاصی کو عذاب ہوگا۔ حالانکہ وہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں۔ بلکہ آیات عفو ان کی مخصص ہیں پس آیات عفو اور آیات وعید دونوں کے محل علیحدہ علیحدہ ہوگئے یعنی بعض عصاۃ کو اللہ تعالےٰ عذاب دے گا۔ اور بعض کو بخش دے۔ پس کسی کا خلاف لازم نہیں آیا۔

ملاحظہ فرمائیے۔ شرح عقائد ص۸۱ پر ہے۔

وقد کثرت النصوص فی العفو فیخصص المذنب المغفور عن عمومات الوعید

اور عفو میں کثیر نصوص وارد ہیں۔ پس جو گنہ گار بلا توبہ بخشے جائیں گے ان کی آیات وعید سے تخصیص کرلی جائے گی

اور بعض اشاعرہ نے اس کے جواب میں کہا کہ جسے عذاب کی دھمکی دی جائے اور پھر بعد میں اس کو سزا نہ دی جائے۔ تو یہ محض کرم ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالٰے عصاۃ کو معاف کر دے گا۔ اور اگر آیات وعید کا خلاف واقع ہو جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ خلف وعید بوجہ کرم ہونے کے جائز ہے۔

دیکھئے شرح عقائد نسفی صا۱۰ پر ہے۔

وزعم بعضهم ان الخلف فی الوعید کرم فیجوز من الله تعالٰے۔

اور بعض لوگوں (اشاعرہ) نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ خلف فی الوعید کرم ہے اور وہ اللہ تعالٰے پر جائز ہے۔

مکذبین باری سے پہلی گذارش

اس تحقیق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ جو لوگ خلف وعید کو مانتے ہیں وہ محض خلف وعید کے امکان کو نہیں مانتے۔ بلکہ اس کو بالفعل مانتے ہیں کیونکہ عصاۃ مومنین کی مغفرت بالفعل ہو گی۔ جیسا کہ شرح عقائد میں ہے ویغفر مادون ذالك لمن یشاء من الصغائر والکبائر مع التوبه اوبدونها اور اشاعرہ کے نزدیک خلف وعید عصاۃ مومنین کی مغفرت پر مترتب ہے پس چونکہ یہ مغفرت بالفعل ہے۔ تو خلف وعید جو اس پر مترتب ہے۔ وُہ بھی بالفعل ہو گا۔ اور آپ چونکہ کذب کو خلف وعید کا لازم سمجھتے ہیں۔ پس لازم آئیگا کہ اللہ تعالٰے کے کلام میں کذب بالفعل واقع ہو۔ اور خدا بالفعل جھوٹا ہو۔ (العیاذ باللہ) بس اب دیوبندیوں سے گذارش ہے کہ اگر وہ کذب کو واقعی خلف وعید کی فرع سمجھتے ہیں تو امکان کی بچر لگا کر لوگوں کو دھوکا نہ دیں۔ بلکہ صاف طور پر خدا کو بالفعل کاذب کہا کریں۔

مکذبین سے دوسری گذارش

احناف ماتریدی مذہب رکھتے

ہیں۔ اور شوافع نے اشعری مذہب کو اختیار کیا ہے۔ اب ہم دیوبندی حضرات سے پوچھتے ہیں۔ کہ جب وہ اپنے آپ کو حنفی کہلاتے ہیں۔ تو انہوں نے خلف وعید کے مسئلہ میں حنفیوں کے ماتریدی مذہب چھوڑ کر شافعیوں کے اشعری طریقہ کو کیوں اختیار کیا۔ کیا اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ انہیں اپنی کم فہمی سے بعض اشاعرہ کے مذہب میں کذب کا چور دروازہ نظر آگیا تھا۔

خلف وعید پر محققین کا رد

ماتریدیہ اور محققین اشاعرہ نے خلف وعید کو رد کر دیا ہے۔ کیونکہ آیاتِ وعید کا خلاف ماننا اللہ تعالیٰ کے قول کو بدلنا اور بالفعل قول بالکذب کرنا ہے۔ کیونکہ خلف وعید پر اللہ تعالےٰ کا کلام بالفعل کاذب ہو جائیگا۔

شرح عقائد صـ۱۸ پر علامہ تفتازانی اشعری فرماتے ہیں۔

المحققون علی خلافہ کیف و ہو تبدیل للقول وقد قال اللہ تعالیٰ وما یبدل القول لدی

اور محققین نے خلف وعید کا انکار کیا کیونکہ خلف میں اللہ تعالےٰ کے قول کو بدلنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے قول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

اور امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر جلد ۱ صـ۳۸۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ فلن یخلف اللہ تعالیٰ عہدہ یدل علی انہ سبحانہ منزہ عن الکذب فی وعدہ و وعیدہ قال اصحابنا لان الکذب صفۃ نقص والنقص علی اللہ محال وقالت المعتزلۃ لانہ سبحانہ عالم بقبح

اللہ تعالیٰ کا قول فلن یخلف اللہ عہدہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے وعدہ اور وعید دونوں میں کذب سے منزہ ہے۔ اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے۔ اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور معتزلہ کی دلیل یہ ہے اللہ تعالےٰ

القبيح وعالم بكونه غنيا عنه والكذب
قبيح لانه كذب والعالم بقبح القبيح
وبكونه غنيا عنه يستحيل ان يفعله
فدل على ان الكذب منه سبحانه
محال فلهذا قال فلن يخلف الله عهده
فان قيل العهد هو الوعد وتخصيص
الشئ بالشئ يدل على نفي ما عداه
فلما خص الوعد بانه لا يخلفه علمنا
ان الخلف في الوعيد جائز ثم العقل
يطابق ذالك لان الخلف في الوعد
لؤم وفي الوعيد كرم قلنا الدلالة
المذكورة قائمة في جميع انواع
الكذب۔

قبیح کے قبح سے واقف ہے اور قبح سے غنی ہونے
کا بھی عالم ہے اور کذب قبیح ہے اور اسکو
اسکی قباحت کا علم بھی ہے اور جو کسی شئی کی
قباحت پر مطلع ہو اس کیلئے اسے صادر کرنا
محال ہے پس ثابت ہوا کہ کذب اللہ تعالےٰ
پر محال ہے۔ اگر کوئی شخص اعتراض کرے
کہ عہد وعدہ کو کہتے ہیں۔ اور نفی وعدہ کی
تخصیص اس پر دلالت کرتی ہے کہ وعید
میں خلف جائز ہے۔ اور عقل بھی اسکی مؤید
ہے کیونکہ وعدہ میں خلف قبیح ہے۔ وعید
میں خلف کرم ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے
کہ اس قسم کی دلالت سے تمام اقسام کے
کذب اللہ تعالیٰ پر جائز قرار پائیں گے۔

اور تفسیر کبیر جلد ۴ ص۱۳۴ پر تمت کلمت ربک صدقا وعدلا کے تحت فرماتے
ہیں۔ من صفات كلمة الله كونها
صدقا وعدلا والدليل عليه ان
الكذب نقص والنقص على الله محال
الى ان قال واعلم ان هذا الكلام
كما يدل على ان الخلف في وعد الله
تعالى محال فهو ايضا يدل على ان
الخلف في وعيده محال بخلاف ما قال الواحدي

اللہ تعالےٰ کے کلمات کی صفت صدق
ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے اور
نقص اللہ تعالےٰ پر محال ہے۔ اور یہ کلام
جس طرح خلف وعید کے محال ہونے پر
دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح خلف وعید کے
استحالہ پر بھی دلالت کرتا ہے بخلاف
واحدی کے۔

في تفسير قوله تعالى ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها ان الخلف في وعيد الله جائز وذالك لان وعد الله ووعيده كلمة الله فلما دلت هذه الاية على ان كلمة الله يجب كونها موصوفة بالصدق علم ان الكذب كما انه ممتنع في الوعد كذالك ممتنع في الوعيد

کیونکہ اس نے ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا کی تفسیر میں کہا کہ اللہ تعالے کی وعید میں خلف جائز ہے اور واحدی کا قول اسلئے غلط ہے کہ وعد اور وعید دونوں اللہ تعالے کے کلمات ہیں۔ اور جب اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ کلمات اللہ کا صدق واجب ہے تو جس طرح وعد کا خلف ممتنع ہے اس طرح وعید کا خلف بھی ممتنع قرار پائیگا۔

یہی امام رازی تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۲۹۲ پر ومن یقتل مؤمنا متعمدا کے تحت واحدی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

لان الوعيد قسم من اقسام الخبر فاذا جوز على الله الخلف فيه فقد جوز الكذب على الله وهذا خطأ عظيم بل يقرب من ان يكون كفرا فان العقلاء اجمعوا على انه تعالى منزه عن الكذب ولانه اذا جوزنا الكذب على الله في الوعيد لاجل ما قال ان الخلف في الوعيد كرم فلم لا يجوز الخلف ايضا في وعيد الكفار وايضا اذا جاز الخلف في الوعيد لغرض الكرم فلم لا يجوز الخلف

وعید خبر کی ایک قسم ہے پس جب اللہ تعالی کیلئے اسکی خبر میں خلف کو جائز مانا گیا تو اللہ تعالی پر کذب کو جائز مانا گیا اور یہ بہت بڑی غلطی ہے بلکہ قریب بہ کفر ہے کیونکہ تمام عقلاء کا اس پر اجماع ہے۔ کہ اللہ تعالے کذب سے منزہ ہے اور نیز جب کرم کی بنا پر وعید مؤمنین میں خلف جائز رکھا گیا ہے تو پھر وعید کفار میں خلف کیوں جائز نہیں۔ مزید برآں یہ کہ جب کرم کی بنا پر وعید میں خلف جائز ہے تو مصلحت کی بنا پر ۰ ۰ ۰ ۰ ۰

فی القصص والاخبار لغرض المصلحة ومعلوم ان فتح هذا الباب یفضی الی الطعن فی القرآن وکل الشریعة۔

قصص اور اخبار میں خلف کیوں جائز نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی جرأت تا قرآن بلکہ تمام شریعت میں طعن کا دروازہ کھولتی ہے۔

مکذبین سے تیسری گذارش

بعض اشاعرہ کے قول خلف وعید کو باعتبار ظاہر کے محققین اہلسنت نے رد کر دیا ہے۔ پس اب مکذبین سے گذارش ہے کہ آپنے اس باطل اور مردود قول پر اپنے مسلک کی عمارت قائم کر کے کیا اہل فہم کو یہ سوچنے کا موقعہ نہیں دیا کہ جس مذہب کی بنیاد ہی فاسد ہے اس کی تعمیر کے فساد کا کیا عالم ہوگا۔

کیا اشاعرہ امکان کذب کے قائل ہیں

اس تحقیق سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ بعض اشاعرہ نے جو خلف وعید کا قول کیا ہے۔ اس کو جمہور اہل سنت نے رد کر دیا لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ کیا جن اشاعرہ نے خلف وعید کا قول کیا۔ وہ قول بالکذب بھی کرتے ہیں جس طرح مولوی انبیٹھوی۔ مولوی گنگوہی اور مولوی محمود الحسن صاحب اور تمام وہابی دیوبندی مکذبین نے اپنی جہالت سے سمجھا کہ یہ مسئلہ تو قدماء میں مختلف فیہ ہے اور امکان کذب خلف وعید کی فرع ہے۔ پس ہم واشگاف الفاظ میں یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں کذب کے محال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں دیکھئے کمال الدین بن ابی شریف جو اشعری المذہب ہیں۔ مسامرہ شرح مسایرہ ص۲۰۶ پر فرماتے ہیں۔

لاخلاف بین الاشعریة وغیرهم فی ان کل ما کان وصف نقص فی

اشعریہ اور ان کے غیر کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر

فی حق العباد فالباری تعالیٰ منزہ عنہ وھو محال علیہ تعالیٰ والکذب وصف نقص فی حق العباد الی ان قال فھو مستحیل فی حقہ عزوجل۔

وہ شے جو بندوں کے حق میں وصف نقص ہو وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور کذب بندوں کے حق میں وصف نقص ہے پس وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

مسامرہ کی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں امتناع کذب کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب خلف وعید کے مسئلہ پر انہیں قول بالکذب لازم کیا گیا۔ تو انہوں نے کذب سے اپنی برأت کا اظہار کیا، اور کہا کہ آیات وعید انشار تخویف پر محمول ہیں اور انشا میں صدق وکذب کا احتمال نہیں ہوتا۔ پس خلف وعید سے کذب لازم نہیں آتا۔

بعض محققین نے اور جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیات وعید اصرار عدم توبہ یا عدم عفو یا مشیت کے ساتھ عنداللہ مقید ہیں یعنی جس آئت میں عاصی کو عذاب دینے کی وعید کی گئی ہے اس کے بعد شرط محذوف ہے مثلاً میں عاصی کو ضرور عذاب دونگا۔ اگر اس کو معاف نہ کروں یا اگر چاہوں تو یا اگر وہ توبہ نہ کرے اور معصیت پر مصر رہے۔ پس اب اگر اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر کے عذاب نہ دے یا اپنی مشیت یا اس کی توبہ کی وجہ سے عذاب نہ دے۔ تو اس کے کلام کا خلاف لازم نہیں آیا۔ البتہ ظاہری اور صوری طور پر اسے خلف وعید کیا گیا ہے، کیونکہ کلام میں شرط کا ذکر نہیں۔ اور علما محققین نے شرط کے حذف کرنیکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر شرط کو کلام میں صراحۃً ذکر کر دیا جاتا تو عصاۃ معصیت پر دلیر ہو جاتے۔ اب ہم آپکے سامنے اپنے اس بیان کی تائید میں علما محققین کی عبارات پیش کرتے ہیں۔

دیکھئے مشہور اصولی علامہ محب اللہ بہاری اپنی شہرۂ آفاق تصنیف

مسلم الثبوت ص۴۶ پر واجب کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

وقیل ما اوعد بالعقاب علی ترکہ ولا یخرج العفو لان الخلف فی الوعید جائز دون الوعد ورد بان ایعاد اللہ تعالی خبر فہو صادق قطعا وتجویز کونہ انشاء للتخویف کما قیل عدول عن الحقیقۃ بلا موجب علی انہ مثلہ یجری فی الوعد فینسد باب المعاد اقول لو تم دل علی بطلان العفو مطلقا والکلام فی خروجہ بعد تسلیم وجودہ فلا بد ان یقال ان الایعاد فی کلامہ تعالی مقید بعدم العفو۔

اور بعض لوگوں نے واجب کی تعریف میں کہا کہ واجب وہ فعل ہے جس کے فعل پر عذاب دیا جائے اور عفو اس تعریف سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ خلف وعید جائز ہے اور یہ جواب مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وعید قطعی طور پر خبر ہے پس وہ یقینا صادق ہوگی اور بعض لوگوں نے جو وعید کو انشاء تخویف پر محمول کیا ہے وہ بغیر کسی موجب کے حقیقت سے عدول کرنا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی یہ تقریر وعد میں بھی جاری ہوسکتی ہے پس معاد کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ انشاء کی تقدیر پر تو عفو بالکلیہ باطل ہوجائیگا اور کلام اس میں ہے کہ عفو باوجود متحقق ہونے کے واجب کی اس تعریف سے خارج ہوجاتا ہے پس ضروری ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں آیات وعید عدم عفو کے ساتھ مقید ہیں۔

خلف وعید سے جو بظاہر کذب لازم آتا ہے۔ اس کے علامہ محب اللہ بہاری نے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک آیات وعید کو عدم عفو سے مقید کرکے۔ دوسرا ان آیات کو انشاء تخویف پر محمول کرکے پھر دوسرے جواب پر یہ اعتراض قائم کیا کہ یہ آیات اخبار ہیں اور اخبار کو بلا موجب انشاء پر محمول کرنا عدول عن الحقیقۃ ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح تو کوئی آیات وعد کو بھی انشاء ترغیب پر محمول

کر سکتا ہے۔ علامہ بحر العلوم لکھنوی نے فواتح الرحموت میں اس اعتراض کا جواب دے کر انشائے تخویف والے جواب کی تصویب فرمائی ہے چنانچہ فواتح الرحموت ص ۲۳۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

فالحق ان الموجب للعدول متحقق وھو ثبوت جواز العفو لاھل الکبائر الغیر المشرک ثبوتا قطعیا جلیا مثل الشمس علی نصف النھار فلا بد من العدول عن الظاھر فی الوعیدات التی لغیر الکفرۃ فاما بالتقیید او جعلہ لانشاء التخویف واما الوعد فلا موجب فیہ فیبقی علی الحقیقۃ	حق یہ ہے کہ حقیقت سے عدول کرنیکا موجب متحقق ہے اور وہ اہل کبائر کیلئے جواز عفو کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت مثل آفتاب نیم روز کے قطعی اور یقینی ہے پس غیر کفار کی وعیدات میں ظاہر سے عدول کرنا ضروری ہوا پس یا تو آیات کو مقید کیا جائیگا یا ان کو انشاء تخویف پر محمول کیا جائیگا۔ رہا وعد تو اس میں چونکہ حقیقت سے عدول کرنے کا کوئی موجب نہیں تو وہ اپنی حقیقت پر رہے گا۔

علامہ محقق جلال الدین شرح عقائد دوانی جلد ۲ ص ۶۳۳ طبع نول کشور پر رقم طراز ہیں۔

قلت ان حملت آیات الوعید علی انشاء التھدید فلا خلف لانہ حینئذ لیس خبرا بحسب المعنی فان حمل علی الاخبار کما ھو الظاھر فیمکن ان یقال بتخصیص المذنب المغفور عن عمومات الوعید	میں کہتا ہوں اگر آیات وعید کو انشاء تخویف پر محمول کیا جائے تو خلف لازم نہیں آئیگا کیونکہ یہ اس وقت معنوی طور پر خبر نہیں ہونگی۔ اور اگر ظاہر کے اعتبار سے انہیں اخبار پر ہی محمول کیا جائے تو پھر یہ آیات عام مخصوص عنہ البعض

بالدلائل المفصلة ولا خلف في
هذا التقدير ايضا فلا يلزم تبديل
القول واما اذا لم يقل بلحوق هذين
الوجهين فيشكل التفصي عن
لزوم التبديل والكذب اللهم
الا ان يحمل آيات الوعيد على
استحقاق ما وعد به لا على وقوعه
بالفعل وفي الآية المذكورة اشارة
الى ذالك حيث قال فجزاؤه جهنم
خالدا فيها۔

کے قبیل سے ہیں یا جو دوسرے دلائل کی
وجہ سے عمومات وعید سے مذنب مغفور کی
تخصیص کرلی جائیگی اور اگر یہ دونوں
توجیہیں نہ کی جائیں۔ تو لزوم کذب اور
خلف سے چھٹکارا مشکل ہے البتہ اگر یہ
کہا جائے کہ آیات وعید میں سزا کے وقوع
کی خبر دینا مقصود نہیں بلکہ سزا کا استحقاق
بیان کرنا مقصود ہے (یعنی کسی شخص نے
اگر معصیت کی تو وہ اس سزا کا مستحق ہے
نہ کہ اسے یہ سزا ملے گی پس عفو کی تقدیر پر
کذب لازم نہیں آئے گا) چنانچہ آیہ کریمہ فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا میں اسکا اشارہ موجود ہے

اور یہی علامہ محقق شرح عقائد دوانی جلد ۲ ص ۲۹ طبع نولکشور پر اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

والوجه في دفعه ان آيات الوعيد
مشروطة بشروط معلومة من
الآيات الاخر والاحاديث منها
الاصرار وعدم التوبة منها عدم
عفوه تعالى فيكون في قوة الشرطية
فلا يلزم الكذب اصلا۔

اور اس اشکال کا رفع اس طرح ہے کہ
آیات وعید ان شروط کے ساتھ مقید ہیں
جو دوسری آیات اور احادیث سے معلوم
ہیں مثلاً اصرار۔ عدم توبہ اور عدم عفو وغیرہ
اور یہ اخبار قضایا شرطیہ کی قوت میں ہیں۔
پس انتفاء شرط کی تقدیر پر انتفاء مشروط
(عقاب) اصلاً کذب کو مستلزم نہیں ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تکمیل الایمان ص ۳۷ پر

تحریر فرماتے ہیں۔

وبعضے برایں اند کہ خلاف در وعدہ و وعید او قطعاً نرود والا کذب اخبار او لازم آید تعالیٰ عن ذالک۔ جوابش آنست کہ بقرینۂ اقتضاء کرم در اخبار وعید شرط مشیت مقدر بود اگرچہ تصریح بداں نکردہ باشد و خبر وعد حتماً مقتضیاً باشد و آیات و احادیث کہ دریں جا تصریح بمشیت وقوع یافتہ است۔ نیز قرینۂ آں تواند بود یا خود مراد از اخبار وعید استحقاق عذاب است نہ وقوع بالفعل یا مراد بداں انشاء وعید است نہ حقیقت اخبار پس کذب و تبدیل لازم نہ آید۔

اور بعض لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ وعدہ اور وعید کا خلاف قطعاً ممکن نہیں۔ ورنہ اخبار میں کذب لازم آئیگا تعالیٰ اللہ عن ذالک۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اقتضاء کرم کے قرینہ سے وعید مشیت کے ساتھ مشروط ہے۔ اور وعدہ کی خبر یقینی طور پر پوری ہوگی اور جن آیات واحادیث میں مشیت کی تصریح ہے وہ نیز اس امر پر قرینہ ہیں یا پھر آیات وعید میں وعید سے مراد سزا کا استحقاق ہے۔ نہ کہ سزا کا وقوع اور فعلیت اور یا آیات وعید انشاء تخویف پر محمول ہیں اور حقیقت میں اخبار نہیں ہیں حتیٰ کہ کذب یا تبدیل لازم آئے

خیالی علی شرح العقائد ص۱۴۶ پر ہے۔

واقول لعل مرادھم ان الکریم اذا اخبر بالوعید فاللائق بشانہ ان یبنی اخبارہ علی المشیۃ وان لم یصرح بذالک بخلاف الوعد فلا کذب ولا تبدیل

میں کہتا ہوں کہ شاید بعض اشاعرہ کی مراد یہ ہے کہ کریم جب کسی سزا کی خبر دیتا ہے تو اسکی شان کے لائق یہ ہے کہ اس سزا کو اپنی مشیت پر موقوف کر دیتا ہے اگرچہ اس شرط کی تصریح نہیں کرتا بخلاف وعدہ کے پس نہ کذب لازم آیا اور نہ تبدیلی۔

اور علامہ عبدالعزیز پرہاروی نبراس ص۳۶۶ پر اشاعرہ کی طرف سے لزوم امکان کذب کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

معنى قولهم الخلف في الوعيد كرم ان الكريم اذا اخبر بالوعيد فلا يبعد من كرمه ان يعلقه بالمشية وان لم يصرح بها لئلا يغتر بها العاصي اما اذا اخبر بالوعد فاللائق بحاله الابقاء والانجاز وقال في قوة القلوب روينا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من وعد الله على عمل ثوابا فهو منجزله ومن اوعده على عمله فهو فيه بالخيار ۔

اشاعرہ نے جو کہا ہے کہ خلف وعید کرم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کریم جب کسی سزا کی خبر دیتا ہے تو اسکے کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس سزا کو اپنی مشیت پر موقوف کر دے اگرچہ وہ اس تعلیق کی تصریح نہیں کرتا تاکہ عاصی معصیت پر دلیر نہ ہو جائے لیکن جب وہ کسی انعام کی بشارت دیتا ہے تو اسکی شان کے لائق ابقاء اور پورا کرنا ہے۔ قوت قلوب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روائیت ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے تو اسکو پورا فرماتا ہے۔ اور جس کو کسی عمل پر سزا کی خبر دیتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے ۔

علامہ بیضاوی اور شیخ ابو سعود اپنی تفسیروں میں لا یخلف اللہ المیعاد کے تحت فرماتے ہیں ۔

واستدل به الوعيدية واجيب بان وعيد الفساق مشروطة بعدم العفو لدلائل مفصلة كما هو مشروطة بعدم التوبة وفاقا ۔

اس آیت سے وعیدیہ نے وعید لازم ہونے پر استدلال کیا اور اسکا جواب یہ ہے کہ فساق کی وعید دلائل مفصلہ کی بنا پر عدم عفو کے ساتھ مقید ہے جس طرح وہ عدم توبہ کے ساتھ بالاتفاق مقید ہیں ۔

اور امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۰۹ پر فرماتے ہیں

فاما قولك لو لم يفعل لصار كاذبا و مكذبا بالنفسه فجوابه ان هذا انما يلزم لو كان الوعيد ثابتا جزما من غير شرط وعندي جميع الوعيدات مشروطة بعدم العفو فلا يلزم من تركه دخول الكذب في كلام الله تعالى۔	بہر حال تیرا یہ قول کہ اگر اللہ تعالیٰ فاسق کو عذاب نہ دے تو وہ کاذب ہو جائیگا پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت لازم آتا ہے جبکہ وعید جزماً ثابت ہو اور کسی شرط پر موقوف نہ ہوتی اور میرے نزدیک تمام آیات وعید عدم عفو کے ساتھ مختص ہیں پس ترک عذاب سے اللہ تعالیٰ کے کلام کا کاذب ہونا لازم نہیں آتا

خلف وعد کی بحث میں ہم نے جو عبارات پیش اور ان سے جو جوابات مستنبط ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ عفو کی تقدیر پر آیات وعید کا خلاف لازم نہیں آتا اور یہ اسلئے ہے کہ عام مخصوص عنہ البعض ہیں۔ ثانیاً اسلئے کہ یہ آیات عدم عفو وغیرہ سے مقید ہو کر قضایا شرطیہ کی قوت میں ہیں۔ ثالثاً اسلئے کہ یہ انشا تخویف پر محمول ہیں۔ رابعاً اسلئے کہ ان آیات میں وقوع عقاب کی خبر نہیں۔ بلکہ استحقاق عقاب کی خبر ہے۔ اور ان چاروں جوابوں کو ہم نے بکثرت علماء کی تصریحات سے پیش کیا ہے۔ اور بیشتر علماء کی عبارات کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے

مکذبین سے چوتھی گذارش

سطور گذشتہ میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے اس سے واضح ہو گیا۔ کہ خلف وعید اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے مردود ہے اور خلف وعید سے جو معنی بعض اشاعرہ نے لیا ہے۔ وہ نہ کذب کا عین ہے اور نہ کذب کو مستلزم ہے کیونکہ وہ خلف وعید کو انشا تخویف پر محمول کرتے ہیں اور انشا صدق و کذب

کا احتمال نہیں رکھتا اور اہلسنت ماتریدیہ نے آیات وعید کو عدم عفو یا مشیت کے ساتھ مقید کیا ہے اور اس طور پر صرف ظاہراً اور صورۃً خلف وعید رہ جاتا ہے۔ اور یہ نہ کذب کا عین ہے نہ اسکو مستلزم ہے پس دیوبند کے اہل علم پر عقل انگشت بدنداں ہے جنھوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے کہ مسئلہ امکان کذب قدماء میں مختلف فیہ رہا ہے۔ اور امکان کذب خلف وعید کی فرع ہے۔ دیکھئے مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی براہین قاطعہ ص۲ پر ہے۔ امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا۔ بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے کہ نہیں۔ الی ان قال اور امکان کذب کہ خلف وعید کی فرع ہے جو قدماء میں مختلف فیہ ہو چکا ہے۔ انتھی

اور اسی مضمون کو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی فتاوی رشیدیہ میں بیان کیا ہے اور امکان کذب کو خلف وعید کی فرع قرار دیا ہے۔ حالانکہ ہم دلائل کثیرہ سے واضح کر چکے ہیں کہ خلف وعید کسی کے مذہب پر بھی نہ کذب کا عین ہے نہ اسکو مستلزم ہے نہ اس پر متفرع ہے۔ لیکن مکذبین کی آنکھوں پر ابلیس نے جو تنقیص الوہیت کی پٹی باندھ دی ہے۔ وہ ان کو دیکھنے نہیں دیتی۔

مکذبین سے پانچویں گذارش

ہم سطور سابقہ میں امام رازی سے نقل کر چکے ہیں کہ امکان و جواز کذب کا قول قریب بہ کفر ہے۔ دیکھئے تفسیر کبیر ص۲۹۶ ج۳ پر امام رازی فرماتے ہیں۔

اما اذا جوز علی اللہ الخلف فیہ فقد جوز الکذب علی اللہ وھذا خطأ عظیم بل یقرب من ان یکون کفرا۔

خلف وعید کو جائز رکھنا کذب کو جائز رکھنا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ پر کذب جائز رکھا اس نے کفر کے قریب قول کیا۔

پس مکذبین سے گذارش ہے کہ وہ آنکھوں دیکھتے مکھی نہ کھائیں اور جس چیز کو علماء اہل سنت نے کفر کہا ہے۔ اسکو اپنا عقیدہ نہ بنائیں۔

عموم قدرت اور خلف وعید سے عام طور پر مکتبہ ہیں اور ابناء بدعت عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں۔ اسلئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ذرا اس پر کھل کر گفتگو کی جائے۔ اس کے بعد اب ہم سرفراز صاحب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جنہوں نے مغالطہ عامۃ الورود کے قبیل سے تیرہ مغالطہ دیئے ہیں۔ اور بزعم خویش امکان کذب کو ثابت کر لیا ہے۔

سرفراز صاحب کا پہلا مغالطہ

سرفراز صاحب تنقید متین ص۱۴۳ پر لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجد لک بہ علینا وکیلا الا رحمۃ من ربک ان فضلہ کان علیک کبیرا (پ ۱۵۔ بنی اسرائیل)

اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اس کے لا دینے کو ہم پر کوئی ذمہ دار مگر مہربانی سے تیرے رب کی بخشش تجھ پر بڑی ہے۔

اور اس آیت سے سرفراز صاحب نے مندرجہ ذیل مطلب کشید کیا ہے۔

" نہ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے نبوت اور وحی چھینی ہے اور نہ یہ مقام آپ سے چھینے گا اور کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں لیکن اس بالا مضمون میں یہ امر واضح کر دیا ہے۔ کہ اگر (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ آپ سے یہ مقام چھیننا چاہے تو اس پر قادر ہے" انتھی کلامہ (تنقید متین ص۱۴۲)

اس آیت کریمہ میں نبوت سلب کرنے کا کوئی ذکر نہیں (مگر سرفراز صاحب نے جب دیکھا کہ اگر سلب نبوت کا لفظ قرآن میں نہ بڑھا یا گیا تو دیوبندی بدعت پیوند زمین ہو جائے گی پس اپنے عقیدہ فاسدہ کو ثابت کرنے کیلئے سلب نبوت کا چور دروازہ نکال لیا۔ اور اس تحریف کا مقصد ان کے الفاظ میں یہ ہے

کہ "جب وہ خبر دے چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تاقیامت (بلکہ قیامت میں بھی) رہے گی، تو اس خبر کے خلاف قدرت تسلیم کرنے سے اس کے کلام میں کذب کا احتمال اور امکان پیدا ہوتا ہے" انتہی کلامہ۔ تنقید متین

یہ ہے سرفراز صاحب کی سینہ زوری اور ڈھٹائی کیونکہ وہ اپنے ان خیالات میں منفرد ہیں، اسلئے اپنی اس جسارت پر وہ اہل علم کی تائید پیش کرنے سے قاصر رہے ہے۔ اب ہم اس آیت کے تحت مفسرین کرام کی تفاسیر سے بعض قلم کرتے ہیں۔ تفسیر ابی السعود میں اسی آیت کے تحت ہے۔

ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک، من القرآن الذی هو شفاء ورحمة للمؤمنین و منبع للعلوم التی اوتیتموها وثبتناک علیه حین کادوا لیفتنونک عنه ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیهم شیئا قلیلا الی ان قال والمراد من الذهاب به المحو من المصاحف والصدور	اور اگر ہم چاہیں تو البتہ اس قرآن کریم کو لے لیں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے جو شفا ہے اور مومنین کے لئے رحمت ہے اور تمام علوم کا منبع ہے۔ اور ہم نے آپ کو ثابت قدم رکھا جس وقت وہ آپ کو فتنہ میں ڈال رہے تھے۔ اور اگر ہماری تائید نہ ہوتی تو قریب تھا کہ آپ انکی طرف کچھ مائل ہو جاتے اور قرآن لے جانے کا مطلب ہے

کہ اللہ تعالے اسکو مصاحف اور سینوں سے محو کر دیتا۔

اور امام رازی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

المراد بهذا الاذهاب ازالة العلم به عن القلوب وازالة النقوش الدالة علیه عن المصحف	قرآن کریم میں جو لنذهبن بالذی اوحینا وارد ہے۔ اس سے مراد دلوں اور مصاحف سے علوم کو محو کر دینا ہے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔

والمعنی ان شئنا ذھبنا بالقرآن ومحونا من المصاحف والصدور۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو قرآن کو لے جائیں اور اسکو مصاحف اور سینوں سے محو کر دیں۔

جلالین شریف میں ہے۔

ای القرآن بان نمحوہ من الصدور والمصاحف۔

یعنی وحی سے مراد قرآن ہے پس اگر ہم چاہیں تو اسکو صدور و مصاحف سے محو کر دیں۔

ان تفاسیر کے حوالوں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہاں پر علوم اور قرآن کو سینوں اور مصاحف سے محو کرنے کا ذکر ہے۔ نہ کہ سلب نبوت کا بیان ہے۔ جس پر سرفراز صاحب نے عقیدہ امکان کذب کی بنیاد رکھی ہے۔

سرفراز صاحب کا دوسرا مغالطہ

صفحہ ۱۷۴ پر قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ نقل کی۔

ام یقولون افتری علی اللہ کذبا فان یشاء اللہ یختم علی قلبک ویمحو اللہ الباطل ویحق الحق بکلماتہ انہ علیم بذات الصدور۔

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ۔ سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر اور مٹاے اللہ جھوٹ کو اور ثابت کر دے سچ کو اپنی باتوں سے اسکو معلوم ہے جو دلوں میں ہے

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل پر (معاذ اللہ) مہر لگا دے۔ وحی نبوت بند بلکہ سلب کر دے ص ۱۷۵

سرفراز صاحب نے اس جگہ بھی دل کھول کر قرآن میں تحریف کی ہے اور ترجمہ و تفسیر میں من مانی کاروائی کر کے بزعم خویش یہ ثابت کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کی نبوت سلب کرنے پر قدرت کا اظہار فرمایا۔ اور یہ بھی خبر دی ہے کہ قیامت تک آپ کی نبوت باقی رہے گی۔ لہذا سلب نبوت کا امکان بعینہ کذب

کا امکان ہے چلئے چھٹی ہوئی۔ امکان کذب ثابت ہو گیا۔

الجواب:۔ اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ سلب وحی یا سلب نبوت کیا جا سکے ہمارے نزدیک اس آیت کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے۔ فان یشاء اللہ یختم علی قلبک اور اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر فرمادے۔ (تفسیر جلالین میں اس کے تحت ہے۔

(فان یشاء اللہ یختم) یربط (علیٰ قلبک) بالصبر علی اذاھم بھذا القول وغیرہ وقد فعل

یعنی اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو آپکے دل پر مشرکین کی نازیبا باتوں پر صبر کی مہر لگادے تاکہ آپ مشرکین کی نازیبا اذیت و تکلیف دہ باتوں پر صابر ہوجائیں اور بلاریب اللہ تعالیٰ نے آپکے دل کو ایسا کر دیا۔

اس آیت کے تحت مدارک التنزیل میں ہے۔

قال مجاھد ای یربط علیٰ قلبک بالصبر علیٰ اذاھم وعلیٰ قولھم افتری علی اللہ کذبا لئلا تداخلہ مشقۃ بتکذیبھم

مجاہد نے کہا۔ معنی یہ ہے کہ کفار کی اذیتوں پر آپکے دل کو صابر بنا دے اور ان کے قول افترا علی اللہ کذبا پر تاکہ انکی تکذیب پر آپ کو مشقت نہ ہو۔

نیز خازن میں اس کی تفسیر ہے۔

ای یربط علیٰ قلبک بالصبر حتیٰ لایشق علیک اذاھم و قولھم انہ مفتری

یعنی ان کے دل کو ایسا صابر بنادے کہ اس پر کفار کی اذیتیں اور ان کا آپ کو مفتری کہنا شاق نہ گذرے۔

خازن مدارک اور جلالین کی عبارتوں سے بحمد اللہ یہ امر واضح ہوگیا کہ نہ سلب نبوت کا خود قرآن میں ذکر ہے اور نہ مفسرین کرام کے اذہان میں یہ ناپاک معنی موجود تھا جسے بنیاد قرار دے کر مولوی سرفراز صاحب نے اللہ تعالیٰ کے

نے کذب جیسی شناعت کا امکان ثابت کیا ہے بعض مفسرین نے یختم علی قلبک کی اور بھی کئی تفسیریں کی ہیں۔ ہم انہیں بھی پیش کر کے اس مسئلہ کو بالکل بے غبار کر دینا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ بیضاوی میں ہے :-

استبعاد للافتراء عن مثله بالاشعار علی انه انما یجتری علیه من کان مختوما علی قلبه جاهلا بربه فاما من کان ذا بصیرة و معرفة فلا وکانه قال ان یشاء الله خذلانك یختم علی قلبك لتجری بالافتراء علیه وقیل یختم علی قلبك یمسك القرآن او الوحی عنه او یربط علیه بالصبر فلا یشق علیك اذاهم

مشرکین کے اس قول کے جواب میں کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر افتراء باندھا ہے اللہ تعالیٰ کا فان یشا اللہ یختم علی قلبک فرمانا ان کے اس افتراء کو آپ جیسی شخصیت سے بہت بعید قرار دینا ہے کیونکہ اللہ پر افتراء کرنے کی جسارت تو وہ شخص کر سکتا ہے جس کے دل پر مہر لگی ہو اور وہ اپنے رب سے جاہل ہو لیکن جو شخص صاحب معرفت و بصیرت ہو اس سے یہ افتراء صادر ہونا محال ہے پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا کرنا چاہتا تو آپ کے دل پر مہر لگا دیتا تاکہ آپ اس پر افتراء کرتے اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو آپ سے نزول قرآن یا وحی روک لیتا۔ اور یہ بھی تفسیر کی گئی کہ اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر صبر کی مہر لگا دے۔

اب آپ پورے غور سے علامہ بیضاوی کی نقل کردہ تینوں تفسیروں کو ملاحظہ فرمائیں کسی تفسیر میں بھی سرفراز صاحب کے ناپاک عقیدہ کی گنجائش نہیں ہے پہلی تفسیر میں واضح ہے۔ کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو نبی علیہ السلام اس پر افتراء کرتے لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ انبیاء کے کلام میں کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہو سکتا ہے۔ دوسری تفسیر پر یعنی

یہ ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وحی یا قرآن کو روک لیتا اور امساک وحی یا قرآن امر ممکن ہی نہیں۔ بلکہ حقیقت ثابتہ ہے۔ کئی مواقع پر بیشمار حکمتوں کے پیش نظر وحی روک لی گئی۔ اور تیسری تفسیر کی تفصیل ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں۔ پس بحمد اللہ ثابت ہو گیا کہ قرآن شریف کی اس آیت کریمہ میں اس ناپاک عقیدہ کا نام ونشان تک نہیں۔ جسے ثابت کرنے کیلئے مولوی سرفراز صاحب نے قرآن میں بزور زیادتی کی اپنی طرف سے الفاظ داخل کئے اور پھر تفسیر بالرای کر کے اپنے لئے آخرت کی مخصوص وادی میں زمین الاٹ کرا لی۔

سرفراز صاحب کا تیسرا مغالطہ

سرفراز صاحب نے اللہ تعالیٰ کے جھوٹ کو ممکن ثابت کرنے کیلئے تیسری مرتبہ پینترا بدل کر پھر زور لگایا۔ قرآن کریم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل کی جس کے بنیادی الفاظ یہ ہیں ومن عصانی فانک غفور رحیم۔ جو میری نافرمانی کرے تو تو اسکو بخشنے والا مہربان ہے اور اس کا مقصد ان کے الفاظ میں یہ ہے۔ ص ۱۷۶۔

اب سوال یہ ہے کہ مشرک اور بت پرست کی جس کا خاتمہ کفر پر ہو چکا ہو مغفرت کا کیا سوال ہے۔ رب العزت کا قطعی فیصلہ جب یہ ہے کہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ الآیہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز نہیں معاف کریگا۔ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ تو پھر مشرک کی بخشش کا کیا سوال۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس مضمون میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بت پرستوں کو بھی بخشنا چاہے تو اس کو قدرت ہے۔ انتہٰی کلامہ تنقید ص ۱۷۶

اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کی مغفرت ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ کے کذب کو مستلزم ہے اور چونکہ یہ مغفرت ممکن ہے۔ اسلئے

اللہ کے کلام ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ کا کذب ممکن ہوگیا۔

اس کلام میں مولوی سرفراز صاحب نے انگنت وجوہ سے اپنی جان اور ایمان پر ظلم کیا ہے اور اہل علم کی نگاہوں میں وہ مار کھائی ہے جو کسی بدنصیب جاہل ہی کے حصے میں آتی ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے۔ کہ اس آیت میں تحریف کی ہے دوسرے یہ کہ خدا کے لئے نقص ثابت کرنے کی مذموم سعی کی۔ ثالثاً یہ کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تقدس اور عصمت پر جاہلانہ حملہ کیا۔ اور یہ ثابت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حضور مشرکوں اور کافروں کی شفاعت کی۔ حالانکہ مشرکوں کے حق میں دعا کرنا معصیت ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبین لهم انهم اصحب الجحیم وما کان استغفار ابراهیم لابیه الا عن موعدة وعدها ایاه فلما تبین له انه عدو لله تبرأ منه۔

پیغمبر علیہ السلام اور باقی مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ کافروں کی سزائے جہنم ظاہر ہونے کے بعد کسی مشرک کے حق میں دعا مغفرت مانگیں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اب آذر کے حق میں دعا کرنا ان کے وعدہ ایمان کی وجہ سے تھا۔ پھر جب ان پر ظاہر ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

قرآن شریف کی یہ آیت صاف اعلان کررہی ہے کہ مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنا معصیت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالےٰ برارت کا ذکر فرما رہا ہے۔ کہ وہ مشرکین سے بیزار تھے۔ اور آذر کے حق میں جو انہوں نے دعا کی وہ اس امید پر کی تھی کہ یہ وعدہ اسلام کو پورا کرے گا۔ اور جب اس نے وعدہ پورا نہ کیا۔ تو اس سے بیزار ہو گئے۔ اب آپ مولوی سرفراز صاحب کو دیکھئے کہ ان کا نہ قرآن

پر ایمان ہے۔ نہ خدا کی بات کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور بیک جنبش قلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے مشرکوں کی شفاعت کا جرم ثابت کر کے ان کی اپنی عصمت کو داغدار کر رہے ہیں۔ اب غور کیجیے کہ خدا کیلئے کذب کا امکان ثابت کرنے کیلئے سرفراز صاحب نے کیسے پاپڑ بیلے ہیں اور کس طرح آیاتِ قرآنی کو ہمنوائے نفسانی سے بازیچۂ اطفال بنالیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کیلئے علی الاعلان معصیت کا ثبوت اپنی کتاب میں چھاپ دیا۔ اور ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے۔

اب ہم آپ کے سامنے اسی آیت کی تفصیل امام رازی کے قلم سے پیش کرتے ہیں۔

واحتج اصحابنا بهذه الآية على ان ابراهيم عليه السلام ذكر هذا الكلام والغرض منه الشفاعة في حق اصحاب الكبائر من امته والدليل عليه ان قوله ومن عصاني فانك غفور رحيم صريح في طلب المغفرة والرحمة لاولئك العصاة فنقول اُولئك العصاة اما ان يكونوا من الكفار ولا يكونوا كذلك (والاول) باطل من وجهين (الاول) انهٗ عليه السلام بين في مقدمة هذه الآية انهٗ مبرأٌ عن الكفار وهو قوله اجنبني وبني ان نعبد الاصنام وايضا قولهٗ

ہمارے اصحاب اہل سنت نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس مضمون سے اپنی امت کے اصحاب کبائر کی شفاعت کی ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ من عصانی فانک غفور رحیم گنہگاروں کی شفاعت پر صریح نص ہے۔ اب یہ گنہگار یا مومن ہوں گے یا کافر کافر تو ہو نہیں سکتے اولاً اسلئے کہ اس آیت کے شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کفار سے بیزاری کا اظہار فرما چکے ہیں اور وہ یہ قول ہے واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام (مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ) . . . .

. . . .

فمن تبعني فانه مني يدل
بمفهومه على ان من لم يتبعه على
دينه فانه ليس منه ولا يهتم
باصلاح مهماته (والثاني) ان
الامة مجمعة على ان الشفاعة في
اسقاط عذاب الكفر غير جائزة
ولما بطل هذا ثبت ان قوله
ومن عصاني فانك غفور رحيم
شفاعة في العصاة الذين لا
يكونون من الكفار —

نیز فمن تبعنی فانہ منی اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو آپ کا تابع نہ ہو وہ آپ سے نہیں اور آپ کو اسکی طلب مغفرت کی ضرورت نہیں ہے۔ ثانیا اسلئے کہ امت کا اجماع ہے کہ کفر کے عذاب کو ساقط کرنے کے لئے شفاعت کرنا جائز نہیں۔ اور جب یہ شفاعت باطل ہو گئی تو ثابت ہو گیا کہ آپکی دعاء ومن عصانی فانک غفور رحیم امت کے ان گنہگاروں کے حق میں شفاعت ہے جو کافر نہیں ہیں۔

مشہور ہے کہ گرگٹ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی میں نار نمرود کو بھڑکانے کیلئے پھونکیں مار کر حق عداوت پورا کیا تھا۔ گکھڑ کے سرفراز نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شفاعت مشرکین کی تہمت لگا کر اس تاریخ کو ایک بار پھر دہرا دیا ہے۔ لیکن نہ اس کی پھونکوں سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کوئی گزند پہنچ سکا۔ اور نہ مولوی سرفراز صاحب کی دشنام طرازی سے آپ کے دامن تقدس پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ بہرحال امکان کذب پر قائم کی ہوئی اس تیسری دلیل کا حال بھی قارئین پر واضح ہو گیا کہ اس دلیل کی بنیاد اس جھوٹ پر رکھی ہے کہ حضرت ابراہیم کی شفاعت مشرکین اور بت پرستوں کیلئے تھی۔ اور ہم نے دلائل سے واشگاف کر دیا کہ یہ دعا عصاۃ مومنین کیلئے تھی۔ بہرحال جھوٹوں کے دامن میں جھوٹ کے سوا دھرا ہی کیا ہے جسے وہ اپنی صفائی میں پیش کر سکیں۔

سرفراز صاحب کا چوتھا مغالطہ

اللہ تعالیٰ کیلئے کذب قبیح کے امکان کو ثابت کرنے کے لئے سرفراز صاحب کی چوتھی جسارت یہ ہے :۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے :۔

فان تعذ بھم فانھم عبادك	اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ
وان تغفر لھم فانك انت	تیرے بندے ہیں۔ اگر تو ان کو بخش دے
العزیز الحکیم	تو تو زبردست حکمت اور غلبہ والا ہے۔

یہ دعا کن لوگوں کیلئے ہے۔ سرفراز صاحب لکھتے ہیں مثلاً یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کو الٰہ بنا کر شرک کیا۔ چنانچہ چند سطر بعد لکھتے ہیں ۔

سوال یہ ہے کہ جب مشرکوں کی مغفرت ہی نہیں تو پھر مشرکوں کی مغفرت کا کیا سوال ہے (تنقید مت)

اس تقریر سے بھی سرفراز صاحب کا وہی ناپاک مقصد ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کسی مشرک کے حق میں شفاعت ان کی بخشش کے امکان کو چاہتی ہے اور مشرکین کی بخشش کا امکان کذب کے امکان کو مستلزم ہے اور اس ایسی منطق سے وہ لوگوں کے دین و ایمان کو لوٹ لینا چاہتے ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے اس آیت کی تشریح مفسرین کی زبان سے سپرد قلم کرتے ہیں جس سے ابنا بدعت کا یہ تار عنکبوت اپنے آپ ٹوٹ جائے گا۔

ملاحظہ ہو امام سیوطی جلالین میں فرماتے ہیں :۔

وان تغفر لھم ای لمن اٰمن منھم	اور اگر تو ان میں سے مسلمانوں کو بخش دے

جلالین کے علاوہ خازن۔ مدارک۔ تفسیر کبیر اور ابو سعود نے بھی اس جواب پر اعتماد کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے مغفرت کی یہ دعا

اپنی امت کے مسلمانوں کے لئے کی تھی نہ کہ کفار و مشرکین کیلئے جیسا کہ سرفراز صاحب نے اپنی جہالت اور رسول دشمنی سے سمجھا ہے۔ اس جواب کے علاوہ بھی مفسرین کرام نے اس کے جوابات دیئے ہیں۔

(۲) حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اس امر کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض کر دیا کہ جو ان میں تائب ہو چکے ہیں۔ ان کی بخشش فرمادے اور جنہوں نے توبہ نہیں کی ان کو عذاب دے (تفسیر کبیر و خازن)

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان قیامت میں نہ تھا بلکہ رفع الی السماء کے وقت تھا۔ کہ اے اللہ اگر ان لوگوں کو تو کفر پر باقی رکھے۔ اور انہیں عذاب دے۔ تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو کفر کی ظلمت سے نکال کر نور ایمان کی طرف سے لے آئے تو تو زبردست حکمت والا (خازن و کبیر)

ان تین جوابوں کے علاوہ مفسرین کرام نے اس سوال کا ایک اور جواب بھی دیا ہے۔ اور اس جواب سے ممکن ہے کہ مکذبین کو کوئی غلط فہمی پیدا ہو۔ اسلئے ہم اس جواب کو ذکر کر کے اس کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں:۔

ملاحظہ فرمائیے۔ خازن جلد ۱ ص ۵۰۲ پر ہے۔

یجوز فی حکمته و سعته و مغفرته ان یغفر للکفار لکنه تعالیٰ اخبر انه لا یفعل ذالک بقوله ان اللہ لا یغفر ان یشرک به	اللہ تعالیٰ کی حکمت وسعت اور مغفرت سے جائز ہے کہ وہ کفار کی مغفرت فرمائے لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کریگا کیونکہ اسنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو نہیں بخشے گا۔

اس جواب کا مفاد یہ ہے کہ کفار کی مغفرت ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اور جس غیر کی وجہ سے کفار کی مغفرت ممتنع ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قول ان اللہ لا یغفر ان یشرک به کا کذب ہے۔ جو کہ محال بالذات ہے۔ اس موقعہ پر

مکذبین کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ممکن محال کو مستلزم نہیں ہوتا بلکہ ممکن جس کو مستلزم ہو وہ بھی ممکن ہوتا ہے پس جبکہ مغفرت کفار کذب واجب کو مستلزم ہے اور مغفرت کفار ممکن ہے تو کذب واجب بھی ممکن ہوگا۔ الجواب اولاً مذکورہ بالا قاعدہ ہمیں تسلیم نہیں ہے۔ ورنہ اس قاعدہ سے عدم واجب لازم آ جائیگا کیونکہ جمہور متکلمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات ممکن اور جائز العدم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ سے بالایجاب صادر ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی ذات ان کیلئے علت تامہ ہے پس صفات کا عدم عدم واجب کو مستلزم ہوگا۔ اور صفات کا عدم چونکہ ممکن ہے۔ لہذا لازم آئیگا کہ عدم واجب ممکن ہو۔ حالانکہ وہ محال بالذات ہے۔ ثانیاً۔ نقض تفصیلی اور اسکی تقریر یہ ہے۔ کہ ہر ممکن جس کو مستلزم ہو وہ ممکن نہیں ہوتا۔ کہ وہ ممکن ممکن کو مستلزم ہوتا ہے۔ جو ممتنع بالغیر نہ ہو۔ بخلاف ما نحن فیہ کے۔ کیونکہ یہاں مغفرت کفار بھی ممتنع بالغیر ہے۔ اور عدم صفات بھی۔ پس جس طرح عدم صفات ممتنع بالغیر ہے اور جو غیر اس کو ممتنع کر رہا ہے۔ وہ عدم واجب ہے۔ جو کہ ممتنع بالذات ہے۔ اسی طرح مغفرت کفار بھی ممتنع بالغیر ہے۔ اور جو غیر اس کو ممتنع کر رہا ہے وہ کذب واجب ہے۔ اور ممتنع بالغیر کا تحت قدرت نہ ہونا عجز کو مستلزم نہیں ہوتا۔ خیالی ص۶۷ پر ہے۔

ان عدم القدرۃ بناءً علی الامتناع بالغیر لیس بعجز۔ — عدم قدرت بر بناء امتناع غیر عجز نہیں ہے۔

سرفراز صاحب کا پانچواں اور چھٹا مغالطہ

سرفراز صاحب نے امکان کذب ثابت کرنے میں پانچویں اور چھٹی سعی یہ کی ہے صلاکا۔ حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

لو ان اللہ عذب اھل سمواتہ واھل ارضہ عذبھم وھو غیر ظالم ولو رحمھم کانت رحمتہ خیراً لھم من اعمالھم

اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی ساری مخلوق کو عذاب دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور اس کا اس میں کوئی ظلم نہ ہوگا اور اگر وہ ان پر اپنی رحمت کرے تو اسکی رحمت ان کیلئے ان کے اعمال سے بھی کہیں بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو یواخذنی اللہ و ابن مریم بما جنت ھاتان یعنی الابھام والتی تلیھا لعذبنا ثم لم یظلمنا شیئاً

اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی لغزش کے بدلے پکڑنا چاہے تو ہمیں سزا دے سکتا ہے۔ پھر بھی ہم پر اس کا کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

ان دونوں دلیلوں کا مرکزی نقطہ ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو عذاب دینے پر قدرت رکھتا ہے اور ان کو عذاب دینا خلاف وعدہ ہے اور خلاف وعدہ کذب ہے پس خلاف وعدہ کے امکان سے کذب کا امکان ثابت ہو گیا۔

الجواب۔ اولاً گذارش یہ ہے کہ اس دلیل کا مبنی تعذیب صالحین ہے اور وہ شوافع اور اشاعرہ کا مسلک ہے۔ احناف وماتریدیہ کا مسلک یہ ہے کہ تعذیب صالحین محال ہے۔ چنانچہ محقق علی الاطلاق ابن ہمام حنفی مسایرہ میں یہی فرماتے ہیں

واعلم ان الحنفیۃ لما استحالوا علیہ تعالیٰ تکلیف مالا یطاق فھم لتعذیب المحسن الذی استغرق عمرہ فی الطاعۃ مخالفاً لھوی نفسہ فی رضاء مولاہ امنع یعنی انہ تعالیٰ

یاد رکھو کہ جب احناف کے نزدیک تکلیف مالایطاق محال ہے تو ان کے نزدیک ان صالحین کی تعذیب جن کی عمر طاعت میں بسر ہوئی بطریق اولیٰ محال ہے اس معنے میں کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس عیب

عن ذلك فهو من باب التنزيهات	بلند ہے پس یہ تنزیہات کے باب سے
لان التسوية بين المسئ والمحسن	ہے کیونکہ صالح اور غیر صالح کو برابر قرار
غير لائق بالحكمة في فطرة سائر	دینا تمام عقول کی فطرتوں سے بعید ہے
العقول وقد نص الله تعالى على	اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس کے قبیح ہونے
قبحه حيث قال ام حسب الذين	پر نص صریح قائم کی جس مقام پر فرمایا کہ
اجترحوا السيئات ان نجعلهم كالذين	کیا فساق نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم ان کو
امنوا وعملوا الصالحات سواء	صالحین کے برابر کریں گے کہ انکی زندگی اور
محياهم ومماتهم ساء ما يحكمون فجعله	موت برابر ہو جائے اور یہ قبیح حکم ہے پس
سيئا مسايره ص۲۰۳	اس آیت میں اللہ نے اس برابری کو قبیح فرمایا ہے

محقق ابن ہمام کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ احناف کے نزدیک تعذیب صالحین محال بالذات ہے بلکہ سرفراز صاحب کا کلام احناف پر حجت نہیں ہے۔ ثانیاً علی التنزل ہم اشاعرہ اور شوافع کے مذہب پر جواب دیتے ہیں کہ تعذیب صالحین ممکن ماننے سے کذب کا امکان لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ان کے نزدیک بھی تعذیب صالحین کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے صرف نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو بندوں کا استحقاق ثواب ثابت نہیں ہوتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ثواب کا وعدہ نہ فرمایا ہوتا تو اگر وہ سارے جہان کو بھی عذاب دیتا تو مالک تھا۔ اور یہ اس کا ظلم نہ ہوتا۔ لیکن اب جبکہ اس نے اپنے فضل سے وعدہ فرما لیا تو جن سے اس نے وعدہ فرمایا ان سے لازماً وعدہ پورا فرمائیگا۔ اور تخلف محال ہے۔ لیکن یہ وجوب وعدہ کی جہت سے ہے نہ استحقاق عباد کی جہت سے۔ اور یہی اہل سنت اور معتزلہ کا مابہ الامتیاز ہے کہ وہ وجوب ثواب بندے کے عمل کی وجہ سے سمجھتے ہیں اور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے اوپر مطیع کے ثواب کو لازم کر لیا پس

جب اس نے وعدہ فرما لیا ہے تو اس میں تخلف کو راہ نہیں، حتیٰ کہ کذب قبیح لازم آئے ثالثاً یہ کہ ان حدیثوں اور اس قسم کے اقوال کا مفاد یہ ہے۔ کہ مغفرت کفار اور عذاب انبیاء ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔ اور جو غیر اس کو ممتنع کر رہا ہے وہ اللہ تعالے کا کذب ہے جو کہ محال بالذات ہے۔ اور اس کی مفصل تقریر ہم اُوپر کر چکے ہیں۔ رابعاً یہ کہ جن احادیث کا مفاد یہ ہے کہ صالحین کی تعذیب پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور تعذیب صالحین ممکن ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ آیات وعد سے قطع نظر انکی تعذیب ممکن ہے یعنی لا بشرط شئی کے مرتبے میں تعذیب صالحین ممکن ہے اور آیاتِ وعد کا لحاظ کرنے کے بعد بشرط شئی کے مرتبہ میں تعذیب صالحین محال ہے۔ خلاصۃ المرام یہ کہ تعذیب صالحین ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔ اور جو غیر اس کے امتناع کا سبب ہے وہ کذب واجب ہے۔ جو کہ ممتنع بالذات ہے۔

سرفراز صاحب کا ساتواں آٹھواں (اور) نانواں مغالطہ

سرفراز صاحب نے ساتویں، آٹھویں اور نویں دلیلیں جو امکان کذب پر قائم کی ہیں ان سب کا مضمون واحد ہے جن میں انہوں نے امام نووی۔ تاج الدین سبکی اور امام رازی کے اقوال پیش کئے ہیں کہ اہلسنت کے نزدیک طاعت پر ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عاصی کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے نہ اس پر ثواب واجب ہے اور نہ عذاب واجب ہے۔

جواب - یہ ٹھیک ہے کہ ثواب نہ فی نفسہٖ واجب ہے نہ بندہ کے عمل سے واجب ہوتا ہے۔ اور وہ محض اللہ تعالے کے فضل سے ملتا ہے۔ لیکن اس میں ہمارا کلام نہیں گفتگو اس میں ہے کہ جب اللہ تعالے نے اپنے فضل سے ثواب کا وعدہ فرما لیا تو اب ثواب واجب ہے یا نہیں۔ اور ہم پہلے دلائل سے ثابت

کر چکے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تو ثواب واجب ہے اور تخلف محال ہے۔

دسواں مغالطہ سرفراز صاحب تنقید متین ص۱۸۲ پر امکان کذب کی دسویں دلیل میں لکھتے ہیں ـــــ کتب عقائد میں بھی اس مسئلہ پر خاصی بحث موجود ہے اور امکان کے لفظ سے بحث اور اس کا داخل تحت القدرت باری تعالیٰ ہونا اہلسنت کا مسلک اور اس پر قدرت نہ ہونا معتزلہ کا مسلک ذیل کی کتابوں میں اسی طرح ہے المسائرہ مع المسامرہ جلد۲ ص۶۵ طبع مصر و شرح مواقف ص۶۰۹ طبع نولکشور وغیرہ

الجواب: مسائرہ جلد۲ ص۶۵ پر ایسی کوئی عبارت نہیں۔ بلکہ مسائرہ کے سرے سے جلد اول و دوم پر منقسم ہی نہیں سرفراز صاحب کو ابن ہمام کی عبارت پیش کرنی چاہیے تھی بحوالہ فاضل پر توبرس پڑے کہ انہوں نے مجمل حوالہ پیش کیا ہے، آپ نے تو مجمل حوالہ بھی پیش نہیں کیا بہرحال آپ کی طرح ہم آپ کی تقریر کے اس کا حساب کئے دیتے ہیں۔ اب ہم ناظرین کے سامنے پہلے مسائرہ سے محقق ابن ہمام کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ جس پر مولوی سرفراز صاحب نے اپنے مسلک کی عبارت قائم کی ہے۔ ملاحظہ ہو ابن ہمام فرماتے ہیں۔ ثم قال ای صاحب العمدة لا یوصف تعالیٰ القدرة علی الظلم والسفه والکذب لان المحال لا یدخل تحت القدرة وعند المعتزلة یقدر ولا یفعل اھ ولا شك فی ان سلب القدرة عما ذکر هو مذهب المعتزلة ثم الامتناع عن متعلقها مذهب الاشاعرة الیق مسائرہ مع شرح مسامرہ ص۲۹

علامہ نسفی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کذب جہل اور ظلم پر قادر ہونے سے موصوف نہیں ہوتا کیونکہ محال اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل نہیں ہے اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ محال پر قادر ہے اور کرتا نہیں اس پر ابن ہمام نے کہا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مذکورہ امور پر قدرت نہ ماننا معتزلہ کا مذہب ہے اور ان امور پر قدرت کے باوجود انہیں نہ کرنا یہ اشاعرہ کے مسلک کے مناسب ہے۔

یہی ہے وہ عبارت جس کے پیش نظر مولوی سرفراز صاحب نے یہ مفروضہ قائم کر لیا کہ محقق کمال ابن ہمام نے اس پر تصریح کی ہے کہ امکان کذب اہلسنت اور امتناع کذب معتزلہ کا مسلک ہے گمراہی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے کسی عبارت کا مفہوم متعین کر لیا جائے محقق ابن ہمام نے اس عبارت میں علامہ نسفی پر جرح کی ہے۔ اپنا یا اہلسنت کا مسلک بیان نہیں کیا کتاب کے خاتمہ میں انہوں نے اہلسنت کا مسلک بیان فرمایا ہے چنانچہ مسائرہ مع شرح مسامرہ ص۲۹۰ پر فرماتے ہیں کہ والختتم الکتاب بایضاح عقیدة اهل السنة والجماعة (اب ہم کتاب کو اہل سنت کے عقائد

بیان کرنے کے بعد ختم کرتے ہیں، پھر ص۲۹۳ پر مسلک اہلسنت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

یستحیل علیہ سمات النقص کالجھل والکذب

اللہ تعالیٰ پر صفات نقص محال ہیں جیسے جہل اور کذب

اب ناظرین نے ملاحظہ فرما لیا ہوگا کہ اہلسنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کذب ممتنع بالذات ہے اور یہی ابن ہمام کا مسلک ہے اور ص۲۰۹ پر محقق ابن ہمام نے جو کلام کیا ہے اسکی حقیقت علامہ نسفی پر جرح کے سوا اور کچھ نہیں جس کی توضیح ہم ابھی ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔

محقق ابن ہمام نے علامہ نسفی پر دو اعتراض کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ علامہ نسفی نے امکانِ کذب کو معتزلہ کی طرف منسوب کیا حالانکہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب ممتنع بالذات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر معتزلہ کا مذہب امتناعِ کذب ہی ہے، جیسا کہ محقق ابن ہمام نے فرمایا ہے۔ لیکن بعض معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ کذب اور ظلم اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے۔ لیکن ان کا ارتکاب نہیں کرتا۔ ملاحظہ فرمائیے صاحب مواقف نے بعض معتزلہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وذھب المعتزلہ قال اللہ تعالیٰ حق ان یکذب ویظلم قادرا (شرح مواقف ص۶۰۷)

ذہب معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے اور ظلم پر قادر ہے،

اور امام رازی تفسیر کبیر میں ان اللہ لیس بظلام للعبید کے تحت فرماتے ہیں

قالت المعتزلہ ھذہ الآیۃ تدل علی مطالب الثالث انہ سبحانہ تمدح بانہ لا یفعل الظلم فوجب ان یکون قادرا علیہ خلاف ما یقولہ النظام وان یصح ذلک منہ خلاف ما یقولہ اھل السنت (تفسیر کبیر ص۱۳۷ جلد ۲۶۔

معتزلہ نے کہا کہ یہ آیت کئی مطالب پر دلالت کرتی ہے از انجملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عدم ظلم سے مدح فرمائی پس واجب ہوا کہ اسے ظلم پر قدرت ہو بخلاف مذہب نظام کے اور واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ظلم ممکن ہو بخلاف مذہب اہلسنت کے۔

منقولہ بالا دو حوالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بعض معتزلہ اللہ تعالیٰ کیلئے کذب اور ظلم پہ قدرت کے قائل تھے اور نسفی نے جن معتزلہ کا مذہب بیان فرمایا ہے وہ یہی معتزلہ ہیں اور اس بیان کی صحت میں کچھ شک نہیں۔ لیکن اکثر معتزلہ کا مذہب چونکہ اسکے خلاف تھا اسلئے محقق ابن ہمام نے علامہ نسفی پر اعتراض کیا کہ مطلقاً معتزلہ کی طرف قدرت علی الظلم

والکذب کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔

علامہ نسفی کی عبارت پر دوسرا اعتراض محقق ابن ہمام نے یہ کیا کہ قدرت علی الکذب والظلم اشاعرہ کے مذہب کے زیادہ مناسب ہے اور اسی عبارت سے سرفراز صاحب نے یہ دھوکا کیا ہے کہ اشاعرہ اہلسنت کا مسلک اس باب میں قدرت علی الکذب ہے لیکن اہل فہم حضرات پر مخفی نہیں کہ محقق ابن ہمام نے یہ جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اشاعرہ کے بارے میں انکی رائے اور اجتہاد ہے نہ یہ کہ انہوں نے اشاعرہ کا مذہب نقل کیا ہے۔ دیکھئے علامہ ابی شریف اشعری مسامرہ شرح مسائرہ ص۱۴۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔

لا خلاف بین الاشعریۃ وغیرہم فی ان کل ما کان وصف نقص فی حق العباد فالباری تعالیٰ منزہ عنہ وھو محال علیہ تعالیٰ والکذب وصف نقص فی حق العباد وھو مستحیل فی حقہ عز وجل (ملخصا)

اشعریہ اور ان کے غیر کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہر وہ وصف جو بندوں کے حق میں نقص ہو، وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے، اور کذب وصف نقص ہے پس وہ اللہ عز وجل کے حق میں محال ہے۔

اس عبارت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اشاعرہ اہلسنت قدرت علی الکذب کے نہیں بلکہ استحالہ کذب کے قائل ہیں اور محقق ابن ہمام نے اشاعرہ کی طرف قدرت علی الکذب کو اسلئے منسوب کیا ہے کہ اشاعرہ تعذیب مطیع کامل کو ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر قرار دیتے ہیں پس اس وجہ سے محقق ابن ہمام نے قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ اشاعرہ کے نزدیک کذب بھی ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہونا چاہئے حالانکہ قیاس کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ تعذیب مطیع جس غیر کی وجہ سے ممتنع ہے وہ کذب باری ہے پس کذب باری ممتنع بالذات ہوا۔ اور تعذیب مطیع ممتنع بالغیر۔ ثانیا یہ کہ بعض اشاعرہ نے حسن و قبح عقلی میں محل نزاع سے غفلت کی بنا پر کہا کہ استحالہ کذب صرف رائے معتزلہ پر تام ہے، ابن ہمام اسکا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حتی قال بعضہم ونعوذ باللہ مما قال لا یتم استحالۃ النقص علیہ الا علی رای المعتزلۃ القائلین بالقبح العقلی وقال امام الحرمین لا یمکن التمسک فی تنزیہ الرب جل جلالہ عن الکذب بکونہ نقصا وکل ھذا منہم للغفلۃ عن محل النزاع (مسائرہ مع مسامرہ ص۲۰۵)

یہاں تک کہ بعض اشاعرہ نے کہا (اور ہم ان کے قول سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں) کہ استحالہ نقص صرف رائے معتزلہ پر تام ہوتا ہے جو قبح عقلی کے قائل ہیں اور امام الحرمین نے کہا اللہ عز وجل کی تنزیہ عن الکذب پر نقص عقلی سے استدلال نہیں ہو سکتا اور یہ تمام اقوال محل نزاع سے غفلت پر مبنی ہیں۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ محقق ابن ہمام کے نزدیک اکثر اور محققین اشاعرہ کا یہی مسلک ہے کہ

کذب محال عقلی ہے۔ البتہ بعض اشاعرہ نے محل نزاع سے غفلت کی بنا پر یہ کہا کہ استحالہ کذب نقص عقلی پر مبنی ہے اور وہ معتزلہ کا مسلک ہے۔ اسی سے محقق کمال ابن ہمام نے یہ استنباط کیا کہ بعض اشاعرہ قدرت الٰہی علی الکذب کے قائل ہیں اور ہمارے نزدیک یہ استنباط صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان بعض اشاعرہ نے استحالہ کذب کی دلیل یعنی نقص عقلی کا انکار کیا اور اہل فہم پر مخفی نہیں کہ دلیل کے انکار سے مدلول انکار نہیں ہوتا

فائدہ۔ حسن عقلی اور قبح عقلی کے تین معنی ہیں (۱) حسن عقلی بمعنی صفت کمال جیسے صدق قبح عقلی بمعنی صفت نقصان جیسے کذب (۲) حسن عقلی بمعنی مناسب غرض فاعل قبح عقلی بمعنی منافی غرض فاعل حسن اور قبح کا ان دو معنوں میں ماتریدیہ اشاعرہ معتزلہ سب متفق ہیں کہ ان معنوں میں حسن اور قبح کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ کذب کا قبیح عقلی ہونا ماتریدیہ اشاعرہ معتزلہ سب کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے (۳) حسن بمعنی استحقاق المدح فی الدنیا والثواب فی الآخرہ قبح بمعنی استحقاق الذم فی الدنیا والعقاب فی الآخرہ۔ یہ تیسرا معنی مختلف فیہ ہے اشاعرہ کے نزدیک اس معنی میں حسن و قبح شرعی ہے یعنی عقل حسن و قبح کے اس معنی کے ادراک کرنے میں مستقل نہیں ہے۔ اور ماتریدیہ اور معتزلہ کے نزدیک اس معنی میں بھی بعض افعال کا حسن و قبح عقلی ہے۔ یعنی عقل ان کے حسن و قبح کا ادراک کرنے میں مستقل ہے۔ جیسے حسن ایمان اور قبح کفر دیکھئے مسائرہ مع مسامرہ ص ۱۷۱ شرح مواقف ص ۲۳ فواتح الرحموت ص ۱۳ اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان حسن و قبح کا مابہ النزاع تیسرا معنی ہے نہ کہ پہلا معنی لیکن بعض اشاعرہ نے محل نزاع سے غفلت کی بنا پر یہ سمجھا کہ قبح کا پہلا معنی قبح بمعنی صفت نقصان۔ اس کا عقلی ہونا معتزلہ پر ہے۔ لہٰذا کذب کا استحالہ اس پر مبنی کرنا بھی معتزلہ پر ہے لیکن یہ نہ سمجھا کہ قبح بمعنی صفت نقصان کا عقلی ہونا مذہب اشاعرہ پر بھی ہے پس قبح عقلی کو استحالہ کذب کا مبنی قرار دینا ایک متفق مسئلہ ہے۔ فللہ الحمد۔

ایک اوسع مغالطہ مبتدعین دیوبند عموماً یہ کہتے ہیں کہ کسی صفت کا سلب اس وقت کمال ہوتا ہے جب اس کا ثبوت ممکن ہو پس جھوٹ نہ بولنا اس وقت کمال ہوگا جب اس کا ثبوت ممکن ہو اور اللہ تعالیٰ تو جامع صفات کمالیہ ہے۔ پس اس کا کذب ممکن ہو گیا۔ اس کے جواب میں اولاً گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت صدق ہے (ومن اصدق من اللہ قیلا) عدم کذب اس کی صفت نہیں۔ حتیٰ کہ یہ رکیک اعتراض لازم آئے۔ البتہ عدم کذب صدق کو لازم ہے اور آپ نے قاعدہ صفت کا بیان کیا ہے۔ لازم صفت کا نہیں۔ ثانیاً اس

قاعدہ کی بنا پر لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ کی ہلاکت اور اس کا معدوم ہونا بھی ممکن اور مقدور ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو عدم ہلاکت سے موصوف کیا ہے۔ کل شیئ ھالک الا وجھہ اور آپ کے بیان کردہ قاعدہ کی بنا پر عدم ہلاکت کمال تب ہوگی جب ہلاکت ممکن اور مقدور ہو اور جب اللہ تعالیٰ کی ہلاکت ممکن ہوتی تو اس کا وجود ممکن ہوگیا۔ اور جس کا وجود ممکن ہو وہ آپ کا خدا ہوگا مسلمانوں کا نہیں ہے۔ ثالثاً کسی وصف کو باوجود مقدور ہونے کے ذکر نا کمال اس کے لئے ہوتا ہے جس کے لئے وہ وصف ممکن ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے چونکہ کذب ممکن ہی نہیں۔ کما ثبت بالبراہین القاطعۃ۔ اس لئے یہ قاعدہ جاری نہیں ہوگا۔

دیکھئے علامہ قاسم بن قطلوبغا شرح مسائرہ میں اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

قلنا من یجوز منہ وقوع تلک الامور فامتناعہ مع القدرۃ ابلغ لکن الباری لا یجوز منہ الوقوع فلا یجوز وصفہ بالقدرۃ علیہ (شرح المسائرہ مع المسائرہ ص۲۱۰)	میں کہتا ہوں کہ جس کے کذب ظلم اور جہل کا وقوع جائز ہو اس کے لئے ان امور کو باوجود قدرت کے ذکر نا زیادہ کمال کا موجب ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے تو یہ امور ممکن ہی نہیں پس اللہ تعالیٰ کو ان امور پر قادر ہونے سے موصوف کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

شرح مواقف کی عبارت

سرفراز صاحب نے شرح مواقف ص۶۰۹ کا حوالہ تو دیدیا لیکن اس کی بھی عبارت پیش نہیں کی۔ بہر حال ہم ان کی طرف سے عبارت پیش کر کے انکا حساب بیباق کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ میر سید شریف شرح مواقف ص۶۰۹ پر اس بحث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ "معتزلہ کے نزدیک عصاۃ کو عقاب دینا واجب ہے

ورنہ کذب لازم آئے گا۔ اہلسنت نے جواباً کہا کہ غایۃ الامر یہ ہے کہ عقاب کا عدم وقوع ہوا ورد وقوع عقاب بلا وجوب سے کذب اور خلف لازم نہیں آتا۔ اس پر میر شریف نے اعتراض کیا کہ اگر عقاب واجب نہ ہو تو یہ بھی جائز ہوگا کہ عقاب واقع نہ ہو اور عدم وقوع عقاب کا امکان خلف اور کذب کے امکان کو مستلزم ہے اور کذب وخلف محال ہے پس اس کے جواب میں میر شریف نے کہا۔

استحالته ممنوعة كيف وهما من الممكنات التي يشملها قدرته تعالى۔

کذب کا محال ہونا ممنوع ہے کیونکہ کذب اور خلف ان ممکنات میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالی کی قدرت شامل ہے۔

الجواب۔ اولاً گزارش یہ ہے کہ میر سید شریف کی یہ عبارت محل تاویل ہے اور اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے مردود ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین دوانی نے شرح عقائد جلالی میں اسکو رد کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

واعترض عليه الشريف العلامة بانه حينئذ يلزم جواز هما وهو محال لان امكان المحال محال واجاب عنه بان استحالتهما ممنوع كيف وهما من الممكنات التي يشملها قدرته تعالى قلت الكذب نقص والنقص عليه محال فلا يكون من الممكنات ولا يشملها القدرة وهذا كما لا يشمله القدرة سائر وجوه النقص عليه تعالى كالجهل والعجز ونفي صفة الكلام وغيرها (شرح عقائد جلالی ج ۲ ص ۱۳۳)

علامہ شریف نے اعتراض کیا کہ عدم وجوب عقاب اور امکان عفو کی تقدیر پر کذب کا امکان لازم آئیگا اور وہ محال ہے۔ پھر خود جواب دیا کہ کذب کا استحالہ ممنوع ہے کیونکہ کذب ہے خلف ان ممکنات میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالے کی قدرت شامل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالی پر محال ہے پس ذتو یہ ممکن ہے نہ اللہ تعالی کی قدرت کے تحت داخل ہے جس طرح باقی وجوہ نقص کو اللہ تعالی کی قدرت شامل نہیں ہے۔

بہر کیف اپنے ظاہری محمل کے اعتبار سے سید شریف جرجانی کی یہ عبارت مردود ہے۔ علامہ جلال الدین دوانی کے علاوہ اور علماء و شارحین نے بھی اس کو رد کیا ہے۔ طوالت کی وجہ سے ہم نے اسی قدر پر اکتفا کیا ہے۔ ثانیاً یہی سید شریف جرجانی شرح مواقف ص ٣٣٣ پر لکھتے ہیں۔ "انبیاء کرام کا صدق واجب ہے"

نوٹ: شریف جرجانی کی عبارت کو ہم نے قوسین میں ذکر کیا ہے باقی صاحب مواقف کی عبارت ہے)۔

اجمع (اهل الملل) والشرائع (وکلها) علی وجوب عصمتهم عن تعمد الکذب فیما دلت المعجزة (القاطع علی صدقهم فیه) کدعوى الرسالة وما یبلغونه من الله (الی الخلائق اذلو جاز علیهم التقول والافتراء فی ذلك عقلاً لادی الی ابطال المعجزة وهو محال۔	تمام ادیان اور شرائع کا اس امر پر اجماع ہے کہ انبیاء کی امور تبلیغیہ میں تعمد کذب سے عصمت واجب ہے کیونکہ اگر امور تبلیغیہ میں ان پر افترا اور کذب عقلاً جائز ہو تو دلالت معجزہ باطل ہو جائے گی اور یہ محال ہے۔

اگر میر سید شریف کی ان دونوں عبارتوں کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو ان کا مفاد یہ ہوگا۔ کہ انبیاء علیہم السلام کا کذب ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا صدق واجب اللہ تعالیٰ کا صدق ممکن ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن اصدق من اللہ قیلا (اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی سچا نہیں ہے) اور واضح ہے کہ کوئی ہوشمند بھی اس منطق کو قبول نہیں کریگا۔ ثالثاً سید شریف جرجانی نے اپنی اس عبارت میں تصریح قائم کی ہے کہ امور تبلیغیہ میں انبیاء علیہم السلام کا کذب ممتنع بالذات ہے۔

اور امور تبلیغیہ میں انبیاء علیہم السلام جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کا کلام نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے۔ پس امور تبلیغیہ میں کذب کا ممتنع بالذات ہونا بعینہ اللہ تعالیٰ کے کذب کا ممتنع بالذات ہونا ہے پس سید شریف جرجانی کا یہ کلام اس مفہوم میں صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے اور ص۴۰۹ پر جو سید شریف نے کلام ذکر کیا ہے۔ اگر اس کا مفہوم ظاہری لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہے تو ان کے کلام میں صریح تناقض موجود ہے اور کلام متناقض سے استدلال کرنا باطل ہے رابعاً جب یہ ثابت ہو گیا کہ سید شریف جرجانی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب ممتنع بالذات ہے تو پھر ان کے ص۴۰۹ کے کلام میں توجیہہ کی جائیگی اور وہ یہ ہے۔ کہ اس کذب اور خلف سے ظاہری اور صوری طور پر کذب اور خلف مراد ہے۔ جیساکہ حدیث شریف میں حضرت ابراہیم کی طرف ظاہری اور صوری طور پر کذب کی نسبت کی گئی۔ اور حقیقت میں وہ کذب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ عصاۃ کو معاف فرمائے تو یہ ظاہری اور صوری کذب ہے۔ حقیقت میں یہ خلف اور کذب نہیں ہے۔ کیونکہ آیات وعید مشیت یا عدم عفو وغیرہ کے ساتھ مقید ہیں کما مر۔ تفصیلاً۔ خامساً اگر یہاں خلف اور کذب سے ظاہری اور صوری کذب مراد نہ لیا جائے۔ بلکہ حقیقت کذب کا ارادہ کیا جائے۔ تو میر سید شریف جرجانی کے نزدیک کذب کا فقط امکان ہی نہیں بلکہ فعلیت اور وقوع کذب ثابت ہو جائیگا۔ کیونکہ خلف اور کذب عفو سے لازم آرہا ہے اور عفو یقیناً واقع ہو گا پس لازم آئے گا کہ کذب بھی یقیناً واقع ہو۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔ سادساً خلف اور کذب سے مراد یہاں حکائیت کا مرتبہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا محکی عنہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا عصاۃ کو واقع میں بخش دینا اور یہ بلاشبہ مقدور ہے بلکہ یقیناً واقع ہو گا اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ کلام اور گفتگو عصاۃ کی مغفرت اور عدم مغفرت میں ہے اور مغفرت

اور عدم مغفرت در جہ محکی عنہ میں ہے۔ نہ کہ حکایت میں اور صدق اور کذب حکایت کی صفت ہے نہ کہ محکی عنہ کی رہا یہ وہم کہ عصاۃ کی مغفرت سے کذب لازم آئیگا۔ تو اس کا جواب کئی مرتبہ واضح ہو چکا ہے۔ کہ چونکہ آیات وعید عدم عفو سے مقید ہیں۔ اسلئے کذب کی راہ نہیں۔ سابعاً یہ کہ یہ کلام مزعوم معتزلہ پر ہے۔ کیونکہ معتزلہ کا زعم یہ ہے کہ عصاۃ کی مغفرت سے کذب لازم آتا ہے اور اہلسنت کے نزدیک یہ کذب ہے ہی نہیں۔ کیونکہ یہ آیات وعید عدم عفو سے مقید ہیں۔ خلاصہ یہ کہ عفو عصاۃ معتزلہ کے زعم پر کذب ہے تو علامہ شریف کے کلام کا حاصل یہ ہے۔ جو معتزلہ کا مذعوم کذب ہے (یعنی عفو عصاۃ) وہ ممکن ہے نہ کہ فی نفسہٖ کذب باری ممکن ہے۔ کیونکہ اسی شرح مواقف میں علامہ شریف نے متعدد مقامات پر استحالہ کذب کی تصریح کی ہے۔ ثامناً یہ کہ شرح مواقف میں ص۶۴۹ پر فرق ضالہ کے مذہب کے بیان میں کہا ہے (والراہب المعتزلہ) قال اللہ تعالیٰ قادر علی ان یکذب ویظلم (ولو فعل لکان الٰہاً کاذباً ظالماً تعالیٰ عنہ علواً کبیراً) راہب معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور کذب پر قادر ہے میر سید شریف ان کے رد میں فرماتے ہیں اور اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جھوٹا اور ظالم خدا ہوتا۔ تعالی اللہ عن ذالك شرح مواقف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہے پس سید شریف نے معتزلہ پر حجت قائم کرنے کیلئے ان بعض معتزلہ کے مذہب پر کہا کہ کذب ممکن ہے یعنی اگر عفو سے امکان کذب لازم آتا ہے تو معتزلہ کے مذہب پر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک کذب ممکن ہے۔ نہ یہ کہ فی نفسہٖ کذب باری ممکن ہے۔ تاسعاً یہ کہ مذکورہ عبارت میں میر سید شریف نے قدرت علی الکذب پر رد کیا ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ میر خود بھی قدرت علی الکذب کے قائل ہیں تو انکا

یہ رد خود اپنے اوپر وارد ہوگا وھو ھذا الا نتہائت عاشراً یہ کہ شرح مواقف ص۶۶۳ پر فرقہ ناجیہ کے مذہب کے بیان میں ہے۔

ولا یصح علیہ الحرکۃ ولا الانتقال	اللہ تعالیٰ پر نہ حرکت جائز ہے نہ انتقال
ولا الجہل ولا الکذب ولا شئی من	نہ جہل نہ کذب اور نہ کوئی اور صفت
صفات النقص خلافاً لمن جوزھا	نقصان بخلاف اس شخص کے جو انہیں
علیہ کما تقدم	اللہ تعالیٰ پر جائز رکھتا ہے۔

شرح مواقف کی اس عبارت میں کذب باری کی صحت اور جواز کی صراحتاً نفی کی ہے۔ اور اس کو فرقہ ناجیہ کا مسلک قرار دیا ہے اور اس کے خلاف کو غیر ناجیہ کا مسلک ٹھیرایا ہے پس ثابت ہوگیا کہ میر سید شریف کے نزدیک کذب باری کے امکان کا عقیدہ ضلالت ہے اور نجات امتناع کذب باری کے عقیدہ میں ہے۔ فلہذا ان کی سابقہ عبارت کا محمل اس کے سوا کچھ نہیں۔ جیسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ حادی عشر۔ سرفراز صاحب نے تنقید متین ص۱۸۲ پر یہ دعویٰ کیا تھا کہ شرح مواقف ص۶۰۹ پر یہ تصریح موجود ہے کہ امکان کذب اہلسنت کا اور امتناع کذب معتزلہ کا مسلک ہے۔ ہم نے ناظرین کی عدالت میں شرح مواقف ص۶۰۹ کی عبارت پیش کردی اور آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا کہ اس عبارت میں اس تصریح کا نام ونشان تک موجود نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ہم نے شرح مواقف ص۴۲۹ کی عبارت پیش کی ہے۔ جس میں تصریح موجود ہے کہ امکان کذب بعض معتزلہ کا مسلک ہے اور ص۶۶۳ سے عبارت پیش کی ہے جس میں تصریح ہے کہ فرقہ ناجیہ کا مسلک امتناع کذب ہے۔ وللہ الحمد علیٰ ذٰلک۔ کاش مبتدعین دیوبند کی آنکھیں کھل جائیں اور انہیں ہوش آجائے۔ ویسے سرفراز صاحب کی بلاغت قابل داد ہے کہ انہوں نے کذب باری کا امکان ثابت کرنے کیلئے کاذب حوالہ فراہم کیا اور جھوٹ کو جھوٹ سے ثابت کرنے کا فن ایجاد کردیا۔ ثانی عشر میر سید شریف

نے یہاں اصول معتزلہ پر کلام کرکے انہیں جواب دیا ہے جواب سے قبل معتزلہ کے مذہب کا بیان کرنا ضروری ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ معتزلہ اور اہل سنت دونوں کا اس میں اتفاق ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک کلام دو قسم پر ہے۔ کلام نفسی اور کلام لفظی اور یہ دو اللہ تعالےٰ کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور دونوں صفات قدیم اور غیر مخلوق ہیں اور معتزلہ کلام نفسی کے سرے سے منکر ہیں اور کلام لفظی کو اللہ تعالےٰ کی صفت کو مانتے ہیں۔ لیکن اسکی ذات کے ساتھ قائم نہیں مانتے اور ان کے نزدیک اللہ تعالےٰ کے متکلم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کلام لفظی کو مثلاً انسان کی زبان پر پیدا فرماتا ہے۔ یعنی معتزلہ کے نزدیک کلام اللہ تعالےٰ کی صفت حقیقی نہیں بلکہ اس کا ایجاد صفت فعلی ہے پس اب سید شریف اصول معتزلہ پر کہتے ہیں کہ تم نے عصاۃ کا عقاب اسلئے واجب کیا تھا۔ کہ عفو ماننے سے امکان کذب لازم آتا ہے اور کذب محال ہے لیکن تمہارے اصول پر تو کذب محال نہیں رہتا۔ کیونکہ کلام نفسی کے تو تم منکر ہو اب خلف یا کذب تمہارے نزدیک فقط کلام لفظی میں ہوگا اور کلام لفظی کا کذب تمہارے اصول کے لحاظ سے محال نہیں ہے کیونکہ کلام لفظی تمہارے نزدیک صفت بایں معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مثلاً انسان میں پیدا کرتا ہے تو کلام لفظی کاذب کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کاذب کو انسان کی زبان پر پیدا فرماتا ہے اور یہ پیدا کرنا محال بالذات نہیں ہے۔ کیونکہ جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کے کلام کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ اگر کلام کاذب کا پیدا کرنا محال ہوتا تو پھر کسی آدمی سے کذب کا صدور ممکن نہ ہوتا۔

بحمد اللہ العزیز ہم نے مولوی سرفراز صاحب کے پیش کردہ مجمل حوالہ پر

سیر حاصل بحث پیش کر دی ہے اور شرح مواقف کی عبارت سے مکذبین کو جو دعو کا لاحق ہوتا ہے۔ اسکو بارہ وجہ سے زائل کر دیا ہے مولا عزوجل قبول فرمائے۔ اور گم کردہ راہ لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

فتوح العقائد اور شیخ سرہندی کی عبارات

اسی بحث میں سرفراز صاحب نے فتوح العقائد اور شیخ سرہندی کی عبارات بھی پیش کی ہیں چنانچہ تنقید متین ص۱۱۲ پر لکھتے ہیں۔ اور فتوح العقائد ص۳۱ میں ہے۔

"واما وعید کافر پس خلاف آں جائز است از جہت آنکہ خلاف محض فضل وکرم وصوفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نیز بر ہمیں اعتقاد مستند" انتہٰی

الجواب۔ آیات وعید کفار سے قطع نظر کرکے لابشرط شئی کے مرتبہ میں بیشک کفار کے لئے عفو جائز ہے اور اسی لحاظ سے محکی عنہ کے مرتبہ میں ان پر فضل وکرم بھی بلاشبہ جائز ہے۔ لیکن اس مرتبہ میں خلف کذب کو مستلزم نہیں ہے اور بشرط شئی کے مرتبہ میں خلف کذب کو مستلزم ہے اور اس مرتبہ میں خلف کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔

مزید تفصیل ہمارے سابقہ جوابات کی روشنی میں ادنیٰ تدبر سے حاصل ہو سکتی ہے۔ فافہم۔ سرفراز صاحب پھر شیخ سرہندی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اپنے فاروقی جلال میں آکر نیک لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

"واگر ہمہ را بدوزخ فرستاد وعذاب ابدی فرماید جائے اعتراض نیست"

(مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول ص۱۲۰)

الجواب۔ شیخ سرہندی کا کلام حق ہے لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ وہ اس

کلام سے اللہ تعالیٰ کی شان استغناء اور عظمت بیان کر رہے ہیں۔ اور آپ اسی کلام سے اللہ تعالےٰ کیلئے کذب قبیح ثابت کر رہے ہیں شیخ کی روح بھی اس نکتہ آفرینی پر تڑپ گئی ہوگی۔ بہرحال نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی ہمارے نزدیک اس عبارت کا وہی محمل ہے جو ہم مراراً کثیراً بیان کر چکے ہیں کہ (۱) وعدہ سے صرف نظر کر کے دیکھا جائے تو اللہ تعالےٰ مالک ہے کہ وہ اپنے ملک میں جیسا چاہے تصرف کرے۔ خواہ تمام صالحین کو جہنم میں ڈال دے۔ کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ یعنی لابشرط شی کے مرتبہ میں۔ اور یہ مرتبہ کذب کو مستلزم نہیں ہے (۲) اگر اللہ تعالےٰ نے صالحین سے وعدہ ثواب نہ فرمایا ہوتا تو یہ بھی جائز تھا کہ سب کو عذاب دیدیتا اور یہ مرتبہ بھی کذب کو مستلزم نہیں ہے (۳) تعذیب صالحین ممکن بالذات ہے اور ممتنع بالغیر ہے۔ اور جس غیر کی وجہ سے یہ ممتنع ہے۔ وہ کذب باری ہے پس کذب باری محال بالذات ہے ۔ مزید تفصیل کیلئے سابقہ جوابات کا مطالعہ فرمائیں۔

سرفراز صاحب کا گیارہواں شبہ

تنقید متین ص۱۸۲ پر لکھتے ہیں کہ شیخ محقق عبدالحق دہلوی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ۔

"نعم اختلاف درآں است کہ آیا جائز است عقلاً یا نہ؟ معتزلہ برآنند کہ جائز نیست زیرا کہ آں موجب بتعمد و تنفیر است و نزد اصحاب ما کہ گروہ اہل سنت والجماعت اند ایں ہم جائز است کہ حق تعالیٰ یکے را از جادہ ضلالت آوردہ ہدایت ساند مرتبہ نبوت رساند ولیکن دلیل بر آنست کہ ایں جائز بوقوع نیا وردہ۔"

(مدارج النبوت ص)

خدا معلوم اس عبارت سے امکان کذب کیسے لازم آگیا۔ اس عبارت

کا مفاد تو صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو کسی کو چاہ ضلالت سے نکال کر مرتبہ نبوت تک پہنچا دے۔ بسر و چشم۔ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کا کذب کیونکر لازم آگیا۔ (اور اگر فرض کیجئے قرآن کریم کی کسی آیت سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح نہیں کریگا تو اس کا وہی جواب ہے جو ہم بار ہا دے چکے ہیں کہ یہ قدرت لابشرط شی کے مرتبہ میں ہے اور وہ کذب کو مستلزم نہیں ہے۔)

بارہواں اور تیرہواں مغالطہ اس کے بعد بارہویں اور تیرہویں دلیل میں مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی محمود الحسن کے اقوال پیش کئے ہیں ان اقوال کے بارے میں گذارش ہے کہ جہل مرکب کے یہ نسخے ہمارے ہاں مقبول نہیں، جو اپنے ایمان اور آخرت کے بدلے میں انہیں خریدنا چاہتا ہو اس پر پیش کیجئے۔

محمود الحسن صاحب کے کلام پر تنقید تاہم مولوی محمود الحسن صاحب کی عبارت چونکہ سخت توہین آمیز ہے اور اس میں اللہ عزوجل کی ربوبیت پر شدید حملہ کیا گیا ہے۔ اس لئے ہم اس پہ تبصرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ملاحظہ ہو مولوی سرفراز صاحب کے شیخ الہند کا ارشاد ہے۔

"سب جانتے ہیں ذات تعالیٰ شانہ سے افعال قبیحہ کے صدور کی نوبت نہیں آسکتی لیکن افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ کے مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ خرابی ہے تو ان کے صدور میں ہے نفس مقدوریت میں اصلاً کوئی خرابی نہیں آتی۔" (جہد المقل جلد ۱ ص ۴۱ بحوالہ تنقید متین ص ۱۸۴)

مولوی محمود الحسن نے اس شاطرانہ عبارت میں مغالطہ آفرینی کی انتہائی مذموم سعی کی ہے

افعال قبیحہ سے کیا مراد ہے۔ وہ افعال قبیحہ جن سے اللہ تعالیٰ متصف ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا کاذب اور ظالم ہونا یا وہ افعال قبیحہ جن سے مخلوق متصف ہو۔ مثلاً مخلوق کا کاذب اور ظالم ہونا۔ بر تقدیر ثانی افعال قبیحہ کی نہ مقدوریت میں خرابی ہے نہ انکے صدور میں۔ بلکہ اس معنی میں افعال قبیحہ کا صدور واقع ہے۔ اور یہ مانحن فیہ سے قطعاً خارج ہے اور بر تقدیر ثانی یعنی اگر افعال قبیحہ سے اللہ تعالیٰ کا متصف بالقبائح ہونا مراد ہو تو یہ قطعاً باطل اور محال صریح ہے جیسا کہ مسامرہ کی عبارت سے گذر چکا ہے (مسامرہ ص ۲۰۶)

علاوہ ازیں اگر بقول محمود الحسن اتصاف بالقبائح کی نفس مقدوریت پر کوئی خرابی لازم نہیں ہے تو غور فرمایئے خودکشی کرنا اور اپنے آپ کو ختم کر دینا یہ ایک فعل قبیح ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اپنے آپ پر عدم طاری کرنا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ جائز العدم قرار پائیگا۔ اور جو جائز العدم ہو واجب الوجود نہیں ہوتا۔ دیوبند کے سارے بڑے چھوٹے مل کر بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود نہ ہونے سے بڑھ کر بھی کوئی خرابی ہے ؟

اب شمشان بھومی جا کر محمود الحسن صاحب کی آتما کو آوازیں دیجئے اور ان سے پوچھئے۔ آپ تو کہتے تھے کہ فعل قبیح کو مقدور ماننے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دینا بھی ایک فعل قبیح ہے۔ اور اس کے ماننے سے تو اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہیں رہتا۔ آسان لفظوں میں خدا خدا نہیں رہتا اور انتفاء الوہیت سے بڑھ کر کائنات میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

چلتے چلتے شیخ الہند صاحب نے اشاعرہ پر بھی ایک تہمت لگا دی آخر ہند کے شیخ جو ٹھہرے۔ پھر اگر ہندوؤں کی کوئی خصلت نہ ہو تو مشیخت کیسے قائم ہوگی۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

" خلاصہ یہ ہوا کہ قبائح تحت القدرہ داخل ہو کر حکمت و عدل و تقدس

ممتنع الوقوع ہیں۔ یہ ہرگز نہیں کہ امور مذکورہ قدرت ہی سے خارج ہیں۔ ورنہ حضرات اشاعرہ خلاف عدل وحکمت کو کیوں مقدور باری فرماتے جہد المقل ۲۳
ہم گزشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں کہ عاصی کو عذاب دینا اللہ تعالےٰ کا عدل ہے۔ اور اشاعرہ جائز رکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ عاصی کو عذاب نہ دے اور اسکو اللہ تعالیٰ کا کمال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جرم کو معاف کر دینا اور اس پر سزا نہ دینا حاکم کا انتہائی کمال واحسان ہوتا ہے۔ پس غور کیجئے کہ جو چیز اشاعرہ کے نزدیک اللہ تعالےٰ کا کمال واحسان ہے۔ اسی کو یہ عدو الہی بن کر ثابت کر رہے ہیں کہ وہ اشاعرہ کے نزدیک قبیح ہے۔ بہرحال یہ دیوبند کے اکابر کی ایمان داری راست گوئی اور توحید پرستی کی ایک جھلک ہے۔ جو ہم نے پیش کی ہے۔ ورنہ دیوبند جس مسلک سے عبارت ہے وہ سرتاپا اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس وقت ان کا کردار موضوع سخن نہیں ہے۔ یہ تو سرفراز صاحب نے اپنے شیخ الہند کی عبارت کو چونکہ طبع آزمائی کیلئے پیش کیا تھا اس لئے ہم نے بھی کچھ داد پیش کر دی ہے۔ سرفراز صاحب کی جھولی میں جو کچھ تھا۔ وہ انہوں نے پیش کر دیا۔ اور اس کا ہم نے نے پورا پورا محاسبہ کر لیا ہے۔ اس بحث کو ختم کرنے کے بعد سرفراز صاحب نے معتزلہ کے چند گمراہ کن عقائد ذکر کئے ہیں۔ جہانتک ان عقائد کے باطل ہونے کا تعلق ہے وہ سب کے نزدیک مسلم ہے۔ لیکن اس جگہ سرفراز صاحب کا ان کو ذکر کرنا ان کے مجرمانہ عزائم کا غماز ہے۔ بہرحال ہم گذشتہ ابواب میں ذکر کر چکے ہیں۔ اور باحوالہ ثابت کر دیا ہے کہ اصل میں دیوبندی بدعت معتزلہ سے ماخوذ ہے۔ پس آپ جی کھول کر معتزلہ کی خرافات ذکر کیجیے۔ اس سے آپ ہی روشنی میں آتے جائیں گے۔

علم غیب

قرآن کریم میں ہے۔ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی مَلَکٌ۔ اس کا ترجمہ اعلحضرت قدس سرہٗ نے اس طرح فرمایا ہے۔ "تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں"۔

مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی کی اس ترجمہ پر تنقید ملاحظہ فرمائیں

اس میں خان صاحب نے اپنے فاسد عقیدہ کے اثبات کیلئے لفظ آپ ترجمہ میں بزور داخل کیا ہے۔ اعلم واحد متکلم کا صیغہ ہے اور عربی زبان میں یہ صیغہ بھی جہاں پایا جائیگا۔ مثبت میں اس کا معنی ہوگا۔ "میں جانتا ہوں یا جانونگا" اور لا اَعْلَمُ کا معنی ہوگا۔ میں نہیں جانتا یا نہیں جانوں گا" اس میں لفظ آپ اس کے معنی میں کسی طرح شامل نہیں ہے۔ کیونکہ خانصاحب کا یہ بے بنیاد دعوٰی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور علم غیب حاصل تھا اسلئے عطائی کے لفظ میں انہوں نے قرآن کی بیشمار نصوص قطعیہ اور صحیح احادیث کے صریح مضامین سے راہ فرار اختیار کرنے کی خاطر چور دروازہ کھلا چھوڑا ہے اور مولوی نعیم الدین صاحب نے اس چور دروازہ سے یوں فائدہ اٹھایا ہے کہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ نہ میرا دعوٰی ذاتی غیب دانی کا ہے۔ (انتھی کلامہ) تنقید متین ص ۱۹۲)

سرفراز صاحب نے اس تنقید میں ایک یہ دعوٰی کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے علم غیب میں عطائی کی قید لگانا غلط ہے۔ اور اسی طرح علم غیب کی نفی کے موقعہ پر ترجمہ میں لفظ آپ اور ذاتی کا ذکر کرنا غلط ہے۔

دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عطائی غیب مان لینے سے بے شمار نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اب ہم آیات قرآنی کی روشنی میں ان دونوں دعووں کا تجزیہ کر کے انہیں قارئین کی عدالت میں پیش کرتے ہیں۔

ثبوت علم غیب پر شواہد

قرآن کریم میں ہے۔

ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک (آل عمران)	یہ غیب کی خبریں ہیں جس غیب پر ہم آپ کو بذریعہ وحی مطلع کرتے ہیں (آل عمران)
وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء (آل عمران)	اور اللہ کی شان نہیں ہے کہ وہ تم (عام) لوگوں کو غیب پر مطلع کرے لیکن رسولوں میں سے چن لیتا ہے جسے چاہے۔

تفسیر جمل میں اسی آیت کے تحت ہے۔

والمعنی ولکن اللہ یجتبی ای یصطفی من رسلہ من یشاء فیطلعہ علی الغیب	اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے برگزیدہ رسولوں میں سے جسے چاہے منتخب فرما لیتا ہے پھر اسے غیب پر مطلع فرماتا ہے
عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول (ص)	غیب کا جاننے والا اللہ ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس آیت کے تحت روح البیان میں ہے۔

قال ابن الشیخ انہٗ تعالیٰ لا یطلع علی الغیب الذی یختص بہ علمہٗ الا المرتضی الذی یکون رسولا و مالا یختص بہ یطلع غیر الرسول وما ھو علی الغیب بضنین۔

یعنی ابن شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب خاص پر رسول مرتضی کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا اور جو غیب اس کے ساتھ مختص نہیں، اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرماتا ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام غیب پر بخیل نہیں ہیں۔

اس کے تحت تفسیر خازن میں ہے۔

انہٗ صلی اللہ علیہ وسلم یاتیہ علم الغیب فلا یبخل بہٖ علیکم بل یعلمکم

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب حاصل ہوتا ہے پس وہ اس غیب پر بخیل نہیں ہیں، بلکہ تمکو بھی اسکی تعلیم دیتے ہیں۔

اور زرقانی شرح مواہب الدنیہ جلد ۱ ص ۳۱ پر ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمت سے منقول ہے۔

ورابعھا ان لہ صفۃ بہا یدرک بھا مایکون فی الغیب

یعنی نبی میں چوتھی صفت یہ ہے کہ اس کی ذات میں ایک ایسا نور ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ آئندہ ہونے والے امور غیبیہ کا ادراک کر لیتا ہے۔

شفاء قاضی علیہ الرحمت میں ہے۔

النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب ص ۱۶۱ ج ۱۔

نبوت کا معنی ہے غیب پر مطلع ہونا۔

اور تفسیر کبیر میں لا اعلم الغیب کے تحت ہے ولا یعلم الا ما اعطاہ اللہ العلم بہ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہی امور کا علم ہے۔ جو اللہ نے انہیں عطا کیا ہے۔

قرآن کریم کی آیات مفسرین کرام و علماء اہل سنت کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا تھا منصف مزاج کیلئے اتنی قدر کافی ہوتی ہے۔ مگر ہم تنقیح مزید کیلئے علماء دیوبند کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ علم غیب عطائی کا انکار کر کے مولوی سرفراز صاحب بالکل تنہا اور بے یار و مددگار رہ گئے ہیں اور احاطہ دیوبند میں بھی ان کیلئے کوئی جگہ نہیں رہی۔ دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی تتمہ فتاویٰ امدادیہ ص ۲۳۳ جلد ۲ پر لکھتے ہیں :-

" غیب کے دو معنی ہیں حقیقی اور اضافی۔ حقیقی وہ جس کے علم کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ یہ خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اور عبد کیلئے اس کا حصول محال شرعی و عقلی ہے۔ اضافی وہ ہے جو کسی ذریعہ سے بعض کو معلوم کرا دیا جائے اور بعض سے پوشیدہ رکھا جائے۔ یہ عبد کو باعلام الٰہی بھی حاصل ہو سکتا ہے "

تھانوی صاحب نے اس عبارت میں صاف اور صریح اقرار نہیں کیا فضائل نبویہ علیہ التحیہ کا عظیم نشان ہو سکتا ہے کا کانٹا بن کر اُن کے گلے میں چبھ گیا۔ لیکن تغیر العنوان میں بالآخر مان ہی لیا۔ جیسے ہم ابھی نقل کریں گے۔ انشاء اللہ۔ مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی اپنی تفسیر کے ص ۹۵ پر لکھتے ہیں۔

" عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے۔ مگر جس قدر اللہ چاہے "

عثمانی صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ بلا واسطہ یقینی علم غیب عطا فرماتا ہے اور غیر انبیاء کو یا تو بالواسطہ علم غیب عطا فرماتا ہے اور یا بلا واسطہ عطا فرماتا ہے لیکن وہ درجہ ظن میں ہوتا ہے۔

اور حامد میاں سلسلہ علماء دیوبند کے ص ۲۳ پر لکھتے ہیں :-

دیوبندی حضرات	بریلوی حضرات
علماء دیوبند کا بھی یہی عقیدہ ہے	اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی ہے۔

بلکہ تھانوی صاحب نے تغییر العنوان میں لکھا ہے کہ اس میں کلام ہی نہیں کہ حضور علیہ السلام کے علوم غیبیہ جزئیہ کمالات نبوت میں داخل ہیں اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔ انتہٰی

لیجئے اب اخیر میں ہم خود مولوی سرفراز صاحب کے اپنے کلام سے منوائے دیتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطائی علم غیب حاصل تھا۔

تنقید متین صـ۱۹۰ پر لکھتے ہیں۔" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کیلئے بعض علوم غیبیہ کا عطا ہونا مسلّم حقیقت ہے اور کوئی مسلمان اس کا منکر نہیں۔"

پھر وہ کوئی کافر ہی ہوگا جس نے اپنی کتاب کے صـ۱۹۳ پر علم غیب عطائی کا انکار کیا۔[1] اور اُس کو بے بنیاد عقیدہ قرار دیا ہے

بحمد اللہ الفضل ما شہدت بہ الاعداء حق مولوی سرفراز صاحب کی زبان و قلم پر غالب آیا اور اس شدت سے غالب آیا کہ نہ ماننے والے کو اسلام سے خارج کر دیا۔ اور اب مولوی سرفراز صاحب کسی طرح کفر کی زد سے نہیں بچتے اگر عطائی علم غیب کے عقیدہ پر قائم رہتے ہیں تو اپنی تحریر کے صـ۱۹۳ سے کافر

---

[1] صـ۱۹۳ پر مولوی سرفراز صاحب نے عطائی علم غیب کا رَدّ اس عبارت سے کیا ہے "خان صاحب رح کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا اسلئے عطائی کے لفظ میں انہوں نے بیشمار نصوص قطعیہ اور صحیح احادیث کے صریح مضامین سے راہِ فرار اختیار کرنے کی خاطر چور دروازہ کھلا چھوڑا ہے۔"

ہوتے ہیں۔ اور اگر عطائی علم غیب کا انکار کرتے ہیں ص۱۹۷ کی تحریر سے اسلام سے خارج ہوتے ہیں جس آدمی کی زبان دوسروں پر گالیوں کے تیر پھینکتی ہے اگر اور کوئی ہدف سامنے نہ ہو تو پھر وہ خود پر ہی طبع آزمائی شروع کر دیتی ہے، اور اس کا مصداق اتم سرفراز صاحب کی ان دو تحریروں میں موجود ہے۔

اب جبکہ قرآن کی آیات تفاسیر اقوال علماء دیوبند بلکہ خود مولوی سرفراز صاحب کی تحریر سے بھی ثابت ہو گیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطائی علم غیب حاصل تھا، اور قرآن کریم کی اس آیت کریمہ لا اعلم الغیب میں بھی اگر غیب کو عطائی پر محمول کیا جائے تو معنی ہو گا کہ میں عطائی غیب کو نہیں جانتا پس قرآن کریم کی اس آیت کا ان تمام آیات سے تعارض لازم آئیگا جن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے عطائی علم غیب ثابت کیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اس میں تعارض نہیں لقولہ تعالےٰ لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔

نفی علم غیب علم ذاتی پر محمول ہے

آیئے اب مفسرین کی طرف رجوع کریں کہ انہوں نے لا اعلم الغیب کو نفی ذاتی پر محمول کیا ہے یا عطائی پر۔ روح البیان میں ہے ولا اعلم الغیب الا باعلامہ اور میں خدا کے بتلائے بغیر نہیں جانتا تفسیر نیشاپوری میں ہے۔ لا اعلم الغیب تکون فیہ دلالۃ علی ان الغیب باستقلال لا یعلمہ الا اللہ جو علم غیب ذاتی ہو وہ اللہ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے۔ (ولا اعلم الغیب) مالم یوحی الی ولم

ینصب علیه دلیل یعنی میں بغیر دلیل اور وحی کے غیب کو نہیں جانتا۔

تفسیر انموذج جلیل میں ہے۔ معناہٗ لا یعلم الغیب بلا دلیل الا اللہ او بلا تعلیم الا اللہ او جمیع الغیوب الا اللہ اس آیت کا معنی ہے کہ غیب کو بلا دلیل و بلا تعلیم جاننا یا جمیع غیوبات غیر متناہیہ کا احاطہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے۔ وقولہ ولا اعلم الغیب ای ولا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ تعالیٰ۔ یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ موصوف ہوں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت نے وضاحت کے لئے ترجمہ میں جو لفظ "آپ" ذکر کر کے معنی کیا ہے۔ "اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں" یہ معنی آیات قرآنی عقائد اہل سنت اور تمام معتبر تفاسیر کے مطابق ہے۔

علم عطائی کی نفی پر مفاسد

سرفراز صاحب نے اس آیت میں عطائی غیب کی نفی مراد لی ہے اور ذاتی کی نفی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جس ذات اور ہستی کا خود اپنا وجود ہی ذاتی نہ ہو اس کے بارے میں یہ سوال کہاں سے اور کیسے پیدا ہو گیا کہ اس کا علم یا کوئی اور وصف ذاتی ہو سکتا ہے۔ جس کی نفی کی ضرورت پیش آئے"۔

مبتدعین دیوبند عموماً اور مولوی سرفراز صاحب خصوصاً اس بات پر مصر ہیں کہ نفی اسی شئی کی کی جاتی ہے جو ممکن ہو اور ہو سکتی ہو اور جو چیز نا ممکن ہو نہ ہو سکتی ہو۔ اسکی نفی کا کوئی فائدہ نہیں بس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کیلئے ذاتی علم غیب ممکن ہی نہیں تو اسکی نفی کا بھی کوئی فائدہ نہیں. سرفراز صاحب کا یہ قول اُن کے کچے ذہن کی پیداوار ہے۔ اولاً۔ اسلئے کہ اہل علم اور قرآن پر بصیرت رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی زوجہ اور ولد کی نفی کی ہے۔ انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة (انعام) اسی طرح اپنے کفو اور مثل کی بھی نفی کی ہے۔ ولم یکن لهٗ کفواً احد (اخلاص) لیس کمثله شئی (شوریٰ) اپنے شریک کی نفی کی ہے۔ لا شریك لهٗ (انعام) اپنی پیدائش کی بھی نفی کی ہے۔ لم یولد (اخلاص) اپنی ہلاکت کی نفی کی ہے۔ کل شئی هالكٌ اِلّا وجههٗ (قصص)

پس اب اگر سرفراز صاحب کے مخترعہ قاعدہ کو مان لیا جائے کہ قرآن کریم میں نفی ایسی چیز کی کی گئی ہے۔ جو ہو سکتی ہو تو العیاذ باللہ لازم آئیگا کہ اللہ کی اولاد بھی ہو سکتی ہو۔ اس کی زوجہ بھی ہو سکتی ہو۔ اس کی مثل بھی ممکن ہو اور اُس کا کفو بھی ہو سکتا ہو اس کا شریک بھی ہو سکتا ہو!!

دیکھا آپنے کہ سرفراز صاحب کی ایجاد کردہ بدعت اور عطائی علم غیب کے انکار نے ان کو کیسی خرابیوں کی طرف پہنچایا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ مولوی سرفراز صاحب ان تمام خرابیوں کو من وعن مان لیں گے۔ کہ بلاریب خدا کی اولاد بھی ممکن ہے۔ اُس کی زوجہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی مثل اور کفو بھی ممکن ہے اس کا شریک بھی جائز ہے۔ کیونکہ اُن کے "شیخ الہند" "جہد المقل" میں لکھ چکے ہیں کہ بالجملہ قبائح کے صدور کو ممکن بالذات کہنا بجا اور مذہب اہلسنت ہے جلد ۲ ص ۴۱۔ ٹھیک ہے آپ ان تمام امور کو خدا کیلئے ممکن مان لیجئے کیونکہ آپ کے مذہب غیر مہذب میں اللہ تعالیٰ کیلئے ان قباحتوں کا اتصاف ہی تہذیب ہے۔ مگر لم یولد میں پیدائش کو اور کل شئی هالكٌ اِلّا وجههٗ

میں ہلاکت کو بھی ممکن مانیں گے۔ اگر پیدائش اور ہلاکت کو ممکن نہ مانا تو آپ کی کلی ٹوٹ گئی اور ثابت ہو گیا کہ محال پر بھی نفی آتی ہے اور جو امر نہ ہو سکتا ہو، اُس کی نفی بھی کی جاتی ہے پس لا اعلم الغیب کی نفی پر آپ کا لغو اعتراض ساقط ہو گیا۔ اور اگر آپ اپنی کلی کو محفوظ رکھ کر اللہ تعالے کیلئے پیدائش اور ہلاکت کو ممکن مان لیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ رہا کیونکہ جب پیدائش کو ممکن مانا تو وجود ممکن ہو گیا۔ اور جب ہلاکت کو ممکن مانا تو عدم ممکن ہو گیا، اور جس کا وجود بھی ممکن ہو۔ اور عدم بھی ممکن ہوا سے دیوبند کے منطقی تو خدا مان کر پوجتے ہوں گے۔ اسلام میں جس خدا کی پرستش ہوتی ہے۔ اس کا وجود واجب لذاتہ اور عدم ممتنع لذاتہ ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ دیوبندی بدعت نے عطائی علم غیب کا انکار کیا اور اس قباحت کے ثبوت کے لئے ایسی بنیاد قائم کر دی جس سے اللہ تعالے کے وجوب وجود اور امتناع عدم کا بھی انکار ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ثانیاً اس لئے کہ ہم نے لا اعلم الغیب کی تفسیر میں معتمد تفاسیر کے حوالے پیش کئے ہیں جن سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اعلیحضرت قدس سرہٗ یا صدر الافاضل نے ہی ذاتی غیب کی نفی پر آئت کو محمول نہیں کیا۔ بلکہ باقی مفسرین نے بھی اس آئیت کو ذاتی غیب کی نفی پر محمول کیا ہے۔

ثالثاً اس لئے کہ خود مولوی گکھڑوی کے حکیم الامت کے کلام سے بھی ثابت ہے کہ اس مقام پر ذاتی غیب کی نفی مراد ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حفظ الایمان ص۱۲ پر لکھتے ہیں۔ "مطلق غیب سے مراد اطلاقات شرعیہ میں وہی غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور اس کے ادراک کے لئے کوئی واسطہ اور سبیل نہ ہو اور اسی بناء پر لا یعلم من فی السموٰات

والا ص الغیب الا اللہ اور ولو کنت اعلم الغیب وغیرہ فرمایا گیا ہے۔"

تھانوی صاحب کا یہ کلام اگرچہ کلیۃً صحیح نہیں اور اس کی کلیت قرآن سے مردود ہے۔ تاہم سرفراز صاحب کی کلی توڑنے کیلئے اس میں کافی جان موجود ہے، کیونکہ تھانوی صاحب کے قانون کے مطابق جہاں بھی مطلقاً غیب کا ذکر لسان شرع پر وارد ہوگا، اس سے مراد وہ غیب ہوگا جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور اس کے ادراک کیلئے کوئی واسطہ نہ ہو، اور اسی کو ذاتی غیب کہتے ہیں۔ پس لا اعلم الغیب میں بھی لسان شرع پر مطلق غیب وارد ہوا۔ لہذا تھانوی قانون کے موافق یہاں بھی غیب سے مراد ذاتی غیب ہی ہوگا۔ جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور جس کے ادراک کیلئے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اب سرفراز صاحب کی مرضی ہے چاہے تو تھانوی شہادت کو رد کر کے اپنے حکیم الامت کی جہالت کا اقرار کریں۔ یا اُن کے قانون کو تسلیم کر کے اپنی بے علمی اور کم فہمی کا اعتراف کرلیں۔

تھانوی صاحب کی جہالت

باقی رہا یہ امر کہ تھانوی صاحب کی یہ کلی صحیح ہے یا غلط تو جواب یہ ہے کہ تھانوی صاحب کا یہ قانون عقلاً نقلاً ہر طرح باطل ہے کیونکہ قرآن میں ہے۔ یؤمنون بالغیب اور اس آیت کریمہ میں بھی مطلق غیب لسان شرع پر وارد ہے اور یہاں اس غیب سے مراد ذاتی غیب نہیں ہے کیونکہ متقین اس غیب پر ایمان لائے ہیں جس کا انہیں دلائل سے علم ہوا پس یہاں غیب سے مراد وہ غیب ہے جس پر دلیل ہو۔ نہ کہ غیب ذاتی اور نقلاً اس لئے باطل ہے کہ مفسرین نے اس آیت کریمہ کو عطائی غیب پر محمول کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیضاوی میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وقسم نصب علیہ دلیل کالصانع وصفاتہ والیوم الآخر واحوالہ وھو المراد بہ فی ھذہ الآیۃ۔	اور غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل قائم ہو جیسے صانع اور اسکی صفات یوم آخر اور اس کے احوال وغیرہ اور اس آیت میں غیب کی یہی دوسری قسم مراد ہے۔

اب ناظرین پر دیوبندیوں کے حکیم الامت کا علم وفضل ظاہر ہو گیا جنہوں نے یہ کلیہ باندھا تھا کہ اطلاقاتِ شرعیہ میں غیب سے مراد وہ غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ دیکھئے۔ لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ اور ولو کنت اعلم الغیب۔ میں جو الغیب مذکور ہے وہی الغیب یؤمنون بالغیب میں بھی ہے اور اس آیت میں لسان شرع پر غیب اسی طرح مطلقاً مذکور ہے جس طرح ان دو جگہ پر ہے اور علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ اس سے وہ غیب مراد ہے جس پر دلیل قائم ہو۔ کیا ایسا بے خبر اور کلام الٰہی سے ناواقف شخص جسے درسی کتاب بیضاوی پر بھی اطلاع نہ ہو۔ حکیم الامت کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور جن لوگوں کے حکیم الامت کا یہ حال ہے۔ خود ان کے اپنے علم کی کیا حالت ہو گی۔

مذکورہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ سرفراز صاحب کی کلی تھانوی صاحب کے بیان سے ٹوٹی اور تھانوی صاحب کی کلی خود قرآن سے ٹوٹ گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر غیب کے ذاتی یا عطائی کی تعیین کا کیا ضابطہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ غیب اپنے معنی کے اعتبار سے مشترک معنوی ہے کیونکہ اس کا معنی ہے الخفی الذی لا یدرکہ الحس ولا یقتضیہ بدیھۃ العقل اور پھر اسکی دو قسمیں ہیں، ما علیہ دلیل اور ما لا دلیل علیہ (بیضاوی) اور

لفظ مشترک سے کسی معنیٰ کی تعیین بغیر قرینہ کے نہیں ہوتی پس جہاں کہیں حالی یا مقالی قرینہ غیب ذاتی کا ہوگا تو غیب ذاتی مراد لیں گے اور جہاں قرینہ غیب عطائی کا ہوگا، وہاں عطائی مراد لیا جائیگا پس جن آیات میں غیب دینے کا ذکر ہے۔ تو واضح امر ہے کہ وہاں غیب عطائی ہی مراد ہے اور جہاں نفی غیب کا ذکر ہے تو وہاں پر غیب ذاتی ہی مراد ہوگا، کیونکہ دوسری آیات سے جب غیب عطائی ثابت ہوگیا تو اب اسکی نفی تناقض کو مستلزم ہوگی پس لامحالہ اس نفی کو ذاتی پر محمول کرنا پڑیگا تھانوی صاحب کی کلی توڑنے کے بعد اگر ہم فضل و تبرع کے طور پر ان کی اصلاح کریں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ اطلاقات شرعیہ میں مطلقاً غیب کا جہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاص ہو یا غیر سے نفی ہو، اس غیب سے مراد غیب ذاتی ہے، جیسے عندہ مفاتیح الغیب اور لا اعلم الغیب ولو کنت اعلم الغیب، لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ اور اس اصلاح کے بعد بھی یہ کلام سرفراز صاحب کے رد کیلئے کافی ہے اور اسی امر کی طرف ہم نے سطور بالا میں اشارہ کیا تھا۔

سرفراز صاحب کی ایک اور الجھن

سرفراز صاحب نے بوجہ عناد یا سمجھنے کی خاطر ایک اور سوال پوچھا ہے۔ غور کیجئے کہ آپ نے یہ کیوں نہ فرمادیا۔ کہ میں ذاتی طور پر محمد اور رسول نہیں ہوں۔ بلکہ عطائی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عطائی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ آخر اسکی کیا وجہ ہے وجہ فرق بین ہو۔"

لیجئے ہم نے غور کرلیا اور وجہ فرق بھی بیان کئے دیتے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کی سمجھ میں بھی آجائے۔ بات یہ ہے کہ علم اور قدرت ایسی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مشترک ہیں اس وجہ سے ان

ہیں یہ اشتباہ ہو سکتا تھا کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی معاذ اللہ خدا تو نہیں ہیں۔ پس اس اشتباہ کو دور کرنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ میں نہ ذاتی طور پر غیب جانتا ہوں نہ ذاتی قدرت رکھتا ہوں۔ بخلاف ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور وصف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مشترک نہیں لہذا یہاں پر نہ کوئی اشتباہ تھا نہ اس کو اٹھانے کے لئے ذاتی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ذاتی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نفی کی ضرورت تھی۔

ثانیاً یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں نے علم اور قدرت کے عظیم مظاہر ہونے کی وجہ سے اِلٰہ اعتقاد کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باقی صفات کی وجہ سے۔ پس گمراہی کی اس جڑ کو کاٹنے کیلئے ضروری تھا کہ آپ سے بالخصوص ذاتی علم اور ذاتی قدرت کی نفی کی جاتی۔ دیکھیے امام رازیؒ تفسیر کبیر جلد ۴، ص۴۰ پر فرماتے ہیں:۔

ان المراد منہٗ ان یظھر الرسول من نفسہ التواضع لِلّٰہ والخضوع لہٗ لعبودیتہ حتیٰ لا یعتقد فیہ مثل اعتقاد النصاریٰ فی المسیح علیہ السلام۔	اس آیت سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع اور خضوع کو ظاہر فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اعتراف کریں حتیٰ کہ آپ کے حق میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرح الوہیت کا اعتقاد نہ کیا جائے

ثالثاً اسلئے کہ علم اور قدرت ہی دو ایسے وصف ہیں جن پر مدارِ الوہیت ہے۔ چنانچہ امام رازی علیہ الرحمت علم اور قدرت کے بارے میں تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۳۵۱ پر فرماتے ہیں:۔

وهذان الوصفان هما اللذان بهما ثبت الربوبية والالوهية والجلالة والعزة

علم اور قدرت سے ہی ربوبیت اور الوہیت ثابت ہوتی ہے۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ پر ہی بناءِ الوہیت ہے نہ کہ باقی صفات پر۔ پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بالخصوص علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ کی نفی کی وجہ اہل فہم پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ دیکھئے علامہ آلوسی حنفی اسی آیت کے تحت پارہ ۷، ص ۱۴۲ پر فرماتے ہیں

لا فائدة في الاخبار بانى لا اعلم الغيب انما الفائدة في الاخبار بانى لا اقول ذالك ليكون نفيا لادعاء الامرين الذين هما من خواص الالهية ليكون المعنى انى لا ادعى الالهية

لا اعلم الغیب کہنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ فائدہ تو اس میں ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں یہ بات نہیں کہتا تاکہ ان دونوں وصفوں کی نفی ہو جائے جو خواص الوہیت میں سے ہیں تاکہ حاصل یہ ہو کہ میں الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔

اور امام فخرالدین رازیؒ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۴۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔

ان المراد من قوله لا اقول لكم عندى خزائن الله وحده وانى لا ادعى كونى موصوفا بالقدرة اللائقة بالاله تعالى وقوله ولا اعلم الغيب اى ولا ادعى كونى موصوفا بعلم الله تعالى بمجموع هذين الكلامين حصل انه لا يدعى الالهية

لا اقول لکم عندی خزائن اللہ کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں ایسی قدرت کے ساتھ متصف ہوں۔ جو اللہ کی شان کے لائق ہو اور لا اعلم الغیب کا معنی ہے کہ میں اللہ کے علم کے ساتھ موصوف ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں کا حاصل یہ ہے کہ میں الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔

رابعاً یہ کہ آپ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی علم کی نفی کیوں کہلوائی۔ اور ذاتی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ذاتی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کیوں نہ کہلوائی، خالص معتزلہ کا انداز فکر ہے۔ کیونکہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے افعال میں چون وچرا تلاش کرتے تھے اور ہر بات کی لم اور غرض ڈھونڈتے تھے جس کی لم سمجھ میں آئی۔ مان لیا جس کی غرض سمجھ میں نہ آئی چھوڑ دیا۔ اسی لئے انہوں نے میزان حساب وکتاب اور پلصراط وغیرہ کا انکار کردیا۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالےٰ نے جو مناسب جانا کیا اس کے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ فعال مطلق ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ لا یسئل عما یفعل وہ کسی فعل پر جواب دہ نہیں پس خدا نے قرآن میں قل لا اعلم الغیب کیوں فرمایا، قل لست برسول یا قل لست بمحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں نہ فرمایا، ایک ایسی جرأت ہے جس کے تصور سے بھی ہمارا دل لرزتا ہے۔ لیکن سرفراز صاحب کی اس جرأت سے قطع نظر کرکے بھی ہم نے ذاتی علم غیب اور قدرت ذاتیہ کی تخصیص کی حکمت بیان کردی ہے اللہ تعالےٰ انہیں سمجھنے کی توفیق دے۔

علم شعر کی تحقیق

مبتدعین دیوبند عام طور پر قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم علم کی تنقیص کیا کرتے ہیں۔

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔ — اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا۔ اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔

اس آیت کریمہ سے مبتدعین دیوبند ثابت کرتے ہیں۔ کہ آپ کو شعر کا علم نہ تھا۔ ان لوگوں کے عقائد کو دیکھکر ہم حیرت اور افسوس میں غرق

ہو جاتے ہیں۔ کہ یہ اُمت کے ہزاروں افراد کیلئے شعر کا علم مانتے ہیں۔ اور اگر انہیں کسی ذات کے لئے شعر کا علم ماننے سے انکار ہے تو اس ذات کیلئے جو کائنات کے محسن ہیں۔ جن کے دم قدم سے یہ چمن وجود کھلا ہُوا نظر آتا ہے۔ جن کے علم کی عظمتوں کی قرآن نے گواہی دی جن کا علمی وقار خدا کو اس قدر عزیز تھا۔ کہ کسی کو ان کا دنیاوی استاد بنانا گوارہ نہ کیا۔ جن کے ایک خادم اور فیض یافتہ کے علم کی عظمتوں کے آگے فرشتوں کی گردنیں جھک گئیں اور ابلیس انگشت بدندان رہ گیا۔ آج یہ منہ پھٹ لوگ علم و عرفان کے اس آفتاب عظیم کی فیض آفرینیوں کا انکار کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو امتی کہلاتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے یہودیوں نے مسلمانوں کا بھیس بدل کر دیوارِ اسلام گرانے کے لئے زور آزمائی شروع کر دی ہو۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کو احساس تھا کہ اس آیت سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے گمراہی کے سیلاب کو روکنے کیلئے اب سے بہت پہلے اس کے آگے بند باندھ دیا تھا۔ فرماتے ہیں۔ "معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا۔" الخ

سرفراز صاحب اس بند پر کلہاڑا چلاتے ہیں۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جتنا بھی لفظوں کا چکر دیا ہے۔ سب بے سود ہے۔ اولاً اسلئے کہ لغت شرع اور عرف میں جس چیز پر بھی لفظ شعر کا اطلاق ہو سکتا ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو اس آیت سے اسکی نفی قطعی طور پر ثابت ہے اس سے ملکہ کی نفی کرنا اور کلام موزوں اور شعر صحیح و سقیم کا علم ثابت کرنا قرآن کریم کی خالص تحریف ہے نعوذ باللہ انتہٰی (تنقید متین ص ۱۹۶)

شعر کے علم کی مطلقاً نفی پر دلائل

سرفراز صاحب کے اس

کلام پر کئی وجہ سے گفتگو ہے۔ اولاً اس لئے کہ سرفراز صاحب اس پر بضد ہیں کہ حضور کو شعر کا مطلقاً علم نہ تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب آپ شعر کو مطلقاً نہیں جانتے تھے۔ تو آیۃ کریمہ و ما علمناہ الشعر میں بھی تو لفظ شعر موجود ہے۔ اب بتلائیے کہ حضور کو کس شعر کا علم تھا یا نہیں اگر تھا تو آپ کی کلی ٹوٹ گئی۔ اور اگر نہیں تھا۔ تو لازم آیا کہ حضور پورے قرآن کو نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ پورے قرآن میں شعر اور شاعر دونوں لفظ موجود ہیں۔ اور مکتب دیوبند کی تعلیم کے مطابق حضور کو شعر و شاعر کا علم نہیں اور قرآن صرف لفظوں کا نام نہیں ہے۔ ھُواسم النظم والمعنی جمیعا لفظ اور معنی دونوں کا نام قرآن ہے۔ پس جب آپ کو شعر کا لغوی عرفی شرعی کوئی معنی معلوم نہیں تھا۔ تو لازم آیا کہ آپ کو پورے قرآن اور کتاب اللہ کا علم نہ ہو۔ لان انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل اور جب آپ کو پورے قرآن کا علم نہیں تھا۔ تو الرحمٰن علّم القرآن کاذب ہوگیا یعلمھم الکتاب والحکمۃ باطل ہوگیا۔ علمك مالم تکن تعلم جھوٹا ہوگیا۔ اللہ اکبر خود کو شیخ القرآن کہلاتے ہیں اور نبی علیہ السلام سے علم قرآن کی نفی کرتے ہیں۔ ؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی

نیز ہم پوچھتے ہیں کہ سرفراز صاحب کو شعر کا کسی وجہ سے علم ہے یا نہیں۔ برتقدیر اول ان کا علم حضور سے بڑھ گیا۔ برتقدیر ثانی نفی مجہول مطلق لازم آئی۔ ثانیاً اسلئے کہ مشکوٰۃ ص ۴۰۹ پر ہے۔

عن ابی بن کعب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من الشعر حکمۃ (رواہ البخاری)

ابی بن کعب سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض شعر حکمت والے ہوتے ہیں۔

اور صفحہ ۳۱ پر ہے ان من الشعر حکما۔ اب سرفراز صاحب بتلائیں کہ جب حضور جانتے ہی نہیں کہ شعر کیا چیز ہے۔ تو پھر آپ نے یہ کیسے فرما دیا کہ بعض شعر حکیمانہ ہوتے ہیں۔ واضح امر ہے کہ جو یہ کہہ رہا ہے کہ بعض شعر حکیمانہ ہیں۔ وہ جانتا ہوگا کہ شعر کس شئی کا نام ہے۔ ورنہ حضور کا یہ کلام ہی العیاذ باللہ صحیح نہ ہوگا۔ کہ جب آپ کو شعر کا علم ہی نہیں۔ تو اس کے حکیمانہ ہونے کا کیسے علم ہو گیا۔ نیز جب شعر آپ کیلئے مجہول مطلق ہے تو کیا مجہول مطلق پر حکم لگایا جا سکتا ہے۔ کاش آپ نے مرقاۃ ہی سمجھ کر پڑھ لی ہوتی۔ تو آپ کو پتہ چلتا کہ موضوع اور محمول اور نسبت کا علم شرطا یا شطرا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک کا بھی علم نہ ہوا۔ تو تصدیق یا قضیہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ فاعتبروا یااولی الابصار

ثالثاً مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۱۰ پر ہے۔

عن عائشة قالت ذکر عند رسول الله صلی الله علیه و سلم الشعر فقال رسول الله صلی الله علیه و سلم هو کلام حسنه حسن و قبیحه قبیح

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کے سامنے شعر کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ شعر ایک کلام ہے اگر اس کا مضمون حسن ہو تو شعر حسن ہے اور اگر مضمون قبیح ہو تو شعر قبیح ہے۔

سبحان اللہ یہ ہے علم رسالت کی عظمتوں کا جیتا جاگتا نشان۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شعر کے حسن اور اسکی قباحت پر اسکی صحت اور اس کی سقم پر مطلع تھے بلکہ آپ نے شعر کی صحت اور سقم جانچنے کا قیامت تک کے لئے قانون بنا دیا کہ جس کا مضمون درست ہو وہ درست ہے اور جس کا مضمون غلط ہو وہ غلط ہے۔ لیکن مولوی سرفراز صاحب کہتے ہیں

کہ آپ کے لئے شعر صحیح اور سقیم کا علم ثابت کرنا قرآن کریم کی خالص تحریف ہے ۔

رابعاً اسلئے کہ اگر حضور شعر کے حسن و قبح پر مطلع نہ تھے اور آپ نے ہمیں اس کی ہدایت نہیں دی۔ تو لازم آئیگا۔ کہ اس باب میں اسلام کی ہدایات نامکمل ہوں۔ اگر آپ کے سامنے قبیح شعر پڑھا جائے۔ تو آپ اس سے روکیں گے یا نہیں۔ اگر نہ روکیں تو یہ منصب نبوت کے خلاف ہے اور اگر روکیں تو سرفراز صاحب کی کل ٹوٹ گئی۔ اور ثابت ہوا کہ حضور شعر کے سقم اور اسکی قباحت پر مطلع ہیں ۔

خامساً یہ کہ حضور کا فرمان ہو کلام حسنہ حسن و قبیحہ قبیح ۔ اس میں ہو ضمیر شعر کی طرف راجع ہے۔ اب سرفراز صاحب سے گذارش ہے کہ شعر کا حضور کو کسی وجہ سے علم ہے یا نہیں۔ اگر علم ہے۔ تو آپ کی کل ایکبار پھر ٹوٹ گئی۔ اور اگر شعر کا حضور کو کسی وجہ سے علم نہیں۔ اور وہ مجہول مطلق ہے۔ تو اس کلام میں اس کا محکوم علیہ واقع ہونا کس طرح صحیح ہوگا۔ مسلّم میں ہے۔ المجهول المطلق یمتنع علیه الحکم ۔

سادساً یہ کہ مشکوٰۃ شریف صنہ ۴۱ پر ہے

انه قال یارسول الله صلی الله علیه وسلم ماذا تری فی الشعر فقال ان المومن یجاهد بسیفه ولسانه ۔

کعب بن مالک نے حضور سے عرض کیا کہ آپ شعر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں آپنے فرمایا کہ مجاہد اپنی تلوار اور زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے ۔

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب آپ پر وعلمناہ الشعر وما ینبغی له ۔ نازل ہو چکی تھی۔ اگر وماعلمناہ کے وہ معنی ہوتے جو سرفراز صاحب نے سمجھے ہیں۔ تو کعب بن مالک کا حضور سے شعر کا حکم دریافت

کرنا ہی لغو قرار پاتا ہے کیونکہ جب آپ شعر کو جانتے ہی نہیں تو اس کا حکم کیسے بتلا سکتے ہیں اور اگر کعب بن مالک نے بقول شما سوال کرنے کی غلطی کر ہی لی تھی۔ تو حضور فرما دیتے کہ میں تو شعر کا لغوی عرفی شرعی معنی ہی نہیں جانتا۔ اس کا حکم کیسے بتلاؤں گا۔

سابعاً یہ کہ علم اگر یہاں مطلق ادراک کے معنی میں لیا جائے۔ تو وہ خرابیاں لازم آئیں گی جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں۔ پس ثابت ہو گیا۔ کہ یہاں پر علم بمعنی ملکہ ہے۔ ملکہ طبیعتِ انسانیہ کے اس وصف کو کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اسے کسی کام پر کمل عبور ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی دشواری اور رکاوٹ کے وہ کام کر سکتا ہے۔ آسان لفظوں میں ہم اس کو مہارت اور عادت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کی عادت نہیں ڈالی یا شعر کہنے کی مہارت نہیں عطا کی۔ اور اس آیت کریمہ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے۔ کہ آپ کو شعر کا معنی نہیں آتا۔ اور آپ کلام شعری اور غیر شعری میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ (دیکھئے روح البیان ص ۳۸۲ جلد ۳ پر ہے)۔

وفی التھذیب للبغوی من	ہمارے آئمہ سے امام بغوی تہذیب میں فرماتے
ائمتنا قیل کان علیہ السلام یحسن	ہیں۔ کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام اچھی طرح شعر کہہ
الشعر ولا یقولہ والاصح انہٗ	سکتے تھے۔ لیکن کہتے نہ تھے صحیح بات یہ ہے کہ آپ
کان لا یحسنہ ولکن کان یمیز	اچھی طرح شعر نہیں کہہ سکتے تھے لیکن آپ شعر کی
بین جیدہٖ وردیہٖ	صحت و سقم کے درمیان تمیز رکھتے تھے

کچھ سطر بعد علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں۔

والظاہر ان المراد وما ینبغی	اور یقینی امر یہ ہے کہ قرآن کریم کے

له من حيث نبوته وصدق لهجته ان يقول الشعر لان العلم من عند الله لا يقول الاحقا وهذا لا ينافي كونه في نفسه قادرا على النظم والنثر ويدل عليه تمييزه بين جيد الشعر ورديه اى موزونه وغير موزونه على ماسبق ومن كان مميزا كيف لا يكون قادرا على النظم في الالهيات والحكم لكن القدرة لا تستلزم الفعل في هذا الباب صونا عن اطلاق لفظ الشعر والشاعر الذي يوهم التخييل والكذب

فرمان وَمَا يَنبَغِی لَہٗ کا مطلب یہ ہے کہ منصب نبوت کے اعتبار سے شعر کہنا آپ کے مناسب نہیں ہے کیونکہ علم من اللہ سواحق کے کچھ نہیں کہتا اور یہ نبی علیہ السلام کے فی نفسہٖ شعر گوئی پر قادر ہونے کے منافی نہیں۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ آپ شعر کے حسن و قبح کی تمیز رکھتے تھے۔ اور اسکے وزن اور قافیہ وغیرہ پر واقف تھے اور جو نظم کو جانتا ہو وہ اس پر قادر کیسے نہیں ہو سکتا کہ ان ہی مسائل اور احکام کو نظم میں بیان کرے لیکن قدرت اس باب میں فعلیت کو مستلزم نہیں ہے تاکہ احکام شرعیہ لفظ شعر اور شاعری کے اطلاق سے محفوظ رہیں کیونکہ یہ لفظ کذب اور تخیلات کا وہم پیدا کرتا ہے۔

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہو گیا۔ امام بغوی اور دیگر علماء اہل سنت کے نزدیک امر محقق یہ ہے کہ آپ کو شعر کا علم وادراک تھا اور علامہ اسمٰعیل حقی کے نزدیک حق یہ ہے کہ آپ کو شعر کہنے پر قدرت بھی تھی۔ البتہ شعر کہنے کی مہارت نہ تھی پس ان دلائل کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ اس آیت میں آپ سے ملکہ شعر کی نفی کی گئی ہے۔ وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ البتہ

بغض رسالت اور جہالت کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ ثامناً یہ کہ سرفراز صاحب نے ملکہ کی نفی کو تحریف پر محمول کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں علم کی نفی ہے۔ ملکہ کی نفی نہیں ہے۔ عرض یہ ہے کہ اگر آپ نے کچھ پڑھا نہیں تھا تو کس نے کہا تھا کہ آپ میدان تصنیف میں قدم رکھیں۔ دیوبند کے اس محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ملکہ اور علم میں تباین نہیں بلکہ ملکہ علم ہی کا ایک معنی ہے۔ دیکھئے مختصر معانی ص ۳۸ اور مطول ص ۵۶ پر ہے هو علم ای ملکة۔ اب جبکہ ثابت ہو گیا کہ علم کا معنی ملکہ بھی ہے پس اب علمنا میں علم کو ملکہ کے معنی میں لینا تحریف نہیں بلکہ تصریحات علماء کے مطابق ہے۔ ویسے آپ سے تو مشورۃً یہی کہا جائیگا کہ تنقید کرنے سے پہلے کسی سے مختصر اور مطول پڑھ لی ہوتی۔

تاسعاً اسلئے کہ شعر کہتے ہیں۔ الکلام الذی قصد الی وزنہ یعنے شعر وہ کلام ہے جس میں وزن کو مقصود بنایا گیا ہو اور یہ ایک ثابت شدہ امر ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے کلام موزون بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب

ایک اور موقعہ پر فرمایا۔

لا عیش الا عیش الاخرۃ ۔ فاغفر الانصار والمهاجرۃ

اور اس جگہ یہ اشکال پیدا ہوا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ وما علمناہ الشعر۔ پس یہ شعر آپ نے کیسے پڑھے۔ تو مفسرین کرام نے اس کا جواب دیا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ تفسیر کبیر ص ۱۱۱ جلد ۷ پر ہے۔

ذالك لیس بشعر لعدم قصدہ الی الوزن والقافیۃ وعلی هذا ۔ یہ کلام موزون شعر نہیں ہے کیونکہ آپ کا قصد وزن اور قافیہ کی طرف

لو صدر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلام کثیر موزون مقفی لا یکون شعراً لعدم قصدہ اللفظ

نہ تھا پس اس بنا پر اگر نبی علیہ السلام سے کلام موزون کے کثیر افراد بھی صادر ہوں تو شعر نہ ہوں گے کیونکہ آپ قافیہ اور وزن کی طرف قصد نہیں کرتے تھے

اسی طرح اور مفسرین نے بھی جوابات دیئے ہیں۔ اب آپ غور فرمایئے۔ کہ مفسرین کرام نے کلام موزون کے ادراک کو وما علمناہ الشعر کے خلاف نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کے صدور کو وما علمناہ الشعر کے خلاف سمجھا ہے اور جواب کے درپے ہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ تمام مفسرین کی مراد یہاں پر علم سے ملکہ ہے۔ نہ کہ مطلقاً ادراک جیسا کہ سرفراز صاحب نے سمجھا ہے۔

عاشراً یہ کہ خود علماء دیوبند نے تصریح کی ہے۔ کہ حضور اعلم الخلق ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے تھانوی صاحب بسط البنان کے اخیر میں لکھتے ہیں۔ کہ بفضلہ تعالیٰ میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ سے آپ کے افضل المخلوقات فی جمیع الکمالات العلمیہ والعملیہ ہونے کے باب میں یہ ہے۔ ؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر! انتہی کلامہ

اور عقائد علماء دیوبند ص ۳۹ پر مولوی خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں۔ "ہم زبان سے قائل اور قلب سے معتقد اس امر کے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی مخلوقات سے زیادہ علوم عطا ہوئے ہیں"

اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں۔ کہ اگر حضور کو شعر گوئی کا علم نہ ہو تو بتلایئے کہ امت کے جن افراد کو شعر کا علم ہے ان کا علم اس جزئیہ میں حضور سے زائد ہوا یا نہیں پس حضور اعلم المخلوقات کیسے ہوئے

اب یا تو عقاید دیو بند کو باطل کہئیے یا اپنی بد عقیدگی سے توبہ کیجئے۔ ممکن ہے سرفراز صاحب یہ عذر پیش کریں۔ کہ شے قبیح کا علم حضور سے نفی کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ تو گذارش ہے کہ مطلقاً شعر تو مذموم نہیں ہے۔ حضور نے خود فرمادیا ہے کہ ھو کلام حسنہ حسن وقبیحہ قبیح نیز اگر شعر مطلقاً مذموم ہے تو پھر حسان بن ثابت کے اشعار پر کیا فتویٰ لگائیگا۔ اور حضور جو حسان کو منبر پر بٹھا کر شعر سنا کرتے تھے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہوگا۔ اور سب کو چھوڑیئے۔ اپنے آباؤ اجداد کی شاعری کو کس کھاتہ میں رکھیئے گا۔ قصائد قاسمی اور مرثیہ گنگوہی کس مد میں شامل ہونگے۔ پس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ مطلق شعر مذموم نہیں ہے۔ جس کا مضمون مذموم ہو وہ مذموم ہے اور جس کا مضمون حسن ہو۔ وہ حسن ہے۔ پس جن حسن اشعار کا علم افراد امت کو ہے اور حضور کو نہ ہو۔ تو اس علم میں یہ افراد امت حضور سے بڑھے یا نہیں۔ پھر آپ کے اعلم الخلق ہونے کا عقیدہ کس طرح سلامت رہے گا۔ افسوس اور صد افسوس کہ آپ اپنے احبار ورہبان کیلئے اشعار کا علم ثابت کرتے ہیں۔ اور حضور جو اعلم الخلق ہیں ان سے اس کے علم کی نفی کرتے ہیں سچ کہیئے کیا آپ نے اپنے دیوتاؤں کا مرتبہ حضور سے بڑھا نہیں دیا۔ بہر حال ان دلائل سے واضح ہوگیا کہ علم بمعنی ادرک آپ کیلئے ثابت ہے اور جو منفی ہے وہ علم بمعنے ملکہ ہے۔

سرفراز صاحب کے ایک اعتراض پر بحث کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اس امر پر بھی روشنی ڈالی جائے، کہ آخر ملکہ شعر کو کیوں منافی نبوت قرار دیا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو وہ ہے جو ہم ابھی روح البیان سے نقل کر چکے ہیں۔ دوسری وجہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ارقام فرمائی

ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نثر میں الفاظ معنی کے تابع ہوتے ہیں اور نظم میں معنی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں۔ پس شاعر کی بالذات نظر الفاظ کی طرف ہوتی ہے۔ اور بالتبع معنی کی طرف اور نبی کا مقصود الفاظ نہیں۔ معنے ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے نبی علیہ السلام کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا گیا۔

صدر الافاضل کا دوسرا جواب اور اس کی توضیح

وما علمناہ الشعر سے مخالفین دیوبند کے تنقیص علم پر استدلال کا دوسرا جواب صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے اس طرح دیا ہے۔ یا یہ کہ قرآن تعلیم شعر نہیں ہے اور شعر سے کلام کاذب مراد ہے۔ خواہ موزون ہو یا غیر موزون اس آیت میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے کی طرف سے علم اولین وآخرین تعلیم فرمائے گئے۔ جن سے کشف حقائق ہوتا ہے اور آپ کے معلومات واقعی اور نفس الامری ہیں۔ کذب شعری نہیں جو حقیقت میں جہل ہے۔ وہ آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ کا دامن تقدس اس سے پاک ہے انتہی

اب سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمایئے — وما علمناہ الشعر میں تو نفی ہے۔ اس سے علم اولین وآخرین کی تعلیم کے اشارے کا جوڑ خدا معلوم کیسے تھا۔ قرآن کریم کا یہ قطعی مضمون تو یہ بتلا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے نے مطلقاً شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ آپ کی شان کے لائق ہے۔ لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کہتے ہیں۔ کہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ کو اولین وآخرین کے علوم کی تعلیم فرمائی گئی ہے۔ نہ معلوم یہ اشارہ کیسے ثابت ہوا۔ انتہی کلامہ تنقید ص ۱۹۷

مفسرین نے اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی ہے کہ قرآن شعر کی طرح

کلام کاذب نہیں۔ چنانچہ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی اپنی تفسیر میں اسی مقام پر لکھتے ہیں:۔ اس پیغمبر کو ہم نے قرآن دیا ہے۔ جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے۔ کوئی شعر و شاعری کا دیوان نہیں دیا۔ انتھیٰ کلامہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کی تعلیم دی جس میں علم اولین آخرین موجود ہے نہ کہ کذب کی تعلیم دی ہے جو آپ کی شان کے لائق نہیں عقلمند آدمی کے لئے تو یہ واضح اشارہ ہے۔ البتہ گھڑ کی عقل کا ہم ذمہ نہیں لیتے۔

صدر الافاضل کا تیسرا جواب اور اس کی تنقیح

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ اس کے آگے تحریر فرماتے ہیں۔ اس میں شعر یعنے کلام موزون کے جاننے اور اس کے صحیح و سقیم۔ جید و ردی کو پہچاننے کی نفی نہیں۔ بلکہ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں طعن کرنے والوں کے لئے یہ آیت کسی طرح سند نہیں ہو سکتی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم کائنات عطا فرمائے۔ اس کے انکار میں اس آیت کو پیش کرنا محض غلط ہے۔ انتھیٰ کلامہ

سرفراز صاحب کی تنقید

ثالثاً یہ کہ کس آیت اور خبر متواتر سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی طور پر (ایک ذرہ اور ایک فرد بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہو) علوم کائنات عطا فرمائے گئے تھے۔ تاکہ یہ آیت کریمہ اس سے متعارض ہو۔ اور اس کو اس کے مقابلہ میں سند لانا صحیح نہ ہو۔ اور اس کو اس کے مقابلہ میں پیش کرنا محض غلط ہو۔ قرآن وحدیث میں تو کوئی ایک حوالہ بھی صریح اس پر موجود نہیں ہے۔ ہاں فی الجملہ علوم اولین و آخرین کا آپ کو عطا ہونا صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ مگر وہ بعض ہیں کل نہیں۔ انتھیٰ کلامہ۔

علم کلی۔ عام طور پر مبتدعین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کلی کو اپنی پھبتیوں کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اصل مسئلہ کو مبرہن کر دیا جائے۔ چنانچہ دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ ہر چیز قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور جو مذکور فی القرآن ہے۔ اس کا نبی علیہ السلام کو علم ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر چیز کا نبی علیہ السلام کو علم ہے۔ قیاس کا صغری یہ ہے۔ کہ ہر شئے قرآن میں مذکور ہے اور اس پر قرآن کریم کی یہ آیت شاہد ہے

ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شئی۔ — اور ہم نے آپ کے اوپر جو کتاب نازل کی ہے۔ وہ ہر شئے کا بیان کرنیوالی ہے

اس آیت کا مرکز استدلال لفظ "کل" ہے اور تمام اصولیین کا اتفاق ہے۔ کہ لفظ کل الفاظ عموم میں سے ہے۔ چنانچہ تلویح ص ۱۲۳ پر علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

اذا اضیف کل الی النکرۃ فھو لعموم افرادھا۔ — جب لفظ کل کی نکرہ کی طرف اضافت ہو تو وہ اپنے مضاف الیہ کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔

اور آیت مذکورہ میں کل کی اضافت شئی کی طرف ہے جو نکرہ ہے پس یہاں لفظ کل شئی کے ہر فرد کو شامل ہے۔ اور عام اپنے تمام افراد کو قطعی اور یقینی طور پر شامل ہوتا ہے۔ پس کوئی ظنی امر اس کا مخصص نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے تلویح ص ۱۱۱ پر علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

وعند جمھور العلماء اثبات الحکم فی جمیع ما یتناولہ من الافراد — جمہور کے نزدیک عام کے تمام افراد کے لئے اس کا حکم قطعی طور پر ثابت

قطعا ویقیناً عند مشائخ العراق وعامة المتاخرین
ہوتا ہے اور مشائخ عراق اور عامۃ متاخرین کا مذہب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ احناف خبرِ واحد کو بھی عام کیلئے مخصص نہیں مانتے اور انہوں نے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں مَا کے عموم کیلئے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب کو مخصص نہیں تسلیم کیا۔ بلکہ نور الانوار صٓ پر واشگاف الفاظ میں تصریح موجود ہے۔

لا یجوز تخصیص قولہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ ومن دخلہ کان امنا بالقیاس وخبر الواحد۔
اللہ تعالیٰ کے قول ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ اور من دخلہ کان امنا کے عموم کی تخصیص خبرِ واحد اور قیاس سے جائز نہیں ہے۔

برہانِ قاطع سے یہ امر واضح ہوگیا کہ نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی میں کل کا عموم قطعی ہے۔ جس کے لئے کوئی خبرِ واحد یا قیاس بھی مخصص نہیں بن سکتا۔ پس قطعی طور پر ثابت ہوگیا۔ کہ قرآن کریم ہر چیز کو شامل ہے۔ دیکھئے روح المعانی پ ۶ صٓ ۱۷۰ پر علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں۔ والتحقیق عندی ان جمیع ماعند النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاسرار الالھیۃ وغیرھا من الاحکام الشریعۃ قد اشتمل علیہ القرآن المنزل فقد قال سبحانہٗ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی وقال تعالیٰ ما فرطنا
اور میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے اسرار الہیہ۔ احکام شرعیہ یا جو کچھ بھی بیان فرمایا ہے۔ ان تمام پر قرآن مشتمل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی۔ جو ہر چیز کا بیان کرتی ہے۔ نیز فرمایا۔ ہم نے اس کتاب میں کسی شئی

فی الکتاب من شیٔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم فیما اخرجہ الترمذی وغیرہ ستکون فتن قیل وما المخرج منہا قال کتاب اللہ تعالٰی فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما فیکم واخرج ابن جریر عن ابن مسعود قال انزل فی ھذا القرآن کل علم وبین لنا فیہ کل شیٔ ولکن علمنا یقصر عما بین لنا فی ھذا القرآن۔

کے بیان میں کمی نہیں کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب فتنے ظاہر ہونگے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ ان کا مخرج کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کتاب اللہ اس میں تم سے پہلوں اور پچھلوں کی خبریں ہیں اور تمہارے لئے احکام ہیں اور ابن جریر نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا اس قرآن میں ہر شئی کا علم ہے۔ اور ہر چیز کا بیان ہے لیکن ہماری عقول قرآن کریم سے انکو اخذ کرنے سے قاصر ہیں۔

اور علامہ سیوطی اتقان ج ۲ ص ۱۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔

وقال الشافعی مرۃ بمکۃ سلونی عما شئتم اخبرکم عنہ فی کتاب اللہ الی ان قال وقال ابن ابی الفضل المرسی فی تفسیرہ جمع القرآن علوم الاولین والآخرین بحیث لم یحط بہا علماً حقیقۃ الا المتکلم بہا ثم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلا ما استاثر بہ سبحانہ تعالٰی ثم ورث عنہ معظم ذالک

امام شافعی نے فرمایا مجھ سے جو چیز پوچھو تو میں تمہیں وہ قرآن میں دکھا دونگا۔ اور ابن ابی الفضل مرسی نے انکی تفسیر میں کہا کہ قرآن تمام علوم اولین و آخرین کو جامع ہے جن کے علم کا حقیقت میں سوائے اللہ کے کسی نے احاطہ نہیں کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا ان امور کے جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ پھر کبار صحابہ اس علم سے

سادات الصحابة واعلامهم
مثل الخلفاء الاربعة وابن مسعود
وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم حتی
قال لو ضاع عقال بعير لوجدته
فی کتاب اللہ

وافر حصہ کے وارث ہوئے مثل
خلفائے راشدین کے اور حضرت
ابن مسعود اور ابن عباس کے اور
اور ابن عباس نے تو یہاں تک فرمایا
کہ اگر میرے اُونٹ کی رسی گم ہو جائے
تو میں اسے بھی قرآن میں پا لوں گا۔

علامہ آلوسی حنفی اور امام سیوطی شافعی کی ان تقریروں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ قرآن کریم میں کل اشیاء کا بیان اور علم موجود ہے اور یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ بعض مفسرین نے تبیاناً لکل شیء کی صرف احکام شرعیہ کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ کل کا عموم قطعی ہے اور اسکی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے بھی نہیں ہو سکتی تو بعض مفسرین کے اقوال اس کے مخصص کس طرح ہو سکتے ہیں پس بحمد اللہ یہ امر صاف اور مبرہن ہو گیا۔ کہ قرآن کریم میں کل اشیاء کا بیان ہے اور اجماعاً ثابت ہے۔ کہ قرآن کریم میں جس امر کا بھی بیان ہے۔ نبی علیہ السلام کو اس کا علم حاصل ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ نبی علیہ السلام کو کل اشیاء کا علم حاصل ہے اور اسی علم کو علم کلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ثانیاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت اسی شخص کو حاصل ہو گی۔ جسے مخلوق کا مکمل علم حاصل ہو۔ دیکھئے امام رازی تفسیر کبیر ص۴۳ ج ۴ بر وکذلک نری ابراهيم ملكوت السموات والارض کے تحت فرماتے ہیں۔ لیس المقصود من اراءة الله ابراهيم ملكوت السموات

ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور
زمین کی تمام نشانیاں دکھانے سے

والارض هو مجر ان يرى ابراهيم هذا الملكوت بل المقصود ان يراها فيتوسل بها الى معرفة جلال الله تعالى وقدسه وعلو وعظمة۔

یہ مقصد نہ تھا کہ صرف انہیں کا علم حاصل ہو۔ بلکہ مقصود یہ تھا کہ انہیں ان نشانیوں کے علم سے اللہ تعالےٰ کی جلال ذات اور اس کی عظمت کی معرفت حاصل ہو۔

اور علامہ آلوسی حنفی روح المعانی ص۱۶۳ پ پر فرماتے ہیں۔

وانت تعلم ان رؤية الربوبية انما هي برؤية دلائلها وآثارها

اور تو خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت اس کے دلائل اور مظاہر قدرت کی معرفت سے ہی حاصل ہوتی ہے

پس اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ حاصل ہے۔ تو آپ کو حضور کے لئے علم کلی بھی ماننا پڑیگا۔ ثانیاً۔ اسلئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے تمام کائنات کا علم عطا فرمایا۔ تو اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم سے مفضول نہیں سمجھتے تو آپ کو حضور کیلئے بھی علم کلی ماننا پڑیگا۔ دیکھئے امام رازی تفسیر کبیر ص۴۳ جلد۴ پر فرماتے ہیں۔

ان الله اراه الملكوت بالعين قالوا ان الله تعالى شق له السموات حتى راى العرش والكرسي الى حيث ينتهي فوقية العالم الجسماني وشق له الارض الى حيث ينتهي الى السطح الآخر من العالم الجسماني

اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم کو تمام ملکوت ان کی آنکھ سے دکھلائے یہانتک کہ تمام آسمانوں کے پار انہیں عرش اور کرسی دکھلایا۔ غرضیکہ جہت فوق میں جو کچھ بھی تھا، وہ دکھلایا پھر جہت تحت میں جو کچھ بھی تھا وہ دکھلایا

ورای ما فی السموات من العجائب والبدائع ورای ما فی باطن الارض من العجائب والغرائب

اور آسمان و زمین کے عجائب و غرائب بھی اس طرح دکھلاتے جیسے ان کی ظاہری نشانیاں دکھلائی تھیں۔

اس تحقیق سے ظاہر ہوگیا کہ مخلوق کا کلی علم خالق کی کامل معرفت کا ذریعہ ہے۔ پس جبکہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس علم کلی سے بہرہ مند فرمایا۔ تو نبی علیہ السلام کے بارے میں یہ کیونکر متصور ہے کہ انہیں یہ علم حاصل نہ ہو۔ بلکہ نبی علیہ السلام کو یقیناً اس سے کہیں زیادہ علم حاصل تھا کیونکہ جب آپ کو خالق کی معرفت تمام انبیاء سے اتم اور اکمل درجہ میں حاصل ہے۔ تو ضروری ہوا کہ مخلوق کا علم بھی آپ کو سب سے زیادہ حاصل ہو۔ رابعاً یہ کہ امام رازی اسی مقام پر فرماتے ہیں کہ انسان پر جب تک حجابات بشریہ چھائے رہتے ہیں۔ وہ علم و عرفان سے دور رہتا ہے۔ اور جب حجابات بشریہ زائل ہوجاتے تو وہ نور جلال ذات کی روشنی میں کل اشیاء کو دیکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ص ۴۷ ج ۴۔

وکل ما سوی اللہ فھو حجاب عن اللہ تعالیٰ فلما زال ذالک الحجاب لاجرم تجلی لہ ملکوت السموات بالتمام فقولہ وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات معناہ وبعد زوال الاشتغال لغیر اللہ حصل لہ نور تجلے جلال اللہ تعالےٰ۔

اور ہر ما سوی اللہ اللہ تعالیٰ سے حجاب ہے پس جب یہ حجاب زائل ہو جاتا ہے تو ملکوت السموات بالتمام منکشف ہوجاتے ہیں پس اللہ تعالےٰ کے قول وکذالک نری ابراہیم الخ کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم سے اشتغال لغیر اللہ زائل ہوگیا۔ تو انہیں اللہ تعالیٰ کے نور جلال کی تجلی بالتمام حاصل ہوگی

پس جو لوگ نبی علیہ السلام کیلئے علم کلی نہیں مانتے۔ کیا ان کے خیال میں آپ کی ذات مقدسہ پر حجابات پڑے ہوئے ہیں۔ نیز جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علو شان کا یہ مرتبہ ہے کہ نور جلال سے تمام حقائق ان پر منکشف ہو گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید المرسلین ہیں۔ ان کے علم کی عظمتوں کا کیا عالم ہو گا۔

خامساً ملا علی قاری حنفی مرقات ص۶۲ ج۱ پر تحریر فرماتے ہیں

للغيب مبادي ولواحق فمباديه لا يطلع عليه ملك مقرب ولا نبي مرسل واما اللواحق فهو ما اظهره الله على بعض احبائه لوحة عمله وخرج ذلك عن الغيب المطلق وصار غيبا اضافيا وذلك اذا تنور الروح القدسية وازداد نوريتها واشراقها بالاعراض عن ظلمة عالم الحس وتخلية القلب عن صدء الطبيعة والمواظبة على العلم والعمل وفيضان الانوار الالهية حتى يقوى النور وينبسط في فضاء قلبه فتنعكس فيه النقوش المرتسمة في اللوح المحفوظ ويطلع

غیب کے مبادی بھی ہیں اور لواحق بھی لیکن مبادی پر نہ کوئی ملک مقرب اطلاع پاتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل باقی رہے لواحق تو ان کو اللہ تعالے اپنے بعض احبا پر انکے عمل کے مطابق مطلع فرماتا ہے۔ اور یہ غیب اضافی ہے۔ کیونکہ جب روح قدسیہ منور ہو جاتی ہے۔ اور عالم حس کی ظلمت سے اعراض کرنے آئینہ دل کو طبیعت کے زنگ سے صاف کرنے اور علم وعمل اور مواظبت اور فیضان انوار الٰہیہ کی وجہ سے یہ نور اور زیادہ قوی ہو کر فضا قلب پر چھا جاتا ہے پس دل میں لوح محفوظ کے نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں۔ اور

على المغيبات ويتصرف في اجسام العالم السفلي بل يتجلى حينئذ الفياض الاقدس بمعرفته التي هي اشرف العطايا فكيف بغيرها.

مغیبات پر مطلع ہو جاتا ہے اور عالم سفلی کے اجسام میں تصرف کرتا ہے، بلکہ اس کے دل پر اللہ تعالے کی تجلیات وارد ہوتی ہیں اور اسے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے جو اشرف عطایا ہے تو اور کوئی چیز اس سے کیسے مخفی رہ سکتی ہے۔

ملا علی کی اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ صالحین کاملین اور عارفین باللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مخفی نہ رہی تو اور کوئی چیز کیسے مخفی رہ سکتی ہے اور یہی علم کلی ہے پس یہ علم جب عام صالحین کاملین کو حاصل ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام کاملین اور عارفین کے سرتاج ہیں انہیں یہ علم کیونکر نہ حاصل ہوگا۔

مشکوٰۃ شریف ص ۶۹ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فعلمت ما في السمٰوات والارض

پس میں نے جان لیا ہر چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں تھی۔

اس حدیث کے تحت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات ص ۳۳۳ جلد ۱ پر فرماتے ہیں۔

ایں عبارت است از حصول تمام علوم جزوی و کلی و احاطہ آں

آپ کا یہ قول اس سے عبارت ہے کہ آپ کو تمام جزوی و کلی علوم حاصل ہو گئے اور آپ نے انکا احاطہ کر لیا

اور مرقاۃ ص ۲۱۰ جلد ۲ پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر مکی کا کلام ذکر کیا۔

وقال ابن حجر ای جمیع الکائنات التی فی السموات بل وما فوقها کما یستفاد من قصۃ المعراج والارض هی بمعنی الجنس ای و جمیع ما فی الارضین السبع بل وما تحتها۔

ابن حجر نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے جمیع کائنات کو جان لیا جو آسمانوں میں ہے بلکہ اس سے اوپر بھی جیسا کہ قصہ معراج سے مستفاد ہے اور ارض کا لفظ حدیث میں جنس کے معنی میں ہے یعنی سات زمینوں بلکہ اس سے بھی نیچے جو حقائق تھے ان تمام کو جان لیا۔

اور مشکوٰۃ شریف ص ۷۲ پر ایک روایت درج کی ہے جس کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فتجلی لی کل شیء

پس ہر چیز میرے لئے منکشف ہو گئی

اس حدیث میں بھی کل کا مضاف الیہ نکرہ ہے پس معلوم ہوا کہ آپ کو شئی کے جمیع افراد کا علم حاصل ہے۔

اور اس کے تحت شیخ محقق نے اشعۃ ص ۳۳۳ ج ۱ پر فرمایا۔

پس ظاہر شد و روشن شد مرا ہر چیز از علوم و شناختم ہمہ را۔

پس مجھ پر تمام علوم ظاہر ہو گئے اور میں نے سب کو پہچان لیا۔

بحمد اللہ ہم نے قرآن کریم احادیث اور اقوال محققین علماء کی روشنی میں نبی علیہ السلام کے علم کلی کو واضح تر بیان کر دیا ہے۔ البتہ منکرین اور متعصبین کی ضد ہٹ دھرمی اور عناد رسول کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔

علم الٰہی اور علم رسول میں فرق

مسئلہ علم کلی میں عام طور پر معترضین یہ کہا کرتے ہیں کہ جب کل اشیا کا علم حضور کیلئے مان لیا۔ تو پھر آپ کا علم اللہ کے علم کے مساوی ہوگیا۔ اس لئے اس مقام پر علم کلی کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ علم کلی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو خدا کا علم کلی ہے۔ وہ حضور کو ہمارے حاصل ہے۔ بلکہ مخلوقات اور لوح محفوظ کے کلی علوم حضور کو حاصل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم لوح محفوظ میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ کروڑوں الواح بھی اللہ تعالےٰ کے علوم غیر متناہیہ کی متحمل نہیں ہوسکتیں ہمارا اعتقاد ہے کہ حضور کا علم نہ اللہ تعالیٰ کے کل علم کا مماثل ہے نہ بعض کا بلکہ ایک ذرہ کے علم میں بھی حضور اور خدا کے علم کی مماثلت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے۔ اور ان غیر متناہی وجوہ میں سے ہر وجہ کا پھر غیر متناہی وجوہ سے علم ہوتا ہے۔ و ہکذا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں غیر متناہی علوم کے تسلسل ہیں۔ اور اس کے علم کی وسعت کسی انسانی دماغ میں آہی نہیں سکتی۔ دیکھئے امام رازی ص ۳۷ جلد ۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

معلومات اللہ تعالےٰ غیر متناهية ومعلوماته فی کل واحد من تلك المعلومات ایضا غیر متناهية	اور اللہ تعالےٰ کی معلومات غیر متناہی ہیں اور ان معلومات غیر متناہیہ میں سے ہر معلوم پھر غیر متناہی وجہ سے معلوم ہے۔ و ہکذا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اعتقاد کے مطابق تمام مخلوقات کے علم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں وہ نسبت ہے جو قطرے کو سمندر سے

ہے۔ یعنی تمام مخلوقات کا علم بمنزلہ قطرہ ہے اور ان کے مقابلہ میں حضور کا علم بمنزلہ سمندر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نسبت اللہ تعالےٰ کے علم کے ساتھ ایسی بھی نہیں۔ جیسے قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے یعنی اگر اللہ تعالےٰ کے علم کو سمندر قرار دیا جائے اور حضور کے علم کو اس کے مقابلہ میں قطرہ قرار دیا جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ قطرہ بھی متناہی ہے اور سمندر بھی اور یہ متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے ہے۔ اور حضور کے علم اور اللہ تعالےٰ کی نسبت متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حضور کے علم میں جس طرح کم اور مقدار میں کوئی مماثلت نہیں ہے اسی طرح کیف اور صفت کے لحاظ سے بھی کسی مماثلت کا تصور نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حادث اور جائز الزوال ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا علم قدیم اور ممتنع الزوال ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ حضور کے علم کلی کو اللہ تعالےٰ کے علم کے ساتھ نہ کم کے اعتبار سے مماثلت ہے نہ کیف کے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور کیلئے علم کلی ماننے سے آپ کے علم کلی کی خدا کے علم سے مساوات لازم آجاتی ہے۔ ان کے جواب میں ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ماقدرواللہ حق قدرہ۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضور کے علم کلی کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کا کل علم آپ کو حاصل ہے۔ بلکہ مخلوق کا کل علم آپ کو عطا کیا گیا اور اسکی تکمیل نزول قرآن کے ضمن میں تدریجا ہوئی۔ اور جن احادیث کا یہ مفاد ہے کہ تمام حقائق آپ پر دفعتہً منکشف ہو گئے تھے۔ وہ تدریج کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ عالم کے احوال اور صفات یوماً فیوماً بدلتے رہتے ہیں پس آسمان و زمین کے تمام حقائق آپ پر پیش کئے گئے اور آپ نے

انہیں جان لیا اور ان کی تفصیلات پر آپ کو تدریجاً اطلاع ہوئی۔

سرفراز صاحب کے بے سروپا شبہات

ص ۱۹۷ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں "رابعاً کیا ملکہ اور کلام کاذب غیر نفس الامری باتیں ہیں۔ اس جہاں میں نہیں ہوتیں۔ اور آخر ان کی نفی بھی تو غیب کے منافی ہے۔ پھر غیب کلی کا دعویٰ کیونکر صحیح ہوا"

سرفراز صاحب نے اپنے اس اعتراض میں حماقت خیزی کی انتہا کر دی۔ صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے شعر کے ملکہ کی نفی کی ہے یعنی آپ کو شعر بنانے کی مہارت نہیں ہے۔ اس سے علم کلی کی نفی کس طرح لازم آگئی۔ یہ تو ایسا ہی ملازمہ ہے کہ کوئی کہے۔ چونکہ حضور کو آسمان و زمین بنانے کی مہارت نہیں ہے اسلئے آپ کو علم کلی نہیں۔ ثانیاً یہ کہ صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے ملکہ کی نفی کی ہے۔ ملکہ کے ادراک کی نفی تو نہیں کی ہے۔ حتیٰ کہ آپ اس کی نفی سے علم کلی کی نفی کریں۔

اسی طرح کلام کاذب کی نفی سے علم کلی کی نفی کرنا بھی سراسر حماقت ہے یہ بات اس وقت تو کہی جا سکتی تھی جب صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہوتا۔ کہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے کلام کاذب کا علم اور ادراک نہیں عطا کیا۔ حالانکہ صدر الافاضل تو فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو کذب کی تعلیم نہیں دی۔ یعنی جھوٹ بولنا نہیں سکھایا۔ اس سے علم کلی تو کجا۔ علم جزوی کی بھی نفی نہیں ہوتی۔ اور اگر آپ کے ہاں تعلیم کذب کی نفی سے علم کی نفی ہوتی ہے۔ تو ہمیں بھی کہنے دیجئے کہ آپ کو ماں باپ اور اساتذہ نے جھوٹ بولنا نہیں سکھایا۔ اسلئے ثابت ہوا کہ آپ بے علم اور جاہل ہیں۔

انبیاء سابقین کے متعلق حضور کا علم

سرفراز صاحب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے علمی ثابت کرنے کے لئے دوسری دلیل قائم کی

ورسلا قد قصصنا علیك من قبل ورسلا لم نقصصهم علیك

اور کتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں جنہیں بعض کے حالات ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا دیئے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کے حالات نہیں بتائے ۔،

اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی کہ اللہ تعالے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض انبیاء کرام علیہ السلام کے حالات کا علم عطا نہیں کیا۔ انتھیٰ تنقید صـ ۱۹۸

اس آیت کریمہ میں نبی علیہ السلام کے ماضی میں جاننے کی نفی ہے۔ اور ماضی میں کسی امر کی نفی سے مستقبل میں اسکی نفی لازم نہیں آتی اور اگر آپ کو اسی پر اصرار ہو کہ ماضی میں نفی سے مستقبل میں نفی لازم آجاتی ہے۔ تو پھر ہمیں بھی یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ سرفراز صاحب چونکہ بچپن میں جاہل تھے۔ لہذا آج بھی جاہل ہیں اور ہمیشہ جاہل رہیں گے۔ اسی طرح آپ کے حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانوی اور آپ کے قطب عالم مولوی رشید احمد گنگوہی چونکہ بچپن میں جاہل اور بے علم تھے۔ اسلئے مرتے مرتے جاہل اور بے علم رہے۔ سرفراز صاحب ذرا ہوش میں آیئے۔ آپ نبی علیہ السلام کے علم کی نفی کرنے میں اس طرح بوکھلا کیوں گئے ہیں۔

ہمارا دعوی ہے کہ آپ کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں تدریجاً الی حین الوصال مکمل ہوا۔ اگر آپ واقعی حضور کی لاعلمی ثابت کرنا چاہتے

ہیں تو یہ ثابت کیجئے کہ فلاں شئی کا علم آپ کو اخیر وقت تک نہیں ہوا۔ معترضین کی پوری جماعت کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ اس طور پر آپ کی بے علمی ثابت کرے۔ دیدہ باید۔

ماضی میں کسی امر کی نفی کو لیکر یہ دعوی کرنا کہ آپ کو اس کا علم اخیر وقت تک نہیں ہوا، جہالت کی بدترین مثال ہے۔

دیکھئے روح المعانی ص۱۶۔ پ۲۴ پر اسی آئت کے تحت علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں۔

نفی قصهم من قبل لا يستلزم نفی قصهم مطلقا فان نفی الخاص لا يستلزم نفی العام فیمکن ان یکون قصهم علیه صلی الله علیه وسلم بعد هم۔

انبیاء علیہ السلام کے قصص کی ماضی میں نفی مطلقاً ان کے قصص کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔ پس ممکن ہے۔ اللہ تعالی نے بعد میں انکے قصص کو بیان فرمایا ہو اور آپ نے انکو جان لیا ہو

تواضع کی تحقیق

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے لا اقول لکم عندی خزائن اللہ کے تحت فرمایا۔

مفسرین کا یہ بھی قول ہے کہ حضور کا لا اقول لکم الآیۃ فرمانا بطریق تواضع کے ہے (خازن۔ مدارک و جمل وغیرہ) انتہی کلامہ۔

اس کلام پر سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیے۔ رہا تواضع کا مسئلہ تو بیشک بعض مفسرین کرام نے لا اعلم الغیب کو تواضع پر حمل کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے لا اعلم الغیب کو تواضع اور اظہار عبودیت پر حمل کیا ہے تو یہ درست

نہیں ہے۔ بل هو لیس بشئی کما لا یخفی (روح المعانی ص۱۳۵ ج ۷)
بلکہ یہ تو بالکل ہیچ ہے۔ اور لایعبا بہ کے درجہ میں ہے۔ اور صاحب مواقف (ص۱۰) میں لکھتے ہیں کہ لا نسلم انہ فی معرض التواضع ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ تواضع پر محمول ہے۔ تنقید متین ص۱۳۶ انتہی کلامہ

سرفراز صاحب آپ اپنے حلقہ میں اہل علم سمجھے جاتے ہیں اور بدقسمتی سے لوگ آپ کو علماء کی صف میں شمار کرتے ہیں۔ پھر کچھ تو خدا خوفی اور آخرت کا خیال کیا ہوتا۔ اس قسم کی شرمناک خیانت اور بدعہدیانتی سے آپ کب تلک مبتدعین دیوبند کا بھرم قائم رکھیں گے۔ صاحب روح المعانی اور صاحب مواقف کی طرف آپ نے خلاف واقعہ یہ نسبت کی ہے۔ کہ انہوں نے لا اعلم الغیب کو تواضع پر محمول کرنے کو غلط قرار دیا ہے اگر واقعی ایسا ہی تھا تو آپ نے روح المعانی اور مواقف کے مجمل حوالے کیوں دیئے۔ اور ان کی عبارتیں کیوں پیش نہیں کیں۔ کیا اسلئے کہ اگر وہ عبارتیں سامنے آجاتیں تو آپ کے جھوٹ کا راز فاش ہو جاتا۔

قارئین کرام حقیقت یہ ہے کہ شرح مواقف ص۱۰ پر جس کا سرفراز صاحب نے حوالہ دیا ہے۔ ایسی کوئی عبارت نہیں جس کا یہ لا اعلم الغیب کو تواضع پر محمول کرنے کو ہیچ یا لایعبا بہ کہا ہو بلکہ انہوں نے لا اقول لکم انی ملک کے بارے میں کہا ہے کہ یہ تواضع پر محمول نہیں ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔ کہ معتزلہ اس کے قائل ہیں۔ کہ ملائکہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوتے ہیں۔ اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور نے تواضعاً فرمایا ہے کہ لا اقول لکم انی ملک کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ فرشتہ کا مقام نبی سے اونچا ہوتا ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

خود سے ملکیت کی نفی کر کے تواضع نہ فرماتے۔ چنانچہ صاحب مواقف اور صاحب روح المعانی دونوں نے اس دلیل کا رد کیا۔ اور فرمایا لا اقول لکم انی ملک کو تواضع پر محمول کرنا ہم تسلیم نہیں کرتے تاکہ ملائکہ کی انبیاء پر فضیلت ثابت ہو۔ اب ہم آپ کے سامنے مواقف اور روح المعانی کی عبارات پیش کرتے ہیں۔

احتج الخصم على تفضيل الملائكة بوجوه عقلية ونقلية الى ان قال اما الوجوه النقلية فسبعة الاول ولا اقول لكم انى ملك فى معرض التواضع والجواب لا نم انه فى معرض التواضع ۔ شرح مواقف ص"	مخالف نے ملائکہ کی فضیلت پر عقلی اور نقلی دلائل سے استدلال کیا۔ بہر حال وجوہ نقلیہ سات ہیں پہلی یہ ہے۔ کہ حضور نے معرض تواضع میں فرمایا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں اور اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ یہ کلام تواضعاً فرمایا تھا

مواقف کے بعد اب صاحب روح المعانی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

وخص ابن عباس رضى الله عنهما الغيب بعاقبة ما يصيرون اليه اى لا ادعى ذالك ولا ادعى ايضا الملكية حتى تكلفونى من الافاعيل الخارقة للعادات ما لا يطيقه البشر من الرقى فى السماء ونحوه وتعدوا عدم اتصافى بصفاتهم قادحا فى امرى كما ينبئ عنه قولهم	ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت میں غیب کو کفار کے انجام کے ساتھ خاص کر لیا یعنی میں اسکے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ ہی میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ تم مجھکو افعال خارقہ کا مکلف کرو کہ میں آسمان پر چڑھ جاؤں یا تم ملکی صفات سے میرے نہ موصوف ہونے کو میری نبوت میں طعن کا موجب

مالهذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ولیس فی الاٰیۃ علی ھذا دلیل علی تفضیل الملائکۃ علی الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فیما ھو محل النزاع کما زعم الجبائی لانہا انما وردت ردا علی الکفار فی قولہم مالھذا الرسول الیٰ ان قال وھذا الجواب اظھر مما نقل عن القاضی ذکریا من ان ھذا القول منہ صلی اللہ علیہ وسلم من باب التواضع واظہار العبودیۃ نظیر قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لاتفضلونی علی ابن متی بل ھو لیس بشئ کما لا یخفی۔ روح المعانی صـ۱۳۵ پ۷

قرار دو جس طرح کفار نے طعن کرتے ہوئے کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ یہ بازار میں چلتا ہے اور کھانا کھاتا ہے اور اس آیت میں تفضیل ملائکہ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جیسا کہ جبائی نے سمجھا کیونکہ یہ آیت کفار کے قول مذکور کے رد میں نازل ہوئی ہے اور یہ جواب قاضی ذکریا کے اس جواب سے زیادہ ظاہر ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اس قول کا تواضع پر مبنی ہونا ایسا ہے جیسے آپ نے فرمایا کہ مجھے ابن متی پر فضیلت مت دو کہ بلکہ یہ جواب تو بالکل ہی کمزور ہے۔

روح المعانی کی اس عبارت سے بالکل واضح ہو گیا کہ علامہ آلوسی معتزلہ کے استدلال کو رد کر رہے ہیں کہ لا اقول لکم انی ملک سے فضیلت ملائکہ پر استدلال کرنا غلط ہے ورقاضی زکریا نے جو تواضع کا یہ جواب دیا کہ اس قول کی تواضع ایسی ہے۔ جیسے لاتفضلونی علی ابن متی میں تواضع ہے کہ اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور حضرت یونس سے افضل نہ ہوں پس ایسے ہی لا اقول الخ میں تواضع سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ملائکہ سے افضل

نہ ہوں۔ آپ دیکھئے کہ اس پوری عبارت میں کہیں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں جس میں لا اعلم الغیب کو تواضع پر محمول کرنے کا رد کیا گیا ہو۔ پس سرفراز کے اس جھوٹ پر ہم سوائے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ آیئے ہم اب ہم آپ کے سامنے خود روح المعانی سے اس امر کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ نفی غیب کو تواضع پر محمول کرنا صحیح اور درست ہے۔ روح المعانی ص ۱۳۱ پ ۹ پر علامہ آلوسی اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضور نے باوجود کثیر غیوبات جاننے کے اپنی ذات سے علم کی نفی کیوں کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وفی لباب التاویل للخازن نے	یہ بھی محتمل ہے کہ نبی علیہ السلام نے
الجواب عن ذالک انہ یحتمل	علم غیب کی نفی تواضعا کی ہے (اور
ان یکون ھذا القول منہ علیہ	تواضع سے کذب لازم نہیں آتا)
الصلوٰۃ والسلام علی سبیل	کیونکہ تواضع کا معنی یہ ہے کہ میں
التواضع والادب والمعنی لا اعلم	خدا کے بتلائے بغیر غیب کو نہیں جانتا
الغیب الا ان یطلعنی اللہ تعالیٰ	اور یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے غیب پر
علیہ ویقدرہ لی ویحتمل ان یکون	مطلع ہونے سے پہلے نفی کی ہو۔ اور
قال ذالک قبل ان یطعہ اللہ	اطلاع پاکر غیوب کی خبردی ہو یا
تعالیٰ علی الغیب فلما اطلعہ	نبی علیہ السلام کا یہ کلام کفار کے
اخبر بہ او یکون خرج ھذا الکلام	سوال کے جواب میں ہو۔ اور بعد میں
مخرج الجواب عن سوالھم	اللہ تعالیٰ نے آپ کو مغیبات کی
ثم بعد ذالک اظہرہ اللہ	خبردی تاکہ وہ آپ کا معجزہ اور صحت
تعالیٰ علی اشیاء من المغیبات	

لیکون ذالک معجزۃ له ودلالة علی صحة نبوته صلی اللہ علیہ وسلم انتھی. وفیه تامل وکلام بعض المحققین یشیر الی ترجیح الاول

نبوت کی دلیل قرار پائے۔ خازن کا کلام ختم ہوا اور اس کلام میں تامل کرنا چاہیئے اور بعض محققین کا کلام پہلے جواب (یعنی تواضع) کی ترجیح کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

خازن کے جس جواب کا صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے وہ جواب اور اس پر علامہ آلوسی کا تبصرہ ہم نے ہدیۂ قارئین کر دیا ہے تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیں کہ علامہ آلوسی تواضع والے جواب کو رد کر رہے ہیں۔ یا اسکو ترجیح دے رہے ہیں۔

صدر الافاضل نے خازن۔ مدارک اور جمل کا حوالہ پیش کیا تھا پس جوبات صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ وہ حرفاً حرفاً ثابت ہے۔ اور جن کے حوالے صدر الافاضل رحمتہ اللہ تعالے علیہ نے دیئے ہیں ان کے علاوہ اور دوسرے مفسرین نے بھی تواضع کا قول کیا ہے جن میں سے ایک امام فخر رازی بھی ہیں۔ تواضع کے قول کو سرفراز صاحب رد کرتے ہوئے تنقید ص ۲۰۰ پر لکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تو حاصل تھا لیکن آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا کہ لا اعلم الغیب میں غیب نہیں جانتا تو کیا دیدہ دانستہ خلاف واقعہ بات کہنا جھوٹ ہے (معاذ اللہ تواضع) انتھی کلامہ

افسوس ہے کہ ڈاڑھی سفید ہونے کو آئی۔ لیکن آپ کو ابھی تک تواضع کے معنی کا بھی پتہ نہیں چلا۔ کاش آپ بریلی کے کسی ادنیٰ طالبعلم

کی ہی شاگردی کر لیتے۔ تو آپ کو تواضع کی سمجھ آجاتی۔ اور بڑھاپے میں یہ ذلت نہ اُٹھانی پڑتی۔ سنیئے جناب من! تواضع کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا کے علم کی عظمتوں کے مقابلہ میں اپنے علم کی نفی فرما رہے ہیں۔ کہ اے بار الٰہ تیرے علم کی وسعتوں کے مقابلہ میں میرا علم کچھ بھی نہیں ہے نہ یہ کہ فی نفسہٖ کچھ بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ کو اسے کذب کہنے کی جرأت ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے آپ سے تو کسی غیب کو بھی نہیں جانتا الّا یہ کہ اللہ تعالےٰ میری رہنمائی فرمائے۔ اور یہی معنی علامہ خازن نے بیان کیا ہے کہیئے سرفراز صاحب۔ اب سمجھ میں آیا آپ کی تواضع کس کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔ ہم تو ہر حال میں آپ کے دعاگو ہیں۔

منافقین کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم الآیۃ

(اعلحضرت اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں) اور کچھ مدینہ والے ان کو خو ہو گئی ہے نفاق کی تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔

چونکہ مبتدعین دیوبند اس آیت سے بھی معصوم ذہنوں کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم نہ تھا۔ صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے شبہات کو زائل کرتے ہوئے فرمایا۔ اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ ایسا جاننا جس کا اثر انہیں معلوم ہو۔ وہ ہمارا جاننا ہے کہ ہم انہیں عذاب کریں گے۔ یا حضور سے منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق کے ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ولتعرفنھم فی لحن القول (جمل) کلبی وسدی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ خطبہ کیلئے قیام کر کے نام بنام فرمایا۔ نکل اے فلاں تو منافق ہے نکل اے فلاں تو منافق ہے۔ تو مسجد سے چند لوگوں کو رسوا کر کے نکالا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو اس کے بعد منافقین کے حال کا علم عطا فرمایا گیا۔ انتھی کلامہ۔

اس پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ نہ معلوم ایسا جاننا جس کا اثر انہیں معلوم ہوا۔ یہ کس لفظ کا معنی اور تفسیر ہے۔ اور "انہیں معلوم ہو" سے کون

مراد ہے۔ الفاظ تو بالکل واضح ہیں۔ کہ مدینہ کے کچھ لوگ نفاق کے ایسے خوگر ہیں۔ جن کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہیں۔ ہم ہی جانتے ہیں جو اپنے مفہوم میں قطعی الدلالۃ ہے۔ اس میں کوئی احتمال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ خواہ مخواہ کی باتیں بنانے کا اس دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ تنقید متین صفحہ ۲۰۲۔

صدر الافاضل کے جواب کی توضیح

صدر الافاضل کی اس تفسیر کا مطلب حقیقت پسندوں پر تو بالکل واضح ہے۔ عرف میں مجرموں اور بدکاروں کیلئے کہا جاتا ہے کہ ہم تمہیں جانتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ تمہیں تمہاری بدکاریوں پر سزا دیں گے۔ پس منافقوں کا علم اللہ تعالٰی کے رسول کو بھی حاصل تھا لیکن اس علم کا وہ ثمرہ ان پر مرتب نہیں ہوا جس سے انکو دوہرا عذاب دیا گیا ہو چنانچہ اس آیت کا معنی ہے۔ ان منافقین کو آپ نہیں جانتے۔ انہیں ہم جانتے ہیں۔ ہم عنقریب ان کو دو مرتبہ عذاب دینگے اور نحن نعلمھم کے بعد سنعذبھم مرتین کا ذکر اس پر قرینہ ہے کہ یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جس کا اثر ان منافقین پر دوہرے عذاب کی صورت میں نازل ہو۔ پس جس علم کی نفی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے۔ وہ یہ خاص نوع کا علم ہے۔ نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے مطلقاً منافقین کے علم کی نفی مراد ہے۔ حتی کہ عظمت رسالت کے منکرین اس آیت کو تنقیص نبوی کا نشان بنالیں اہل فہم کے لئے ان چند سطور میں ایضاح حق کے لئے وافر روشنی موجود ہے۔ اور مبتدعین دیوبند بھی اگر آنکھیں بالکل ہی بند نہ کرلیں۔ تو ان سطور سے انہیں بھی کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے:۔

ارباب بدعت کو اس آیت سے تنقیص علم نبوی کا جو شبہ لاحق ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا جواب صدرالافاضل علیہ الرحمتہ نے اس طرح دیا ہے۔ یا حضور سے منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق کے ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا۔ جیساکہ دوسری آیت میں ہے ولتعرفنھم فی لحن القول (جمل)"۔

صدرالافاضل کے دوسرے جواب کی توضیح

جمل کے حوالہ سے صدرالافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس آیت میں اگرچہ حضور سے منافقین کے علم کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن دوسری آیت ولتعرفنھم فی لحن القول میں منافقین کے علم کا اثبات کیا گیا ہے پس منکرین عظمت رسول اور جویان نقص کو اس آیت سے اپنے فاسد عقیدہ پر کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کا علم تدریجا ہے اور اگر منافقین کا علم پہلے حاصل نہ تھا۔ تو کوئی ضرر نہیں۔ جبکہ بعد میں اس علم کا حصول دلیل سے ثابت ہو گیا۔

تنقید ص ۲۰۲ پر مولوی سرفراز صاحب نے صدرالافاضل کے دوسرے جواب پر اس طرح تنقید کی ہے۔ "مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ۔ یا حضور کے منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا الخ۔ تو یہ محض نص قطعی کے رد کرنے کا ایک بے سود اور مردود بہانہ ہے۔ کیونکہ ولعرفتھم فی لحن القول سورۂ محمد کی ایک آیت کا حصہ ہے۔ اور یہ سورت پہلے نازل ہوتی ہے۔ ومن اھل المدینۃ الایۃ سورۂ توبہ کی ایک آیت کا حصہ ہے

جو قرآن کریم کی سب سے آخری سورت ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ مولوی نعیم الدین صاحب کے علم و دیانت پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ وہ بعد میں نازل ہونے والی سورت کے ایک حصہ کو پہلے نازل ہونے والی سورت کے ایک فرمان سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس کلام پر آخری تبرا ملاحظہ فرمائیں۔ مستزاد براں یہ یاد رہے کہ لا تعلمہم خبر ہے اور نسخ کا وقوع اخبار میں ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر اس کے نسخ کا کیا مطلب انتہیٰ تنقید ص ۲۰۷

سرفراز صاحب کے اس پُر عناد کلام پر کئی وجوہ سے کلام ہے اولاً اسلئے کہ صدر الافاضل نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ تفسیر جمل کے حوالہ سے کہا ہے۔ اس میں ایک لفظ بھی ان کا اپنا نہیں ہے اور یہ تمام تبرا حقیقت میں تفسیر جمل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ فن مناظرہ کا قانون ہے کہ ناقل سے تصحیح نقل کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اور نقل پر جرح کا ذمہ دار ناقل نہیں ہوتا۔

مولوی سرفراز صاحب کو چاہیئے تھا کہ یا تو صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمہ اللہ کے ذکر کردہ حوالہ کو تسلیم کرتے یا بصورت دیگر اس کا صحیح محمل بیان کرتے۔ دیکھئے باب جنت ص ۱۳ پر سرفراز صاحب مصنف راہ جنت سے اس طرح شکایت کرتے ہیں

"مفتی صاحب آپ نے انتہائی شرمناک خیانت سے کام لیا ہے۔ آپ کا فرض تھا کہ راہِ جنت میں میرے درج کردہ حوالے ذکر کرتے یا بصورتِ دیگر ان عبارات کا صحیح محمل بیان کرتے انکا مطلب یہ ہے۔ مگر سرفراز نے یوں سمجھا ہے۔ مگر آپ کی بلا سے۔ آپ نے ان تمام حوالوں کو گیارھویں کا حلوہ سمجھ کر ہضم کر لیا ہے۔ انتہیٰ

اب بتلائیے سرفراز صاحب آپنے صدرالافاضل کے ذکر کردہ حوالے کو کس کا قرینہ سمجھکر کیوں ہضم کر لیا۔ اور اسکی کوئی توجیہ کیوں نہ کی۔

اب ہم قارئین کے سامنے جمل کی اصل عبارت پیش کرتے ہیں تاکہ یہ کلام پوری روشنی میں آسکے ملاحظہ فرمائیے۔ جمل جلد ۲ ص ۳۱۳ پر ہے۔

فان قلت کیف نفی عنہ علمہ بحال المنافقین ھھنا و اثبت فی قولہ و لتعرفنھم فی لحن القول فالجواب انہ اٰیۃ النفی نزلت قبل اٰیۃ الاثبات فلا تنافی اھ کرخی۔

پس اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین کے علم کی نفی کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔ حالانکہ و لتعرفنھم فی لحن القول میں اس علم کو ثابت کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ توبہ کی مذکورہ آیت پہلے نازل ہوئی جس وقت آپ کو منافقین کا علم (تفصیلی) نہ تھا۔ بعد میں و لتعرفنھم فی لحن القول نازل ہوئی جس سے ان کے علم (تفصیلی) کا اثبات کیا گیا ہے (کرخی)

نسخ کا افترا اور اس کا جواب

حوالہ جمل کے سامنے آجانے سے معلوم ہوا کہ اس تفسیر میں جمل تنہا نہیں۔ کرخی بھی ان کے ساتھ ہیں۔ ثالثاً یہ کہ جمل کے قول کی حکایت کرتے ہوئے صدرالافاضل صاحب نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ لا تعلمھم کے حکم کو یا اس آیت کو لتعرفنھم نے منسوخ کر دیا۔ سرفراز صاحب نے اپنی تحریف و تلبیس کا بدترین مظاہرہ کرکے خود ہی صدرالافاضل پر نسخ کا افترا باندھا اور پھر اس پر یہ کہہ کر تبرا کیا کہ نسخ اخبار میں نہیں، انشاء میں ہوتا ہے۔ رابعاً یہ قاعدہ ہے کہ جب دو کلام باہم متعارض ہوں، مثلاً ایک میں علم کا اثبات اور دوسرے میں نفی ہو۔ تو اب ان میں معلوم کرینگے کہ مؤخر کون ہے اور مقدم کونسا اور

اور جب کسی ایک کا مؤخر ہونا ثابت ہو جائے تو اب اگر وہ کلام انشاء ہے۔ تو مؤخر مقدم کے لئے ناسخ ہو جائے گا۔ اور اگر خبر ہو تو ان دو متعارض خبروں کے درمیان تطبیق کی جاتی ہے اور تطبیق کو نسخ نہیں کہا جاتا لیکن علم کے یہ جھوٹے مدعی آیات کے نسخ اور تطبیق کے فرق سے بھی بے خبر ہیں۔ اور صدر الافاضل نے آیات میں جو تطبیق بیان کی ہے۔ اسے نسخ کا معنی پہنا کر اس طرح بے لگام ہو رہے ہیں کہ بدزبانی بھی ان کا منہ تک رہی ہے۔ صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ نے۔ بحوالہ جمل بیان کر دیا ہے کہ لا تعلمھم میں نفی علم کی خبر ہے اور یہ مقدم ہے۔ اور لتعرفنھم میں اثبات علم کی خبر ہے اور یہ مؤخر ہے۔ پس نفی اور اثبات کے محل علیحدہ علیحدہ ہو گئے اور کوئی تعارض اور تناقض نہ رہا۔ خامسا یہ کہ مولوی سرفراز صاحب نے بغیر کسی دلیل کے یہ فرض کر لیا کہ لتعرفنھم لا تعلمھم پر مقدم ہے اور ایک فاسد مبنی قائم کر کے اس پر فاسد عمارت کی تعمیر کر دی لتعرفنھم سورۃ محمد کی ایک آیت ہے۔ اور اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بہر حال محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ مدنی ہے۔ جلالین میں ہے۔ سورۃ القتال مدنیۃ اور سرفراز کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبندی اپنی تفسیر کے ص ۶۷۳ پر لکھتے ہیں کہ سورۃ محمد مدنی ہے۔ بعض تفاسیر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی آیات حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد تک نازل ہوتی رہی ہیں۔ بہر حال جب ثابت ہو گیا کہ سورۃ محمد اور سورۃ توبہ دونوں مدنی ہیں۔ تو اب اس میں کوئی استبعاد نہ رہا کہ سورۃ محمد کی ایک آیت سورۃ توبہ کی ایک آیت کے بعد نازل ہوئی ہو۔ جبکہ اس امر پہ جمل اور کرخی کی شہادت بھی موجود ہے۔ سادسا یہ کہ

سرفراز صاحب کہتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت توبہ ہے۔ انتہی کلامہ۔ ص ۳۰۲ تنقید۔ بجا ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ باقی تمام سورتوں کا نزول سورۃ توبہ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا۔ گکھڑ کے محقق کو شائد یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک وقت میں کئی کئی سورتوں کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں۔ دلائل سے ثابت ہے کہ سورۃ توبہ سے پہلے جن سورتوں کا نزول شروع ہو چکا تھا۔ ان کی آیات سورۃ توبہ کے شروع ہونے کے بعد بھی نازل ہوتی رہیں۔ بلکہ قرآن کی جو آخری آیت نازل ہوئی۔ وہ سورۃ توبہ کی نہیں بلکہ سورۃ بقرہ کی آیت ہے جمل ص ۲۲۹ ج ۱۔ پر سورۃ بقرہ کی آیت واتقوا یوما ترجعون الخ کے تحت ہے۔

قال ابن عباس وھذہ اٰخر اٰیۃ نزل بھا جبرائیل وقال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ضعھا فی راس المأتین والثمانین من سورۃ البقرۃ وعاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدھا احدا وعشرین یوما وقیل احد او ثمانین وقیل سبعۃ ایام وقیل ثلاث ساعات اھ بیضاوی	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ وہ آخری آیت ہے جس کو جبرائیل لے کر نازل ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسکو سورۃ بقرہ کے دو سو اسی نمبر کی آیت پر رکھ دیجئے۔ اور اس آیت کے نزول کے اکیس دن بعد آپ کا وصال ہو گیا اور بعض روایات میں اکیاسی دن بعد اور بعض میں ہے سات دن بعد اور بعض میں تین گھنٹے بعد۔ بیضاوی

اور سورۃ مائدہ کی آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ۔ الخ کے بارے میں امام سیوطی نے جلالین میں فرمایا۔ کہ یہ حلال و حرام کے بارے میں آخری آیت ہے

اس کے تحت جمل ج ۲ ص ۴۷۲ پر ہے۔

ای آیة حلال وحرام وهذا لا ینافی انه نزل بعدها آیة موعظة وهو قوله تعالیٰ واتقوا یوما ترجعون فیه الی اللّٰہ

یعنے حلال وحرام کے آیتوں کے بارے میں آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے اور یہ اس کے منافی نہیں. کہ اسکے بعد نصیحت کے باب میں واتقوا یوما ترجعون فیہ نازل ہوئی ہو۔

ان حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ سورۂ توبہ کا بحیثیت مجموعی آخری ہونا اس کے منافی نہیں. کہ اس کے بعد پہلے سے شروع کردہ سورتوں کی آیتیں نازل ہوتی رہی ہوں۔ ہم نے بادلائل ثابت کر دیا ہے کہ بقرہ اور مائدہ کی آیتیں بہرحال سورۃ توبہ کے مکمل ہونے کے بعد نازل ہوئیں کیونکہ انہیں قرآن کی آخری آیتوں میں سے شامل کیا گیا ہے۔ بس اسی طرح سورۂ محمد کی آیت ولتعرفنهم فی لحن القول کا سورہ توبہ کی ایک آیت لا تعلمهم کے بعد نازل ہونا قطعاً مستبعد نہیں. بلکہ دلائل کی روشنی میں حق وصواب ہے جیسا کہ جمل اور کرخی کے حوالوں سے ثابت ہو چکا ہو۔ اور مولوی سرفراز صاحب نے جو بلا دلیل کہا ہے کہ لتعرفنهم مقدم ہے۔ اور لا تعلمهم مؤخر ہے۔ یہ حقائق کی روشنی میں باطل ومردود ہے۔ سابعاً یہ کہ دیوبندیوں کے شیخ الاسلام نے ولتعرفنهم فی لحن القول کی تفسیر میں اقرار کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو منافقین کی تفصیل اور تعیین سے مطلع کر دیا تھا۔ اور لا تعلمهم میں اس علم کی نفی کی گئی ہے (حوالہ آگے آرہا ہے) اب اگر لا تعلمهم کو مؤخر کیا جائے۔ تو قرآن کی دو آیتوں میں تناقض لازم آئیگا کہ علم کو ثابت بھی کیا اور اسکی نفی بھی

کی پس لامحالہ ماننا پڑیگا۔ کہ لاتعلمہم پہلے واقعہ کی خبر ہے۔ جب منافقین کا علم نہیں عطا کیا تھا۔ اور لتعرفنہم بعد کی خبر ہے۔ جب یہ علم عطا فرمادیا فللہ الحمد علٰے ذالک۔

سرفراز صاحب ص۲۰۳ پر لکھتے ہیں کہ لَعَرَفْتَہُمْ فی لحن القول سے علم کا اثبات مراد نہیں بلکہ محض علامت اور نشانی کے طور پر تجربہ کی بنا پر چہرے بشرے سے اندازہ لگانا ہے۔ انتھی کلامہ۔ تنقید ص۲۰۳

نوٹ۔ سرفراز صاحب نے اس آئیت کو ولعرفتھم فی لحن القول لکھا ہے۔ حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی آئیت نہیں۔ اصل میں ولتعرفنھم فی لحن القول ہے۔ انہوں نے عمداً یا سہواً حضرت صدر الافاضل صاحب کی جو تفسیر نقل کی ہے۔ اس میں بھی ولعرفتھم فی لحن القول لکھا ہے۔ حالانکہ ان کی تفسیر میں صحیح آئیت ولتعرفنھم فی لحن القول۔ لکھی ہوئی ہے۔ مراد آباد کے قدیم مطبوعہ نسخہ تاج کمپنی کے بڑے سائز کے نسخہ اور حمائل شریف تمام نسخوں میں یہ آئیت اسی طرح مرقوم ہے معلوم نہیں کہ گکھڑ کے محرف نے کس دجل کے پیش نظر تحریف خالص کا یہ کارنامہ انجام دیا ہے) دیوبند کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی پہلے تو دیوبندی فطرت سے مجبور ہو کر ولتعرفنھم فی لحن القول کو اندازہ اور قیافہ پر محمول کرتے رہے لیکن بالآخر حق ان کی زبان پر غالب آگیا۔ چنانچہ ص۶۷۷ پر اسی آئیت کے تحت لکھتے ہیں۔ بعض احادیث سے ثابت ہے۔ کہ حضور نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اُٹھا دیا اور ممکن ہے وہ شناخت "لحن القول" اور "سیما" وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو یا آیت ہذا کے بعد حق تعالٰے نے

آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل و تعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو۔ واللہ اعلم۔ انتہی کلامہ

مرتے مرتے بھی عثمانی صاحب کی زبان پر کلمہ حق یقین کے ساتھ جاری نہ ہوا۔ اور اپنے قول میں احتمال اور امکان کا رنگ پیدا کر کے حق نفاق ادا کر ہی دیا۔ عثمانی صاحب کو اس بات میں تردد ہے کہ حضور کو منافقین کا علم تھا یا نہیں اور ان کے خلف الرشید مولوی سرفراز صاحب نے صاف اور صریح الفاظ کے ساتھ حضور کے علم منافقین کا انکار کر دیا حالانکہ حضور کے علم کا مرتبہ تو عقل و ادراک سے باہر ہے۔ آپکے غلاموں کو بھی منافقین کا علم تھا۔ دیکھئے حضرت حذیفہ بن یمان کے ترجمہ میں شیخ اشعۃ اللمعات ج ا ص ۷۹ پر فرماتے ہیں

حذیفہ بن الیمان صحابی کبیر عظیم الشان است۔ صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزد او بود علم منافقین رضی اللہ عنہ	حذیفہ بن یمان عظیم الشان صحابی تھے۔ ان کے پاس منافقین کا علم تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب راز تھے۔

اس عبارت سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان کو منافقین کا علم تھا یہ بھی پتہ چلا کہ علم منافقین از قبیل سر اور راز ہے اور راز کی باتیں ہر ایک پر منکشف نہیں کی جاتیں اور نہ اسے بر سر عام آشکارا کیا جاتا ہے پس مبتدعین دیوبند کا یہ کہنا کہ اگر حضور منافقین کو جانتے تھے تو انہیں ظاہر کیوں نہ کیا۔ محض حماقت کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ نبی علیہ السلام کا سر اور راز تھا۔ جب آپ نے مناسب سمجھا تو منافقین کے نفاق کو ظاہر کر دیا اور انہیں نام بنام پکار کر مسجد سے

نکال دیا جس طرح صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے اسکو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کلبی وسدی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ خطبہ کیلئے قیام کر کے نام بنام فرمایا۔ نکل اے فلاں تو منافق ہے۔ نکل اے فلاں تو منافق ہے۔ تو مسجد سے چند لوگوں کو رسوا کر کے نکالا۔ انتہیٰ

اخراج منافقین کی حدیث پر جرح اور اس کا جواب

سرفراز صاحب اس حدیث کے اخراج پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ وہ شیر ہیں جن کی روایات سے (جب کے سند کی اوپر کی کڑیوں کا ذکر تک نہیں کیا) مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے لائق استاذ اور پوری جماعت قرآن کریم کی قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت آیت کو منسوخ قرار دے رہے ہیں۔ معاذ اللہ۔ علمی دنیا میں اس سے بدترین جہالت یا خیانت اور کیا ہو سکتی ہے! لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کچھ سطر بعد لکھتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی نص قطعی کے مقابلہ میں اگر حدیث صحیح بھی ہو مگر خبر واحد تو اس کا پیش کرنا بھی محض ہرزہ بافی ہے۔ تو بے سر و پا اور جعلی روایتوں کو کون مانتا ہے۔" انتہت خرافاتہ تنقید متین ص ۲۰۶

بدترین جاہل اور خائن تو وہ شخص ہے۔ جسے تطبیق بین الاخبار اور نسخ میں بھی تمیز نہیں۔ جو تطبیق کو نسخ سمجھتا ہے۔ باقی سند کے مجروح ہونے سے کسی حدیث کو غیر معتبر قرار دے دینا سرفراز صاحب کی جہالت پر قاہر برہان ہے۔ ارباب فہم سے مخفی نہیں۔ کہ جس حدیث پر اہل علم حضرات نے اعتماد کیا ہو وہ حدیث معتبر تسلیم کی جاتی ہے۔ اگر چہ سند کے لحاظ سے بالکل مجروح کیوں نہ ہو۔ دیکھئے مسح رقبہ والی حدیث کا ضعف مشہور ہے۔ لیکن چونکہ اہل علم

نے اس پر اعتماد کیا۔ اسلئے اس کو آجتک تسلیم کیا جاتا ہے۔ اہلِ سنت حنفیہ کا مسلک ہے۔ کہ فاسق کے پیچھے نماز جائز ہے۔

شرح عقائد میں ہے۔ ویجوز الصلواۃ خلف کل بر و فاجر لقولہ علیہ الصلواۃ والسلام صلوا خلف کل بر و فاجر اور اس حدیث کی سند پر ناقدین حدیث نے شدید جرح کی ہے۔ نبراس ص ۲۴۵ پر ہے وذکر السخاوی طرق ھذا الحدیث واھیۃ کلھا کما صرح بہ غیر واحد من العلماء۔ امام سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث جتنے طرقوں سے مروی ہے وہ کل کے کل واہیات ہیں۔ حاشیہ نبراس میں ہے کہ اس حدیث کی ایک سند میں عثمان بن عبدالرحمٰن ہے۔ اس کو یحیٰ بن معین نے کاذب قرار دیا ہے۔ دوسری سند میں خالد بن اسمٰعیل ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ ایک اور سند میں ابوالولید مخزومی ہے۔ اور وہ مجہول الحال ہے اور بعض لوگوں نے اس کو کذاب قرار دیا۔ ایک اور سند میں محمد بن فضل ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ اسی طرح امام ابن حجر عسقلانی نے درایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں بھی اس کی اسناد پر دل کھول کر جرح کی ہے۔ اسی طرح اہلسنت حنفیہ کا مسلک ہے کہ مہر میں کم از کم دس درہم کی مقدار معتبر ہے۔ شرح وقایہ ص ۳۲ ج ۲ پر ہے اقلہ عشرۃ دراھم ھذا عندنا اور جن تمام احادیث سے مہر کی اقل مقدار دس دراہم ثابت ہے۔ ان پر جرح کرتے ہوئے مولوی عبدالحیٔ لکھنوی عمدۃ الرعایہ میں اسی مقام پر لکھتے ہیں۔

ان ھذہ الاحادیث کلھا اسانیدھا مجروحۃ غیر قابلۃ	ان تمام احادیث کی اسناد مجروح ہیں اور احتجاج و استدلال کے لائق

لان یحتج بها واجاب عنه العینی فی البنایة انه اذا روی الحدیث من طرق مفرداتها ضعیفة تصیر حسنا و یحتج به اقول لا یخفی ما فیه فان بکثرة الطرق انما یصیر الحدیث حسنا اذا کان الضعف فیها یسیرا ینجبر بالتعدد لا اذا کانت شدیدة الضعف بان لا یخلوا واحد منها عن کذاب او متهم الامر فیما نحن فیها کذالك

نہیں اور علامہ بدرالدین عینی شارح ہدایہ نے بنایہ میں اس کے جواب میں کہا کہ جب کوئی حدیث طرق متعددہ سے مروی ہو۔ تو وہ حسن ہو جاتی ہے اگرچہ ہر طریقہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو میں عینی کے رد میں یہ کہتا ہوں کہ کثرت طرق سے حدیث حسن تب ہوتی ہے جب ضعف کم ہو پس کیف کے ضعف کی تلافی کم کی قوت سے ہو جاتی ہے لیکن جب ضعف بہت شدید ہو باین طور کہ کوئی سند بھی کاذب یا متہم بالکذب راوی سے خالی نہ ہو۔ پھر حدیث حسن کے درجہ کو نہیں پہنچتی اور ہمارا کلام جس حدیث میں ہے وہ ایسی ہی ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے اگر سرفراز صاحب کے قاعدہ کو مان لیا جائے کہ مجروح السند حدیث کا بالکل اعتبار نہیں ہوتا تو کسی مذہب کا کوئی ضابطہ باقی نہیں رہیگا حقیقت میں جس خطرناک راستہ کی سرفراز صاحب نشاندہی کر رہے ہیں۔ وہ غیر مقلدوں کے اس اندھے کنوئیں کی طرف لے جاتا ہے۔ جس میں گرنے کے بعد انسان ہوائے نفسانی کا تابع ہو جاتا ہے اور ہر قسم کے ضابطوں اور قیود سے آزاد ہو کر شتر بے مہار ہو جاتا ہے آپ کو ائمہ اربعہ کے مذاہب میں بے شمار ایسے مسالک مل جائیں گے جو ان احادیث پر مبنی ہیں۔ جو سند کے لحاظ سے مجروح ہیں بلکہ خود غیر مقلدوں کے

ان گنت مسائل ایسی احادیث پر مبنی ہیں۔ جو سند کے لحاظ سے شدید ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ اسلئے ائمہ حدیث نے حجیت حدیث کے ضوابط میں سے ایک یہ ضابطہ بھی بیان فرمایا ہے کہ جس حدیث پر اہل علم اعتماد کریں اسے تسلیم کیا جائیگا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ امام جلال الدین سیوطی التعقبات علی الموضوعات میں فرماتے ہیں۔

اشار بذالک الی ان الحدیث اعتضد بقول اہل العلم وقد صرح غیر واحد بان من دلیل صحة الحدیث قول اہل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله۔ یعنی امام ترمذی نے اس سے اشارہ فرمایا کہ اس حدیث کو قول علماء سے قوت مل گئی اور بے شک متعدد آئمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت بھی صحت حدیث کی دلیل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کیلئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد جبکہ یہ ثابت ہوگیا کہ اہل علم کی موافقت بھی صحت حدیث کی دلیل ہوتی ہے۔ اب ہم آپ کی خدمت میں ان اہل علم کے اسما اور ان کی کتابوں کے نام پیش کرتے ہیں۔ جن میں انہوں نے اس حدیث کی موافقت کی ہے۔ امام فخر الدین رازی اسی آیۃ کریمہ میں سنعذبھم مرتین کے تحت فرماتے ہیں۔

روی السدی عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام خطیبا یوم الجمعة فقال اخرج یا فلان انک منافق الحدیث

سدی نے حضرت انس سے روایت کیا کہ نبی علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ دیا۔ فرمایا نکل اے منافق۔ الحدیث

ابو سعود نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت فرمایا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام خطیبا یوم الجمعۃ فقال اخرج یا فلاں فانک منافق الحدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روائت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا نکل اے منافق الحدیث

اسی طرح درمنثور میں امام سیوطی نے اس آئیت کے تحت حضرت ابن عباس کی اس روائت کو ذکر کیا۔ سراج المنیر۔ معالم التنزیل۔ خازن ابن جریر۔ جمل اور صاوی ان سب نے اسی آئیت کے تحت سدی کی اس روائیت سے موافقت کی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی جلیل القدر علمار فن نے بھی اس حدیث سے موافقت کی ہے اور سب کو چھوڑے دیوبند کے مستند اور سرفراز صاحب کے مسلم شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں اس حدیث سے دو جگہ موافقت کی ہے۔ ایک ص۶۷۷ پر ولتعرفنھم فی لحن القول کے تحت جس کو ہم ماسبق میں نقل کر چکے ہیں۔ اور دوسری جگہ ص۲۶۸ پر سنعذبھم مرتین کے تحت لکھتے ہیں۔ مثلاً ابن عباس کی ایک روائیت کے موافق حضور نے جمعہ کے روز ممبر[1] پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا۔ اخرج فانک منافق یعنی تو منافق ہے۔ مسجد سے نکل جا۔ انتھی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ یہ وہی مولوی سرفراز صاحب کی اقرار کردہ جعلی اور بے سر و پا روائیت ہے جس کی موافقت باقی مفسرین نے تو اپنی کتابوں میں ایک جگہ کی ہے۔ اور عثمانی صاحب نے اپنی تفسیر میں اس کی دو جگہ موافقت کی ہے۔ اور اگر آپ میں واقعی دیانت اور انصاف ہے

[1] اصل تفسیر میں لفظ اسی طرح لکھا ہے اور صحیح منبر ہے۔

تو اب اپنے شیخ الاسلام پر دو مرتبہ دہی تبرّا دہرائیں جو آپ نے صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اپنی رسول دشمنی کی وجہ سے تنقید متین میں صفحہ در صفحہ کیا ہے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کو وصال پائے ہوئے برسوں گذر چکے ہیں لیکن وہ عظمت رسالت کے ایسے عظیم نشان ظاہر کر گئے ہیں جن کی تب و تاب آج تک اہل تنقیص کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں اور یہ نشان ان کی جان پر ایسا عذاب بن گئے ہیں کہ وہ اس سے کسی طرح چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ جب کچھ بس نہیں چلتا تو صدر الافاضل کی شان میں نازیبا کلمات کہتے ہیں۔ اور انہیں سب وشتم کر کے اپنے نفس کو تسکین دے لیتے ہیں۔ تنقید متین کے تقریباً ہر صفحہ کو سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل پر تبرا کر کے سیاہ کیا ہے مبتدعین دیوبند عموماً اور سرفرازی طبقہ خصوصاً اعلحضرت قدس سرہٗ اور صدر الافاضل کو اپنی تضحیک کا نشانہ بناتا ہے۔ آخر ان لوگوں کا جرم کیا ہے۔ کیا یہی کہ انہوں نے علم اقدس کو بہائم سے تشبیہ دینے والے کو مسلمان ماننے سے انکار کر دیا۔ کیا ان کا قصور یہی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم اسکو رسول کا امتی تسلیم نہیں کر سکے جو آپ کے علم کو ابلیس کے علم سے کم سمجھتا ہو۔ بلاریب یہ حضرات اس دین سے باغی تھے جسمیں کمالات رسالت کے انکار کو توحید اور عظمت نبوت میں تنقیص کو عبادت سمجھا جاتا تھا جس دین نے ایسی بدعات پیدا کیں جنکی وجہ سے اللہ کا نہ وجود واجب رہا نہ عدم ممتنع رہا۔ جنہوں نے خدا کیلئے کذب جہل اور تمام امور قبیحہ کو جائز قرار دیدیا۔ وہی دین آج اپنے آپکو سنت کا علمبردار کہلاتا ہے۔ ہم نے اس کتاب میں واشگاف الفاظ سے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ بدعت کس کا دین ہے اور سنت کس کا مذہب ہے اور اب کھوج لگانیوالی نگاہوں کیلئے یہ امر مخفی نہیں رہیگا کہ اس دنیا میں اگر کوئی بد ترین جو بدعت ہو سکتی ہے تو وہ دیوبند کا اختراع کردہ مذہب ہے۔

اباحت اصلیہ

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمتہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ حرام چیزوں کا مفصل ذکر ہوتا ہے اور ثبوت حرمت کیلئے حکم حرمت درکار ہے اور جس چیز پر شریعت میں حرمت کا حکم نہ ہو وہ مباح ہے۔ انتھی کلامہ۔ اور ص۲۲۳ و ص۲۴۴ کے تحت فرمایا ہے فرمایا ہے کہ (آیۃ) قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہٖ والطیبٰت من الرزق الآیۃ میں دلیل ہے کہ کھانے اور پینے کی تمام چیزیں حلال ہیں۔ سوائے ان کے جن پر شریعت میں دلیل حرمت قائم ہو۔ کیونکہ یہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے۔ مگر جس پر شارع نے ممانعت فرمائی ہو۔ اور اسکی حرمت دلیل مستقل سے ثابت ہو۔ انتھی کلامہ۔

ص۲۴۶ پر لکھا ہے کہ کھانے پینے کی لذیذ چیزیں مسئلہ آیت اپنے عموم پر ہے۔ ہر کھانے کی چیز اس میں داخل ہے۔ جس کی حرمت پر نص وارد نہ ہو۔ (خازن) تو جو لوگ توشہ۔ گیارہویں۔ میلاد شریف۔ بزرگوں کی فاتحہ۔ عرس مجالس۔ شہادت وغیرہ کی شیرینی سبیل کے شربت کو ممنوع کہتے ہیں۔ وہ اس آیت کا خلاف کرکے گنہگار ہوتے ہیں۔ اور اسکو ممنوع کہنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے اور یہی بدعت و ضلالت ہے۔ انتھی کلامہ۔

صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے اپنی اس تحقیقی کلام سے ثابت کردیا ہے کہ حلال اشیاء کو حرام کہنے کی بدعت دیوبندنے اختراع کی ہے اور مبتدعین دیوبند

کے فریب کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بدعتوں کو سنت کا نام دے دیا اور اس طرح بزعم خویش محاسبہ سے بری ہو گئے۔ اور اپنی بدعات کی پردہ پوشی کیلئے اہل سنت کو بدعتی کہنا شروع کر دیا۔ اس قسم کی ذہنیت کا مظاہرہ سرفراز صاحب نے ص ۲۰۹ پر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

تنقید اہل بدعت نے اپنے حلوے، مانڈے کے لئے آئے دن جو نئی نئی بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ ان بیچاروں کے پاس کوئی شرعی دلیل تو موجود نہیں۔ بلکہ دلائل شرعیہ۔ ان تمام اختراعات کا قلع قمع کرنے کیلئے کافی ووافی ہیں۔ جب اہل بدعت ان اختراعات پر براہین سے قاصر رہے۔ تو انہوں نے پہلوانوں کی طرح پینترا بدل کر اس مسلک کی تائید واشاعت شروع کر دی کہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں اصل تو ہے ہی اباحت۔ لہذا گیارہویں ہو یا توشہ۔ شربت کی سبیل ہو یا مجالس شہادت وغیرہ کے لذیذ کھانے یہ سب حلال ہیں اور عوام کو یہ باور کرانے کے لئے اس تحریر سے بھی کوئی گریز نہ کیا۔ کہ یہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے۔ کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے۔ اور اس لئے ہم بھی ذرا وضاحت سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے یہ تمام دعوے بے حقیقت اور صرف غائشی ہیں۔ انتہی کلامہ۔

اباحت اصلیہ اور مفسرین حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اوپر جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ سب حق وصواب ہے۔ تفاسیر معتبرہ کے مطابق ہے۔ اور جن آیتوں سے حضرت نے اباحت اصلیہ کا استنباط کیا ہے۔ ان سے باقی مفسرین بھی اباحت کا استخراج کرتے ہیں۔ پھر مولوی سرفراز صاحب نے اگر اس پر تبرا کرنا تھا۔ تو تمام اکابر مفسرین پر کرتے۔ حضرت صدر الافاضل کو سب وشتم کے ساتھ

کیوں خاص کیا ہے۔ ہمیں اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی سمجھ نہیں آتی کہ چونکہ صدر الافاضل نے دیوبندی بدعات اور رسول دشمن عیاروں کا محاسبہ کیا ہے۔ اسلئے ان کا قلم رگ وہابیت میں نشتر کی طرح چبھتا ہے۔ ورنہ یہ سب کچھ تو دوسرے مفسرین نے بھی بیان فرمایا ہے۔ دیکھئے امام رازی صہ ۲۰۱/۳ پر فرماتے ہیں۔

واعلم ان قوله کلوا واشربوا مطلق یتناول الاوقات والاحوال ویتناول جمیع المطعومات والمشروبات فوجب ان یکون الاصل فیها هو الحل فی کل الاوقات وفی کل المطعومات والمشروبات الا ما خصه الدلیل المنفصل والعقل ایضا مؤید له لان الاصل فی المنافع الحل والاباحة

جان لو کہ اللہ تعالے کا قول کلوا واشربوا مطلق ہے۔ جو تمام اوقات اور احوال کو شامل ہے اور اسی طرح تمام کھانے پینے کی چیزوں کو محیط ہے پس چاہیئے کہ تمام ماکولات مشروبات کو ہر وقت اور ہر حال میں کھانا جائز ہو۔ مگر جس کو کسی دلیل شرعی نے حرام کر دیا ہو اور عقل بھی اسکی مؤید ہے کیونکہ اصل تمام منافع میں حلت اور اباحت ہے۔

غور فرمائیے۔ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کو سرفراز صاحب اسلئے کوس رہے ہیں کہ انہوں نے اباحت اصلیہ سے گیارہویں وغیرہ کی اباحت پر استدلال کیا تھا لیکن اب امام رازی کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا جنہوں نے اس اباحت اصلیہ کے قانون سے ہر ماکول اور مشروب کو جائز قرار دیا ہے اور یہ صرف امام رازی کی انفرادیت نہیں بلکہ تمام آئمہ اور مفسرین کا یہی حال ہے کیا آپ کے خیال میں یہ تمام کے تمام پیٹو اور کھانے پینے کے رسیا ہیں کاش آپ نے اپنے گریبان میں بھی جھانکا ہوتا۔ آپ کے پیٹ میں تو دنیا

دنیا کی ہر حرام چیز پہنچ چکی ہے۔ خواہ دیوالی کی پوریاں ہوں یا زاغ معروف حیرت ہے کہ جو لوگ کوؤں تک کو نہیں چھوڑتے۔ ہندو جن کے برتنوں کو کتے چاٹتے ہیں۔ ان کے ہاتھ کا پکا ہوا بھی معاف نہیں کرتے وہ دوسروں کو کھانے پینے کا طعنہ دیتے ہیں۔ باقی آپ کا یہ کہنا کہ گیارہویں وغیرہ پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ تو کاش اصول الشاشی اور نور الانوار ہی آپ نے پڑھا ہوتا تو آپ کو پتہ چلتا کہ اباحت اصلیہ خود دلیل شرعی ہے۔ اس کے علاوہ بھی علماء اہل سنت نے اس مسئلہ پر اپنی تصنیفات میں وافر دلائل پیش کئے ہیں اور ہم نے بھی اس کتاب کے تیسرے باب میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ فلیراجع۔

علامہ بیضاوی قل من حرم زینۃ اللّٰہ التی الآیۃ کے تحت فرماتے ہیں وفیہ دلیل علی ان الاصل فی المطاعم والملابس وانواع التجملات الاباحۃ

اور اس آیت میں اس پر دلیل ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء پر اچھی چیزوں میں اباحت اصل ہے

اب آپ کس کس کو کوسیں گے؟ یاد رکھئے کہ میدان استدلال میں صرف دلائل کام آتے ہیں۔ عورتوں کی طرح کوسنے سے کام نہیں چلتا۔

درمختار اور تفسیر احمدی سے حوالے اور ان کا جواب

سرفراز صاحب نے ملا جیون اور درمختار کے حوالے دے کر بزعم خویش یہ ثابت کیا ہے۔ کہ اباحت اشیاء ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اور جمہور اصل میں اشیاء کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور معتزلہ اباحت کے۔ چنانچہ ص ۲۱۰ پر لکھتے ہیں۔ الغرض یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور جمہور حرمت اور توقف کے قائل ہیں اور اباحت معتزلہ

کا قول ہے۔ انتھی کلامہ

اور اس عبارت سے سرفراز صاحب عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اباحت صرف معتزلہ کا قول ہے اور اہل سنت خصوصاً احناف کا یہ مسلک نہیں ہے۔ ص ۲۰۹ پر لکھتے ہیں "اور کوفیوں کا جن میں حضرت امام ابو حنیفہ بھی ہیں۔ یہ مسلک ہے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے۔ انتھی کلامہ

مولوی سرفراز صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ محض جھوٹ اور افتراء ہے چونکہ دیوبندی بدعت کی بنیاد ہی کذب پر ہے۔ اسلئے وہ بغیر خوف آخرت کے جھوٹ بولتے ہیں اور بے تحاشا بولتے ہیں۔ ان کے اس کلام میں جھوٹ کے علاوہ خیانت کا بھی بڑا حصہ موجود ہے۔ دیکھئے تفسیر احمدی کے جس حوالہ سے انہوں نے اباحت کو ایک طائفہ کا مسلک ظاہر کیا ہے۔ اسی صفحہ پر اسی عبارت سے متصل یہ عبارت ہے۔ جو ان کی خائن نگاہ کو نظر نہ آئی۔

ولا یظھر ثمرتہ الا فی قولہ علیہ السلام لا تبیعوا الطعام الا سواء بسواء فان عندنا الاصل ھو اباحۃ الربوا حتی یعفوا عنہ عدم القدر والجنس و اغا تثبت الحرمۃ اذا وجد جمیع الشرائط وعند الشافعی الاصل ھو الحرمۃ فی کل حال فی باب الربوا۔ تفسیر احمدی ص ۱۳۔

اور اصل میں اباحت یا حرمت کا ثمرہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر مرتب ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ طعام کو نہ بیچو۔ مگر برابر برابر پس ہم (احناف اہلسنت) کے نزدیک ربوا میں اصل اباحت ہے حتی کہ جب قدر اور جنس نہ ہوں تو زیادتی جائز ہو گی اور حرمت تب ثابت ہو گی جب تمام شرائط پائی جائیں اور امام شافعی کے نزدیک ہر حال میں اصل حرمت ہے۔

اس حوالہ کے سامنے آجانے سے یہ ظاہر ہوگیا کہ احناف اہلسنت کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے اور ساتھ ہی گھڑ کی خیانت کا راز بھی بیچ چوراہے پر فاش ہوگیا۔

اس کے بعد ہم سرفراز صاحب کے تحریر کردہ حوالہ درمختار کو بھی قارئین کی عدالت میں پیش کرتے ہیں:۔

الصحیح من مذھب اھل السنة ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحة رای المعتزلة۔

اہل سنت والجماعت کا صحیح مذہب ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے اور اباحت معتزلہ کا قول اور رائے ہے (تنقید متین ص ۲۱)

درمختار کی یہ عبارت قطعاً باطل اور مردود ہے۔ علامہ شامی نے ردالمحتار میں اس کو چار وجوہ سے رد کر دیا ہے۔ اور پٹے ہوئے مہروں کو صفحہ استشہاد پر پیش کرنا گھڑ کے غازیوں سے ہی متصور ہو سکتا ہے ہم ذیل میں اس کے بطلان کی چوتھی وجہ پیش کر رہے ہیں:۔

الرابع ان نسبة الاباحة الی المعتزلة یخالف لما فی کتب الاصول ففی تحریر ابن الھمام المختار الاباحة عند جمھور الحنفیة و الشافعیة اھ وفی شرح اصول البزدوی للعلامة الاکمل اکثر اصحابنا واکثر اصحاب الشافعی ان الاشیاء التی یجوز ان یرد الشرع باباحتھا وحرمتھا قبل ورودہ علی

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اباحت کی نسبت معتزلہ کی طرف کرنا کتب اصول کے مخالف ہے کیونکہ امام ابن ہمام تحریر میں فرماتے ہیں۔ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں مختار اباحت ہے اور علامہ اکمل نے اصول بزدوی کی شرح میں فرمایا۔ ہمارے اکثر اصحاب (احناف) اور اکثر اصحاب شافعی کا مذہب ہے کہ اشیاء میں ورود شرع

علی الاباحة وھی الاصل فیھا حتی ابیح لمن لم یبلغه الشرع ان یاکل ماشاء والیه اشار محمد فی الاکراہ حیث قال اکل المیتة وشرب الخمر لم یحرما الا بالنھی فجعل الاباحة اصلا والحرمة بعارض النھی وھو قول الجبائی و ابی ھاشم واصحاب الظاھر و قال بعض اصحابنا وبعض اصحاب الشافعی ومعتزلة بغداد انھا علی الحظر وقال الاشعریة وعامة اھل الحدیث انھا علی الوقف

قبل اباحت تھی اور یہی ان میں اصل ہے۔ یہانتک کہ جس شخص تک شریعت نہیں پہنچی تو اس کے لئے جو وہ چاہے کھانا مباح ہے اور اسکی طرف امام محمد نے اکراہ میں اشارہ جہاں وہ فرماتے ہیں۔ مردار اور شراب کو نہی نے حرام کر دیا پس انہوں نے اباحت کو اصل قرار دیا۔ اور حرمت کو نہی سے عارض ٹھہرایا۔ اور جبائی۔ ابوھاشم اور اصحاب ظاہر کا بھی یہی قول ہے اور بعض حنفیہ بعض شوافع اور معتزلہ بغلد کا مسلک یہ ہے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے۔ اور اشعریہ اور عامہ اہلحدیث کا مسلک توقف ہے۔

دیوبندی مسلک کا فریب اب کسی شخص کیلئے بھی چیز خفا میں نہیں رہا، مردود اور باطل قول پر اپنے مسلک کی عمارت قائم کرکے مولوی سرفراز صاحب نے ارباب فہم کیلئے یہ روشنائی بہم پہنچائی ہے۔ کہ ان کا مذہب بھی ایسا ہی باطل ہے جس طرح وہ قول مردود ہے۔ جس کی بنیاد پر انہوں نے جھوٹ کا یہ مینار کھڑا کیا ہے۔

بہر نوع علامہ شامی کی اس تحقیق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اکثر اہل سنت اور اکثر شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ البتہ بعض حنفیہ اور بعض شافعیہ اس طرف گئے ہیں۔ کہ اصل حرمت ہے اور سرفراز

صاحب نے ان بعض کے قول کو جمہور اہل سنت احناف کے سر منڈھنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مسلم الثبوت ص۲۱ پر علامہ محب اللہ بہاری فرماتے ہیں۔

ان اصل الافعال الاباحۃ کما هو مختار الاکثر الحنفیۃ والشافعیۃ او الحظر کما ذهب الیہ غیرهم۔	تحقیق اصل افعال میں اباحت ہے جس طرح اکثر احناف اور شوافع کا مختار ہے یا حرمت جو بعض دوسرے لوگوں کا مذہب ہے۔

لیجئے اب ہم خود سرفراز صاحب کے کلام سے منوائے دیتے ہیں کہ اکثر احناف و شوافع کا مسلک اباحت اصلیہ ہے۔ دیکھئے باب جنت ص۹۰ پر لکھتے ہیں: "اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ اباحت کا قول صرف اکثر احناف و شوافع کا قول ہی نہیں بلکہ بصرہ کے معتزلہ کا قول بھی ہے اور حرمت کا مذہب بعض احناف و شوافع اور بغداد کے معتزلہ کا قول ہے"۔ انتہٰی۔

شکر ہے کہ آپ نے قبول تو کیا کہ اباحت اصلیہ اکثر احناف و شوافع کا مذہب ہے۔ ورنہ اَبتک تو آپ تنقید متین میں یہی ڈفلی بجا رہے تھے کہ جمہور حرمت اور توقف کے قائل ہیں۔ اور اباحت معتزلہ کا قول ہے،

رہا یہ امر کہ بعض معتزلہ نے بھی اباحت کا قول کیا ہے، تو کیا کریں اب کیا ہم خدا کو ایک ماننا اسلئے چھوڑ دیں کہ معتزلہ بھی خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں؟ سرفراز صاحب نشہ اُتر جانے کے بعد خامہ و قرطاس سے کھیلا کریں۔ نشہ کی جس ترنگ میں آکر آپ صفحہ کتاب کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں، وہ دنیا و آخرت دونوں میں آپ کو رسوا کرتی ہے

ورود شرع سے قبل کی تحقیق

اس مقام پر مولوی سرفراز صاحب کی دوسری تحریف ملاحظہ فرمائیے

ص ۲۱۰ پر لکھتے ہیں۔ " ثانیا اشیا کی اباحت وحرمت وغیرہ کا یہ اختلاف ورود شرع کے بعد سے متعلق نہیں بلکہ قبل سے ہے یعنی زمانہ فترت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جبکہ اصل شریعت حقمٹ چکی تھی اور صحیح دلائل لوگوں کے پیش نظر نہ تھے۔ تو اس دور کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت تھی یا حرمت یا توقف الٰے ان قال لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اباحت وغیرہ کے اس مختلف فیہا قاعدہ سے استدلال کرنا خالص جہالت اور نری خیانت ہے۔ انتہی کلامہ

راہ سنت ص ۱۰۶ پر سرفراز صاحب نے فواتح الرحموت کی جو عبارت اس موضوع پر نقل کی ہے۔ اسے بھی ہم پیش کئے دیتے ہیں۔

وانما هذا ای القول بالاباحة	اور یہ بات یعنی اباحت اصلیہ کا قول
الاصلية على زمان الفترة قبل	ہماری شریعت سے قبل زمانہ فترت
شريعتها يعنى اذلا اباحة حقيقة	پر محمول ہے۔ اور اباحت بھی بایں معنی
بل بمعنى نفى الحرج ولعل المراد من	کہ حرج کوئی نہ ہوگا، اور شاید کہ مراد
الافعال ما عدا الكفر ونحوه فان	افعال سے کفر وغیرہ کے علاوہ ہے کیونکہ
حرمتها فى كل شرع بين ظهوراتاما	کفر وغیرہ کی حرمت پر ہر ایک شریعت میں واضح اور غیر مبہم طور پر بیان کی گئی ہے۔

نبی علیہ السلام کی بعثت سے پہلے زمانہ فترت میں اشیاء کے بارے میں علماء اہل سنت کا اختلاف ہے کہ وہ اشیاء اصل میں مباح تھیں یا ممنوع۔ ان میں اصل توقف ہے اور اس کی توضیح علامہ عبد العلی کے کلام سے ہو گئی ہے لیکن اس اختلاف کے

باوجود علماء اہل سنت نے زمانہ فترت میں ورودِ شرع سے قبل کسی قسم کے حکم کو نہیں مانا پس علما اہل سنت کا اس میں اختلاف ہے کہ اشیاء اصل میں مباح تھیں یا ممنوع لیکن وہ اس زمانہ کے لوگوں کو اباحت یا حرمت کے حکم سے مکلف نہیں کرتے بخلاف معتزلہ کے کیونکہ وہ زمانہ فترت میں بھی اباحت وغیرہ کا حکم مانتے ہیں اور اس دور کے لوگوں کو اس حکم کا مکلف سمجھتے ہیں۔ سرفراز صاحب نے اپنی غباوت یا عناد سے جو کچھ سمجھا ہے وہ خالص معتزلہ کا مذہب ہے۔ علماء اہل سنت میں سے اکثر احناف اور شوافع کا مسلک ہے۔ کہ ورودِ شرع سے قبل اشیاء میں اصل اباحت تھی لیکن اباحت کا حکم ورود شرع کے بعد ہوگا۔ یعنی ورود شرع کے بعد جب کسی شئی پر وجوب یا حرمت کی دلیل نہ پائی جائے۔ تو اس کا عدم وجدان ہی اس اباحت اصلیہ کے مباح ہونے کی شرعی دلیل قرار پائے گا۔ اور اب شرعاً اباحت کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ فواتح الرحموت کا جو حوالہ پیش کرکے سرفراز صاحب نے اپنی فطری غباوت کی وجہ سے یہ سمجھا تھا۔ کہ اباحت اصلیہ کا حکم ورود شرع سے پہلے ثابت ہوتا ہے۔ اسی فواتح الرحموت میں اس امر کی تصریح ہے کہ اباحت اصلیہ کا حکم ورود شرع کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ ورود شرع سے قبل اباحت کا حکم ثابت کرنا معتزلہ کا مذہب ہے۔

دیکھئے فواتح الرحموت ص ۵۶ پر ہے۔

(والاباحۃ حکم شرعی لانہ خطاب الشرع تخییراً) والخطاب ھو الحکم الشرعی (والاباحۃ الاصلیۃ نوع منہ) ای من الخطاب بالتخییر (لانہ کل ما عدام فیہ المدارک

اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ وہ شرع کا ایسا خطاب ہے جس میں کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور اباحت اصلیہ اسی خطاب تخییری کی ایک قسم ہے کیونکہ وہ ہر شئے جس میں فعل یا ترک پر ضرر کی کوئی

الشرعی للحرج فی فعلہ وترکہ (فذالک) ای عدم المدرک الشرعی (مدرک شرعی بحکم الشرع بالتخییر) والاباحۃ الاصلیۃ لایکون الا فی موضع عدم المدرک الشرعی للحرج فی الفعل او الترک بل الحکم بخصوصہ اصلا فہناک مدرک شرعی للحکم بالتخییر فالاباحۃ الاصلیۃ فیہا حکم بالتخییر (فہی لاتکون الا بعد الشرع خلافا للمعتزلۃ) فانہم یقولون بالاباحۃ وغیرہا من الاحکام قبل الشرع

شرعی دلیل نہ پائی جائے تو یہ عدم وجدان اس امر کی شرعی دلیل ہے کہ شارع نے یہاں اختیار کا حکم دیا ہے اور اباحت اصلیہ کا حکم اسی جگہ ہوگا۔ جہاں فعل یا ترک پر ضرر کی کوئی خصوصی دلیل نہ پائی جائے پس یہ عدم وجدان اس اباحت کے حکم پر شرعی دلیل قرار پائے گا۔ اور اسی اباحت اصلیہ کا حکم ورود شریعت کے بعد ثابت ہوگا۔ بخلاف معتزلہ کے کیونکہ وہ اباحت اور دوسرے احکام کو ورود شرع سے قبل مانتے ہیں۔

مسلم الثبوت اور اس کے شارح بحر العلوم کے کلام سے یہ حقیقت تابناک ہوگئی۔ کہ اباحۃ اصلیۃ کا حکم ورود شرع کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ اور سرفراز صاحب جس مذہب کو پیش کر رہے ہیں۔ کہ یہ حکم ورود شرع سے پہلے ثابت ہوتا ہے۔ یہ قطعاً معتزلہ کا مذہب ہے۔ ہم شروع کتاب سے اس پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ کہ دیوبندی بدعت اعتزال سے ماخوذ ہے۔ اور سرفراز صاحب نے اپنے اس قول سے اس امر پر ایک اور تائید پیش کر دی۔

باب جنت ص ۹۳ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

" حافظ عبد الرحمٰن بن رجب الحنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ) وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ ورود شرع سے پہلے اشیا کی اباحت وحرمت وغیرہ کا

اختلاف اور ہے اور بعد کا اختلاف جدا ہے اور دونوں کو ایک قرار دینا بالکل غلط ہے (جامع العلوم والحکم ص ۲۴۹) انتھی کلامہ

اور یہی بات ہم کہنا چاہتے ہیں کہ ورود شرع سے پہلے کا اختلاف اور چیز ہے اولاً اس میں نہ ہماری ہے اور نہ ہمارا کلام۔ ہماری گفتگو تو ورود شرع کے بعد کہ جب بالخصوص کسی جزئیہ پر حلت وحرمت کی دلیل نہ پائی جائے۔ تو اس کا عدم وجدان ہی اس کے مباح ہونے کی دلیل شرعی ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی مسلم الثبوت اور فواتح الرحموت کا کلام اسکے ثبوت میں پیش کر چکے ہیں اور یہی صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مطلب ہے جسے آپ نے اپنی ہوائے نفسانی کی بھینٹ چڑھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ما قبل میں ہم نے جن مفسرین کے حوالے پیش کئے تھے ان کا بھی مفاد یہی ہے۔ لیکن اسکو سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے اور یہی چیز آپ کے پاس نہیں ہے۔

ورود شرع کے بعد اباحت پر دلائل

اب ہم اس حقیقت کو مزید دلائل سے مبرہن کرتے ہیں۔ کہ جس امر کی حرمت وغیرہ پر حکم نہ لگایا ہو اس میں اصل اباحت ہے۔ اور عدم وجدان ہی حکم اباحت کی دلیل شرعی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ پر ہے۔

عن ابی ثعلبة الخشنی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرم حرمات فلا تنتھکوھا

ابو ثعلبہ خشنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے چند چیزوں کو فرض کیا پس ان فرائض کو مت ضائع کرو۔ اور کچھ چیزیں حرام کر

وحد حدودها فلا تعتدوها وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔

(یں پس ان محرمات کی پردہ دری مت کرو۔ اور بعض چیزوں کی حدود مقرر فرمائیں پس ان حدود سے تجاوز مت کرو اور باقی اشیاء سے اللہ تعالیٰ نے بغیر نسیان کے سکوت فرمایا پس ان میں بحث مت کرو

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ ج ۱ ص ۲۶۳ پر فرماتے ہیں۔

ای لا تفتشوا عن تلک الاشیاء دل علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کقولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔

نبی علیہ السلام کا فرمان باقی چیزوں سے بحث مت کرو۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲ پر ہے۔

عن ابن عباس قال کان اھل الجاھلیۃ یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذرا فبعث اللہ نبیہ وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ چیزیں کھاتے اور کچھ کراہت سے چھوڑ دیتے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل فرمائی جس نے حلال کو حلال کر دیا اور حرام کو حرام پس جسے اللہ نے حلال کیا وہ حلال ہے۔ جسے حرام کیا وہ حرام ہے اور جس سے اللہ نے سکوت کیا وہ عفو ہے۔

اس حدیث کے تحت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ج ۳ ص ۴۶۹ پر فرماتے ہیں۔

از ینجا معلوم مے شود کہ اصل در اشیاء اباحت است

اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

اور مشکوٰۃ شریف ص۳۶۷ پر ہے۔

عن سلمان قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن السمن والجبن والفرو فقال الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فہو مما عفا عنہ رواہ ابن ماجہ والترمذی)

سلمان سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام سے روغن پنیر اور پوستین یا حمار وحشی کے بارے میں پوچھا گیا۔ آیا حلال ہیں پس آپ نے فرمایا کہ حلال وہ ہے جس کے حلال ہونے کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا اور حرام وہ ہے جس کے حرام ہونے کا اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیا۔ اور جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا پس وہ عفو ہے۔

اس کے تحت شیخ محقق اشعۃ اللمعات ص۵۰۶ جلد۳ پر فرماتے ہیں۔

وایں دلیل است بر آنکہ اصل در اشیا اباحت است۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ امر بالکلیہ صیقل ہو گیا کہ اباحت کا حکم بعثت کے بعد ہوگا اور حرمت وغیرہ کی دلیل کا نہ ہونا ہی اباحت کی شرعی دلیل ہے۔ اور اسی اباحت شرعیہ سے اصولیین اور فقہاء نے استدلال کیا ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے علماء اصولیین کے سربراہ امام فخر الاسلام کا کلام پیش کرتے ہیں۔ جسے ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرات احمدیہ کے ص۱۲ پر نقل کیا ہے۔

وانما جعلنا المبیح اصلا والمحرم ناسخا بناء علی زمان الفترۃ بین عیسیٰ ومحمد علیہ السلام

ہم نے مبیح کو اصل اور محرم کو ناسخ اس وجہ سے قرار دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضور علیہ السلام

قبل شریعتنا فانہ کان الابلحۃ اصلا حینئذٍ ثم بعث نبینا علیہ السلام یبیعا الاشیا المحرمۃ و بقی ما سواھا حلالا مباحا۔ انتھی کلامہ۔ تفسیر احمدی ص۲

کہ درمیانی زمانہ فترت میں اشیاء کی اصل اباحت تھی۔ پھر نبی علیہ السلام مبعوث ہوئے اور آپ نے بعض اشیاء کی حرمت بیان فرمائی اور باقی اشیا اپنی اصل پر مباح رہیں یعنی اب ان کے لئے اباحت کا حکم ثابت ہو گیا۔

نبی علیہ السلام کی بعثت کے بعد اباحت اصلیہ سے استدلال کرنے کو سرفراز صاحب نے نری خیانت اور خالص جہالت قرار دیا ہے۔

آیئے اب ہم آپ کے سامنے ان حضرات کی عبارات پیش کریں جنہوں نے بعثت کے بعد اباحت اصلیہ سے استدلال کیا ہے اور یہ وہ ستون ہیں جن کے کاندھوں پر حنفی عمارت قائم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ گکھڑ کے فضلائ انہیں نرا خائن اور خالص جاہل سمجھتے ہوں۔ امام فخر الاسلام کا کلام ہم پیش کر چکے ہیں۔ اب خود ملا جیون کا کلام ملاحظہ فرمایئے۔

تفسیر احمدی ص۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں

ولا یظھر ثمرتہ الا فی قولہ علیہ السلام لا تبیعوا الطعام الا سواء بسواء فان عندنا الاصل ھو اباحۃ الربوا حتی یعفو عنہ عدم القدر و الجنس وانما ثبت الحرمۃ اذا وجد جمیع الشرائط۔

اور اصل میں اباحت یا حرمت کے اختلافات کا ثمرہ نبی علیہ السلام کے اس فرمان پر مرتب ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ طعام کو نہ بیچو مگر مساوی کے بدلے میں مساوی پس ہمارے نزدیک اصل میں زیادتی مباح ہے۔ یہاں تک کہ قدر اور جنس متحد نہ ہونے پر زیادتی معاف ہو گی اور حرمت اسوقت ثابت ہو گی جب اسکے جمیع شرائط پائے جائیں۔

اس استدلال کی توضیح یہ ہے کہ سود میں حرمت کی علت احناف کے نزدیک اتحاد قدر اور جنس ہے مثلاً ایک صاع چاول کی بیع ایک صاع چاول کے بدلے میں جائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص صاع سے قدر زائد لے گا۔ تو یہ سود ہوگا لیکن اگر ایک صاع چاول کے بدلے میں وہ گندم بیچتا ہے تو آپ گندم صاع سے زیادہ دے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔

پس فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی جائز ہے۔ کیونکہ اصل میں بیع کے اندر زیادتی جائز تھی۔ شارع نے صرف اتحاد جنس کی صورت میں زیادتی حرام کی ہے پس جنس نہ ہونے کی صورت میں زیادتی اپنی اصل پر مباح رہے گی۔ اسی طرح اتحاد قدر بھی حرمت میں شرط ہے۔ اور قدر سے مراد معروف اور مقرر قدر ہے۔ لہذا صاع کے بدلے صاع میں تو تفاضل حرام ہے لیکن اگر قدر معروف نہ ہو۔ اور ایک مٹھی کے بدلے دو مٹھیاں لی جائیں۔ تو یہ زیادتی جائز ہے۔ کیونکہ زیادتی اصل میں مباح تھی شارع علیہ السلام نے قدر مخصوص میں زیادتی حرام کی پس یہ زیادتی اپنی اصل پر مباح رہے گی۔ اب آپ غور فرمائیے کہ اباحت اصلیہ سے یہ استدلال بعثت سے قبل ہے یا بعد۔

اور نور الانوار ص ۲۳۲ پر ملا جیون رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کی تقریر میں فرماتے ہیں۔

و نقول ھکذا لا تبیعوا الطعام بالطعام فی حال من الاحوال الا فی حال المساواۃ والاحوال ثلثۃ وھی المساواۃ والمفاضلۃ

اور ہم احناف اہل سنت اس حدیث میں اس طرح تقدیر کرتے ہیں کہ طعام کی طعام کے ساتھ کسی حال میں بیع نہ کرو مگر حال مساواۃ میں اور کل تین حال ہیں۔ ایک

والمجازفة وكلها احوال الكثير	بغیر پیمائش کے اندازے سے بیچنا دوسرا
فتحل منه المساواة وتحرم	زیادتی سے بیچنا تیسرا مساوات سے
المفاضلة والمجازفة والقليل غير	پس پہلے دو حرام ہیں اور آخری حلال
متعرض به اصلا لا في المستثنى	ہے اور طعام قلیل کا ذکر نہ مستثنیٰ میں
ولا في المستثنى منه فبقي على	ہے نہ مستثنیٰ منہ میں پس قلیل اپنی اصل پر
الاصل الذي هو الاباحة فيجوز	رہا۔ اور وہ اباحت اصلیہ ہے پس
بيع الحفنة بالحفنة ولكن ابالحفنتين	ایک مٹھی کی بیع ایک مٹھی اور دو مٹھی دونوں کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

اور تلویح ص ۳۰۲ پر علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

اذا جمع بين خصال الكفارة	جب خصال کفارہ کو جمع کر لیا جائے
فان الاتيان بالمامور به انما	تو مامور بہ کا حصول تو صرف ایک صورت
يكون في واحدة منها و	میں ہو گا اور باقی خصال کا جائز ہونا اباحت
جواز غيرها انما هو بحكم الاباحة	اصلیہ کی بنا پر ہے۔ حتیٰ کہ اگر اباحت
الاصلية حتى لو لم يكن لم يجز	اصلیہ نہ ہوتی تو جائز نہ ہوتا۔

اس استدلال کی توضیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کے کفارہ میں فرمایا کہ دس مساکین کو کھانا کھلایا جائے یا انہیں کپڑے پہنائے جائیں یا غلام آزاد کیا جائے اب ان تین میں سے کسی ایک پر عمل کیا جائے تو کفارہ ادا ہو جائیگا۔ لیکن اگر کوئی باقی دو پر بھی عمل کرنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں۔ علامہ فرماتے ہیں۔ چونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ اسلئے باقی پر عمل کرنا بھی جائز ہے اور اگر اباحت اصلیہ نہ ہوتی تو جائز نہ ہوتا۔

دیوبندی شہادت

اور سب کو چھوڑیئے۔ سرفراز صاحب

کے حکیم الامت صاحب طریقہ مولود کے ص۱۲ پر لکھتے ہیں۔

"اصول شرعیہ میں سے اور نیز قواعد عقلیہ میں سے یہ امر مسلم ہے۔ کہ جو فعل نہ مامور بہ ہو نہ منہی عنہ یعنی نصوص شرعیہ میں ان کے کرنے کی ترغیب اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت۔ ایسا امر مباح ہوتا ہے (بحوالہ باب جنت ص۱۲۴)

اب بتلائیے سرفراز صاحب کہ یہ اباحت اصلیہ ورود شرع سے پہلے کی ہے یا بعد کی۔ ورود شرع کے بعد جن مخصوص اشیاء کا نہ امر کیا گیا ہو نہ ان سے روکا گیا ہو۔ ان میں اصل اباحت ہے اور تھانوی صاحب کے نزدیک یہ اباحت مسلم ہے اور عقلی نقلی دلیل سے ثابت ہے۔ اب یا تو تھانوی صاحب کو جاہل بنائیے۔ اور اس امر مسلم کا انکار کیجئے یا اپنی جہالت کا اعتراف کر کے حق کی طرف رجوع کیجئے اور سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ اہل سنت کے معمولات کی نصوص شرعیہ سے ممانعت ثابت ہے۔ تو گذارش ہے کہ گیارہویں کے ایصال ثواب سوئم۔ اور عرس اور میلاد وغیرہ کسی ایک کی ممانعت پر ہی آپ نصوص شرعیہ تو الگ ہے۔ ایک ہی نص شرعی پیش کر دیجئے۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔ اس کے برخلاف ہم ان میں سے ہر ایک کے نفس تحقق اور کلیت پر نصوص شرعیہ پیش کر چکے اور شرعی کلیہ کے افراد کو بدعات میں داخل کرنا انتہائی جہالت اور گمراہی ہے۔

تھانوی صاحب طریقہ مولود ص۱۳ پر لکھتے ہیں۔

"عمل مولود شریف بہ ہیئت وقیود مخصوصہ ظاہر ہے۔ کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ ہے اور نہ کسی دلیل شرعی سے ممنوع تو فی حد ذاتہ مباح ٹھہرا۔ انتہٰی۔

اس پر سرفراز صاحب کہتے ہیں حضرت تھانوی نے کیا صرف عمل مولود شریف کو بقیود مخصوصہ مباح کہا ہے یا سب چیزوں کو مفتی صاحب ایک آدھ چیز کے مباح ہونے سے اشیاء کی اباحت جو آپ کا مدعٰی ہے کیسے ثابت ہوا۔ انتھٰی۔ باب جنت ص۲۵

شکر ہے سرفراز صاحب۔ کہ آپ نے ورود شرع کے بعد ایک آدھ چیز میں تو اباحت مان لی۔ ورنہ پہلے تو آپ مطلقاً انکار کئے جا رہے تھے۔ اگرچہ آپ کو تھانوی صاحب کے کلام میں اباحت اصلیہ کا کلیہ سمجھ میں نہیں آیا بہر حال ہم سمجھائے دیتے ہیں۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ ورود شرع کے بعد جن اشیاء مخصوصہ کا نہ حکم ہو۔ نہ ان سے ممانعت ہو۔ تو ان میں اصل اباحت ہے اور اسی کلیہ کو تھانوی صاحب نے ص۱۴۲ پر ان الفاظ سے بیان کیا کہ جو فعل نہ مامور ہو نہ منہی عنہ ہو۔ نصوص شرعیہ میں نہ اس کے کرنے کی ترغیب اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت ایسا امر مباح ہوتا ہے۔ انتھٰی کلامہ۔

بتلائیے سرفراز صاحب۔ یہ ایک آدھ امر کی اباحت ہے یا اباحت کا قاعدہ کلیہ ہے۔ اور اسی کلیہ سے تھانوی صاحب نے عمل مولد کی اباحت پر استدلال کیا ہے۔ کہئے سرفراز صاحب اب بھی آپ کی سمجھ میں اباحت اصلیہ آئی یا کیا کچھ کسر باقی رہ گئی ہے۔ اور یہ ہیں سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی۔ یا ایّھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء کے تحت ص۱۶۱ حاشیہ ص۲ پر لکھتے ہیں۔

جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں۔ ان کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے۔ اس کا سکوت بھی

ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال و حرام کر دیا۔ وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقعہ ملا۔ عمل کرنے والے اس کے فعل و ترک میں آزاد رہے۔

اور حاشیہ ص۶ پر لکھتے ہیں۔

چنانچہ اسی سے بعض علماء اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

بتلائیے سرفراز صاحب کہ یہ اباحت اصلیہ ورود شرع سے پہلے ہے یا بعد؟ آنکھیں کھول کر غور و فکر سے اس عبارت کو پڑھیں۔ کہ عثمانی صاحب اس چیز کو اباحت اصلیہ میں شامل کر رہے ہیں جس کا شارع نے خصوصاً بیان نہیں کیا اور اس میں عمل کرنے والوں کو فعل و ترک میں آزاد لکھ رہے ہیں۔

اب آپ کی مرضی ہے کہ خود جاہل بنیں یا اپنے اکابر کو جاہل بنائیں ہم نے بہر حال مسئلہ کی تمام پہلوؤں سے تحقیق کر کے اسے واضح کر دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے (آمین)

سرفراز صاحب نے اس موضوع پر تلبیس کی تیسری جسارت ص۲۱۱ پر کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ "ثالثاً مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ کہنا کہ وہی چیزیں حرام ہیں جن پر دلیل حرمت قائم ہو۔ بجا ہے۔ مگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن امور کی اباحت کا دعویٰ کیا جائیگا۔ ان کی اباحت پر بھی دلیل شرعی درکار ہے نرے لفظوں کی شعبدہ بازی سے اباحت بھی ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی ہے ورود شرع کے بعد مباح کے بارے میں یہ نظریہ اور خیال رکھنا

کہ وہ بلا کسی شرعی دلیل کے خود بخود ثابت ہو جاتا ہے اور اباحت اصلیہ اس کیلئے سہارا اور ٹیک ہے۔ نری خام خیالی اور شیخ چلی کا پلاؤ ہے علماء اسلام نے اس کی تصریح کی ہے۔ کہ مباح کے اثبات کیلئے بھی دلیل شرعی درکار ہے۔ چنانچہ مشہور اصولی ملا محب اللہ بہاری الحنفی لکھتے ہیں۔

الاباحة حکم شرعی لانه خطاب الشرع تخییرا (مسلم الثبوت ص۲۵)

اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ اباحت شرع کا خطاب ہے جس کے کرنے نہ کرنے کا حکم دیا ہے

سرفراز صاحب کی خیانت

مسلم الثبوت ص۲۵ کی جو عبارت سرفراز صاحب نے پیش کی ہے

اس کے بعد متصلا جو عبارت تھی۔ اس کو سرفراز صاحب صاف ہضم کر گئے کیونکہ اگر اس عبارت کو پیش کر دیتے تو ساری دیوبندیت پیوند زمین ہو جاتی اور اہل سنت کو سب وشتم کرنے کا کوئی جواز باقی نہ رہتا۔ اب ہم مسلم الثبوت کی پوری عبارت کو قارئین کی عدالت میں پیش کئے دیتے ہیں

الاباحة حکم شرعی لانهٗ خطاب الشرع تخییرا والاباحة الاصلیة نوع منه لان کل ماعدم فیه المدرك الشرعی للحرج فی فعله و ترکه فذلك مدرك شرعی لحکم الشارع بالتخییر فهی لاتکون الا بعد الشرع خلافا لبعض المعتزلة

اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ یہ شرع کا تخییری خطاب ہے اور اباحت اصلیہ اس خطاب ہی کی ایک قسم ہے اس لئے کہ وہ ہر چیز جس میں فعل یا ترک پر حرج کی دلیل شرعی نہ پائی جائے پس اس کا عدم وجدان ہی شارع کے حکم اباحت پر دلیل شرعی ہے پس اباحت اصلیہ کا یہ حکم ثابت نہیں ہوگا۔ مگر ورود شرع کے بعد بخلاف بعض معتزلہ کے

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ محب اللہ بہاری کی عبارت کا سرقہ کر کے مولوی سرفراز صاحب نے اپنی جان پر کس قدر ظلم کیا ہے۔ محب اللہ

بہاری کی عبارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مباح کیلئے علیحدہ دلیل کی ضرورت نہیں۔ محرم وغیرہ کا نہ پایا جانا ہی اس کی اباحت کی دلیل شرعی ہے۔ اور سرفراز صاحب اس عبارت میں نقب لگا کر یہ ثابت کر رہے ہیں۔ کہ مباح کیلئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر اسے بنیاد قرار دیکر اہل حق پر سب و شتم کرتے ہیں ؎

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

آگے چل کر ص ۴۱۳ پر لکھتے ہیں۔ رابعاً گیارہویں میلاد تیجہ اور ساتواں کے بارے میں باحوالہ بحث پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ انتھی کلامہ

الجواب۔ آپ کی عرض پر ہمارا قلم بہت کچھ کر چکا ہے۔ اب یہ ضد جانے بھی دیجئے۔ پھر لکھتے ہیں۔

اگر خیر القرون میں یہ امور ہوئے ہیں۔ تو صحیح اور صریح حوالہ درکار ہے۔ چشم ماروشن دل ماشاد۔ انتھی کلامہ۔

صحیح اور صریح حوالے کے بارے میں ہم اس کتاب میں ومما رزقنھم ینفقون کے تحت کافی گفتگو کر چکے ہیں۔ اب آپ نہیں مانتے تو مزید سنئے کہ ہم ان امور کو مباح قرار دیتے ہیں۔ اور گذشتہ سطور میں ثابت کر چکے ہیں کہ مباح کیلئے مستقل دلیل کی ضرورت نہیں۔ محرم وغیرہ کا نہ پایا جانا ہی اس کی اباحت کی شرعی دلیل ہے۔ اور آپ جو ان امور کو حرام کہتے ہیں تو حرمت تو بغیر دلیل شرعی کے ثابت نہیں ہوتی۔ صحیح اور صریح حوالہ درکار ہے۔ کہ خیر القرون میں ان امور کو حرام قرار دیا گیا ہو اور آپ کی تو خیر حیثیت ہی کیا ہے۔ آپ کے جغادری قسم کے احبار بھی ان امور مخصوصہ کی حرمت پر دلیل شرعی نہ لا سکے اور نہ انشاء اللہ تا قیامت

لاسکیں گے۔ تو پھر یہ فرمائیے کہ آپ نے ان امور کو بغیر دلیل شرعی کے حرام کر کے خدا رسول کے منصب پر کیسے غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ بلکہ خدا رسول کے حلال کردہ کو حرام قرار دے کر گویا خدا رسول سے بھی بڑھ گئے آگے لکھتے ہیں۔ ان بدعات کو مباح قرار دینا اور قرآن کریم کی آیات سے ان کو کشید کرنا نہ صرف یہ کہ گمراہی اور گناہ ہے۔ بلکہ تحریف ہے۔ اللہ تعالٰے بچائے۔ انتھٰی کلامہ۔

بیشک اللہ تعالیٰ جھوٹوں سے بچائے۔ تحریف کون کرتا ہے۔ یہ بات اَن گنت مرتبہ قارئین پر واضح ہو چکی ہے۔ غیر مقلد دینی لحاظ سے آپ کے چچا ہوتے ہیں اور انہوں نے بھی آپ کو رئیس المحرفین کا لقب دیا ہے۔ اب جبکہ آپ کا کنبہ ہی آپ کو محرف چھوڑ رئیس المحرفین کا لقب دے چکا ہے۔ تو آپ اپنی اس جائداد کو اس طرح بے قدری سے نہ لٹائیں۔ بزرگوں کے عطیات کی قدر کیا کرتے ہیں۔ انہیں اس طرح پامال نہیں کرتے۔ بھلا ہم تحریف کیا کریں گے۔ ہم تو ائمہ اور سلف کے تابع اور مقلد ہیں۔ ہم نے تو اپنے آپ کو شریعت کے ایک ایک لفظ کا پابند بنا لیا ہے۔ یہ تو آپ کا اور آپ کے آباء کا حصہ ہے۔ مطمئن رہیں۔ ہماری طرف سے آپ کی حق تلفی کبھی نہیں ہو گی۔ انشاء اللہ۔

اباحت اصلیہ کی تردید پر عقلی ڈھکوسلے اور انکے جوابات

راہِ سنت ص ۱۰۴ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔ "فرض کیجئے کہ کوئی بدعت پسند پانچ نمازوں کے علاوہ ایک چھٹی نماز ایجاد کرے اور اسکی ہر رکعت میں دو دو رکوع اور چار چار سجدے ایجاد کرے۔ تو کیا اس اباحت اصلیہ کے قانون سے

اس لو ایجاد نماز کو بھی جائز کہا جائے گا؟ انتھی کلامہ۔

سرفراز صاحب کی جہالت اور بے خبری حیرت انگیز ہے۔ مرارا کثیرہ بیان کر دیا گیا۔ کہ اباحت اصلیہ سے اس جزئیہ کی اباحت پر استدلال ہوگا جس کی حلت یا حرمت دوسرے دلائل سے ثابت نہ ہو چھٹی نماز کو اباحت اصلیہ کی مد میں لانا نری شعبدہ بازی اور مغالطہ آفرینی ہے اولاً اس لئے کہ اسم عدد لفظ خاص ہے۔ اور لفظ خاص اپنے مفہوم میں قطعی ہوتا ہے۔ نہ اس سے کم جائز نہ زیادہ۔ لہٰذا جب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں۔ تو صرف چار نمازوں کو فرض سمجھنا جس طرح باطل ہے۔ اسی طرح چھٹی نماز کو فرض سمجھنا بھی باطل ہوگا۔ ورنہ عدد خاص کی خصوصیت باطل ہو جائیگی۔ ثانیاً اباحت اصلیہ سے اگر کچھ ثابت ہوگا تو مباح ثابت ہوگا فرض کیسے ثابت ہو جائیگا۔ کیا یہ حماقت خیزی کی انتہا نہیں ہے کہ آپ اباحت اصلیہ سے چھٹی نماز کی فرضیت ثابت کر کے معارضہ کر رہے ہیں۔ ثالثاً اگر چھٹی نماز سے مراد مباح ہے۔ یعنی کوئی اباحت کے درجہ میں چھٹی نماز پڑھے تو گذارش ہے کہ چھٹی تو اپنی جگہ پر ہے۔ کوئی نفلی طور پر چھ سو نمازیں بھی پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ باقی آپ نے نماز میں دو دو رکوع اور چار چار سجدہ کو جو اباحت کی مد میں شامل کیا ہے تو یہ بھی محض جہالت ہے۔ سرفراز صاحب اباحت اصلیہ سے استدلال اس جزئیہ پر کیا جائیگا۔ جہاں شارع کا کوئی مخصوص حکم نہ ہو نماز کی مخصوص ہیئت پر تو شارع کے منصوص احکام موجود ہیں۔ جن میں کسی ترمیم اور تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ نماز خواہ نفلی ہو یا واجب اس کے اجزاء ترکیبی اور ہیئت کو شارع نے معین فرما دیا ہے لہٰذا جو نماز بھی ہوگی وہ اپنے طریقہ پر ہوگی۔ آپ آخر اس قدر بوکھلا کیوں گئے ہیں اور قیامت سے پہلے ہی اپنے اوپر منظر قیامت کیوں طاری کر لیا۔

سرفراز صاحب کو یہ بھی شکوہ ہے کہ اباحت اصلیہ جب مدرک شرعی نہ ہونے سے ثابت ہوتی ہے تو اباحت اصلیہ پر آیات و احادیث سے استدلال کیوں کیا جاتا ہے یہ آیات و احادیث مدرک شرعی نہیں ہیں؟ یہاں پر بھی آپنے حسب عادت جھک ماری ہے۔ سرفراز صاحب اباحت اصلیہ کے قاعدہ کلیہ کا حجت ہونا ایک اور امر ہے اور اس اباحت سے کسی مخصوص جزئیہ پر استدلال کرنا امر آخر ہے آیات و احادیث سے اباحت اصلیہ کے قاعدہ کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ اور اس قاعدہ سے اباحت وہیں ثابت ہوگی۔ جہاں مدرک شرعی نہ ہو۔

مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت کا جواب

سرفراز صاحب اباحت اصلیہ پر ایک اعتراض کرتے ہوئے باب جنت ص۱۰۵ پر لکھتے ہیں۔

یہی ارشاد فرمائیے کہ حضرت امام ابو حنیفہ دریا کے کس جانور کو حلال اور کس جانور کو حرام فرماتے ہیں؟ مفتی صاحب' احناف تو خیر احناف ہیں دیگر مسالک کے علمائ کو بھی یہ امر مسلم ہے۔ چنانچہ حضرت امام نووی ابوزکریا یحیٰی بن شرف الشافعی المتوفی سنہ ۶۷۶ھ۔ فرماتے ہیں۔

وقال ابو حنیفة لا یحل غیر السمك (نووی جلد ۲ ص۱۴۸ شرح مسلم) — امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے بغیر کوئی دریائی جانور حلال نہیں ہے۔

مفتی صاحب ہی فرمائیں کہ کیا دریائی جانور تمام اشیاء اور چیزوں کی فہرست میں داخل نہیں ہیں؟ یا یہ قاعدہ ہی امام موصوف کو معلوم نہیں۔ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ انتھی کلامہ۔

سرفراز صاحب کا یہ لغو اعتراض کئی وجہ سے مردود ہے۔ اولاً اس لئے کہ امام موصوف نے ان دریائی جانوروں کو کس دلیل سے حرام کیا ہے

سوال یہ ہے کہ ان اشیاء کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی ہے یا نہیں، اگر انکی حرمت پر کوئی دلیل شرعی موجود ہے تو ان کا اباحت اصلیہ سے کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ جن چیزوں پر حلت یا حرمت وغیرہ کا شرعی حکم نہ ہو وہ اباحت اصلیہ کے تحت آتی ہیں۔ نہ کہ وہ جن کی حرمت پر دلیل شرعی موجود ہو اور اگر ان کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ تو امام موصوف نے بغیر کسی دلیل شرعی کے ان دریائی جانوروں کو کیسے حرام کر دیا؟ کیا حرمت اصلیہ سے؟ لیکن وہ تو آپ کے نزدیک ورود شرع سے پہلے ہے۔ ثانیاً دریائی جانوروں میں امام صاحب کا مذہب معلوم کرنے کے لئے آپ کو کوئی حنفی کتاب نہیں ملی تھی۔ جو آپ نے اس مسئلہ کو کتب شافعیہ میں دیکھا ہے۔ ثالثاً آیئے اب ہم آپ کو احناف کی کتب سے اس مسئلہ پر مطلع کرتے ہیں۔

دیکھئے ہدایہ جلد ۴ ص ۴۳۰ پر ہے۔

ولنا قوله تعالیٰ ویحرم علیهم الخبائث وما سوا السمك خبیث ونهی رسول الله علیه السّلام عن دواء یتخذ فیه الضفدع

مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت پر احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نبی علیہ السلام اشیائے خبیثہ کو حرام کرتے ہیں اور مچھلی کے سوا باقی جانور خبیث ہیں پس وہ بھی حرام قرار پائے اور اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضور نے اس دوا کھانے سے منع فرمایا، جو مینڈک سے بنائی جاتی ہے۔

کاش سرفراز صاحب آپ مکتبہ فکر بریلی کے کسی طالب سے ہی ہدایہ پڑھ لیتے۔ تو یہ رسوائی آپ کا مقدر نہ بنتی۔ مذکورہ عبارت سے واضح ہو گیا کہ مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت پر دلیل شرعی موجود

اور جس کی حرمت پر دلیل شرعی موجود ہو ۔ اسکو اباحت اصلیہ کا فرد بنا کر اس کی حرمت سے اباحت پر اعتراض کرنا پرلے درجے کی جہالت ہے ۔

بحمداللہ تعالیٰ ہم نے اباحت اصلیہ کے مسئلہ پر تنقید متین ۔ راہ سنت ۔ اور باب جنت سے چن چن کر سرفراز صاحب کے شبہات کا ازالہ کر دیا ہے ۔ کاش انہیں بھی ہدایت نصیب ہو !

تصرف فی الکون

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ۔ اس آیت کے ترجمہ میں اعلحضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ اور اس کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل سید مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا۔ حضرت مترجم قدس سرہ العزیز نے فرمایا بھلائی جمع کرنا اور برائی نہ پہنچنا اسی کے اختیار میں ہو جو ذاتی قدرت رکھے۔ اور ذاتی قدرت وہی رکھے گا جس کا علم بھی ذاتی ہو کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہے۔ اسکے تمام صفات ذاتی تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھے غیب کا علم ذاتی ہوتا تو قدرت بھی ذاتی ہوتی لہذا میں بھلائی جمع کرلیتا اور برائی نہ پہنچنے دیتا۔ بھلائی سے مراد راحتیں اور کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ ہے۔ اور برائیوں سے تنگی تکلیف اور دشمنوں کا غالب آنا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھلائی سے مراد سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کرلینا ہو۔ اور برائی سے بدبخت لوگوں کا باوجود دعوت کے محروم رہ جانا۔ تو حاصل کلام یہ ہوگا کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا۔ تو اے منافقین و کافرین تمہیں سب کو مومن کر ڈالتا۔ اور تمہاری کفری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی انتھی۔

حضرت صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ کی اس تفسیر میں منصف مزاج حضرات کی ہدایت کا وافر سامان موجود ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ اوپر تحریر فرمایا ہے۔ وہ تمام معتبر تفاسیر کے مطابق ہے لا اعلم الغیب کے تحت

سابقہ اوراق میں ہم اس کی تائید میں مفسرین کی شہادت پیش کر چکے ہیں البتہ مبتدعین دیوبند جن کے مذہب کی بنیادی عناد رسول ہے۔ انہیں یہ تفسیر راس نہیں کھاتی۔ صدر الافاضل نے یہاں قدرت ذاتیہ کی نفی کی ہے۔ اس پر سرفراز صاحب کو اعتراض ہے کہ ذاتی قدرت تو ویسے بھی منتفی ہے بس اس آیت میں عطائی قدرت کی نفی کی گئی ہے یعنی گکھڑ والوں کے نزدیک رسول ایسا بے بس اور مجبور ہے جو کسی امر پر نہ ذاتی قدرت رکھتا ہے نہ عطائی چنانچہ انہوں نے رسول اللہ کی بے بسی ثابت کرنے کیلئے اپنی پوری قدرت صرف کی ہے۔ اور اللہ کے نبی کے اختیار کو رد کرنے کیلئے تمام زور قلم خرچ کر دیا ہے۔ ص ۲۱۵ پر لکھتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دوسروں کے بارے میں نفع و ضرر کا اختیار حاصل تھا۔ اور نہ خود اپنی ذات بابرکات کیلئے جن میں ایک دلیل قل لا املك لنفسي الآیۃ ہے۔ تو اس سے گلو خلاصی کیلئے خان صاحب بریلوی اور ان کے شاگرد رشید مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ طریقہ اختراع اور اختیار کیا ہے کہ آیت کا معنی یوں کر ڈالے کہ میں از خود اختیار نہیں رکھتا اور میں ذاتی قدرت نہیں رکھتا۔ لہذا لفظ از خود اور ذاتی کی قید اپنی طرف سے لگا کر آیت کے قطعی معنی کے جواب سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہیں۔

سرفراز صاحب اپنے ضابطہ کی نظر میں

سرفراز صاحب نے ص ۲۳۳ پر قرآن کریم کے معنی متعین کرنے کا ایک ضابطہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

" اگر انصاف خدا خوفی اور دیانت کے ساتھ اس بات پر غور کر لیا جائے

کہ آخر یہی قرآن و حدیث حضرات صحابہ کرام۔ تابعین عظام اور ائمہ دین و بزرگان صالحین کے سامنے بھی تھے۔ ان کا جو مطلب و معنی اور جو تفسیر و مراد انہوں نے سمجھی وہی حق اور صواب ہے۔ باقی سب غلط و باطل ہے پس عوام کا یہ کام ہے کہ ہر باطل پرست اور خواہش زدہ سے سوال کریں کہ فلاں آیت اور فلاں حدیث کی جو مراد تم بیان کر رہے ہو۔ آیا یہ سلف صالحین سے ثابت ہے۔ اگر ہے تو صحیح اور صریح حوالہ بتاؤ چشم ما روشن دل ما شاد۔ ورنہ یہ مراد جو تم بیان کر رہے ہو۔ اس قابل ہے کہ اسے تم اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں۔ انتہی کلامہ۔

تنقید متین کے صفحات میں جو سرفراز صاحب نے قرآن کریم کی من مانی تفسیر کی ہیں اور جس طرح انہوں نے آیات کو اپنی ہوائے نفسانی کا تابع بنانے کی سعی مذموم ہے، کہ وہ ہم ناظرین پر واضح کر چکے ہیں۔ مثلاً سرفراز صاحب نے اس کتاب میں ایاك نستعین کی تفسیر میں یہ سمجھانا چاہا ہے۔ کہ ذاتی اور عطائی ہر قسم کی استعانت اللہ تعالےٰ کے ساتھ مختص ہے غیر المغضوب کے تحت لکھا ہے کہ ض کو ظا کے مخرج سے پڑھنا اہل حق کا طریقہ ہے و مما رزقناھم ینفقون کے تحت لکھا ہے کہ گیارہویں وغیرہ کرنا جائز نہیں۔ ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیك کی امکان کذب کے ساتھ تفسیر کی ہے لا اعلم الغیب کو غیب عطائی کی نفی پر محمول کیا ہے اور قل لا املك لنفسی نفعا کی تفسیر عطائی قدرت کی نفی کے ساتھ کی ہے۔ کیا ان تمام تفسیروں میں سلف نے آپ کا ساتھ دیا ہے۔ پس اب ہم سرفراز صاحب کے بیان کردہ قاعدہ اور ان کی اجازت سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ آیاتِ قرآنیہ کی جو تفسیر اور مراد آپ نے تنقید متین میں

بیان کی ہے۔ اور اس پر آپ سلف صالحین کی تفاسیر سے کوئی ایک شہادت بھی نہیں پیش کر سکے۔ تو پھر کیا آپ کی یہ تفسیر بلکہ پوری کتاب اس قابل نہیں ہے۔ کہ اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں۔

بخلاف اس کے ہم نے اپنی کتاب میں آیات قرآنیہ کے تحت جو کچھ بیان کیا۔ اسے احادیث اقوال سلف اور تفاسیر سے مزین کر دیا ہے بلکہ دیوبند کے اکابر علماء کے اقوال پیش کر کے اسکات خصم کیلئے کافی مواد مہیا کر دیا ہے۔ اور اب متلاشیان حق کے لئے یہ امر کوئی مشکل نہیں رہا کہ حق کس جماعت کے ساتھ ہے۔

قدرت ذاتیہ کی نفی پر دلائل

بہر حال سرفراز صاحب قل لا املك لنفسي نفعا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہاں قدرت ذاتیہ کی نفی نہیں ہے۔ اور یہ ان کا خود ساختہ اور مزعوم ادعا ہے۔ جس پر وہ کسی تفسیر کو پیش نہیں کر سکتے۔ اور بحمد اللہ ہم اس امور مفسرین کی شہادت پیش کریں گے۔ کہ اس آیت میں ذاتی اور مستقل قدرت ہی کی نفی مراد ہے۔

پس اولاً ملاحظہ فرمایئے۔ امام رازی اس آیت کے تحت ص ٣٣١ ج ٤ پر فرماتے ہیں۔

والقدرة الكاملة والعلم المحيط ليس الا لله تعالى

قدرت کاملہ اور علم محیط نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے لئے۔

اور اہل فہم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ قدرۃ کاملہ وہی ہے جس میں کسی وجہ سے نقص راہ نہ پا سکے۔ یعنی جو قدرت قدیم ہو۔ ممتنع الزوال ہو مستقل ہو۔ اور اسی کو قدرت ذاتیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور علم محیط وہ علم ہے۔ جو معلومات غیر

متناہیہ کو شامل ہو۔ قدیم ہو، مستقل ہو۔ اور اس کو علم ذاتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس ظاہر ہو گیا جس طرح صدر الافاضل نے اس آیت کو علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ کی نفی پر محمول کیا ہے۔ امام رازی بھی اپنی تحقیق سے اسی امر پر پہنچے ہیں۔ اور اس کی مزید وضاحت انہوں نے لا اعلم الغیب کے تحت کی ہے۔ جس کو ہم اس بحث میں پیش کر چکے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ احادیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نفع کا اسناد ثابت ہے۔ دیکھئے مسلم علی صدر الفتح الملہم ص ۳۷۵ ج ۱ پر ہے۔

عن العباس بن عبد المطلب انه قال یا رسول الله صلی الله علیه وسلم هل نفعت ابا طالب بشیء فانه کان یحوطك ویغضب لك قال رسول الله صلی الله علیه وسلم نعم هو فی ضحضاح من نار ولولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار۔

عباس بن عبد المطلب سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول کیا آپ نے ابو طالب کو کچھ نفع دیا۔ وہ آپ کی رعایت کرتے تھے آپ کیلئے غضبناک ہوتے تھے۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں میں نے اسے نفع دیا ہے، اب اس کی صرف ایڑیاں آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے آخری طبقہ میں ہوتا۔

اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ حضور نے ابو طالب کو نفع دیا۔ یہ ذاتی ہے یا عطائی۔ شق اول خود شرک ہے اور شق ثانی پر آپ کی کلی ٹوٹ گئی۔

ثالثاً یہ کہ مشکوۃ شریف ص ۲۲۸ پر ہے۔

عن عابس بن ربیعة قال رأیت عمر یقبل الحجر ویقول انی لاعلم انك حجر ما تنفع ولا تضر الحدیث

عابس بن ربیعہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ میں

جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اور نہ نفع دیتا ہے اور نقصان۔ یعنی وہ پتھر کسی کو ذاتی طور پر نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

ملا علی قاری لا تضر کے تحت فرماتے ہیں۔ ای فی الذات ص۳۲۵ ج ۵۔

اعلیحضرت یا صدر الافاضل اگر حضور کے نفع و ضرر کے حکم پر ذاتی کی نفی کرکے اس کیلئے عطائی نفع ثابت کریں تو آپ بگڑ جاتے ہیں اور ملا علی قاری اس عبارت میں پتھر کیلئے عطائی نفع ثابت کرتے ہیں انھیں آپ بے جان پتھر کیلئے نفع مان سکتے ہیں اور کائنات کے محسن اعظم کیلئے یہ فضیلت بھی آپ کی نگاہوں میں کھٹکتی ہے۔

رابعا۔ مولوی سرفراز صاحب کے شبیر احمد عثمانی دیوبند کے شیخ الاسلام اپنی تفسیر کے ص۲۳ پر لکھتے ہیں۔

"اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں ہو نہ اپنے اندر اختیار مستقل رکھتا ہے۔ نہ علم محیط۔ انتھی کلامہ

لیجئے۔ اب تو دیوبند کی شہادت سے بھی ثابت ہوگیا کہ یہاں اختیار مستقل یعنی قدرت ذاتیہ اور علم ذاتی کی نفی ہے۔ صدر الافاضل اگر قدرت ذاتیہ کی نفی کریں۔ تو آپ اسے اختراع تحریف چور دروازہ نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ اب اپنے عثمانی صاحب پر کیا فتوی لگائیے گا۔ مدینہ کے یہودیوں کی طرح کہ جو بات ان کے احبار و رہبان کہتے وہ سب حق و صواب ہوتی۔ اور اگر وہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ تو سر دھڑ کی بازی لگا کر اس کی تکذیب کرتے۔ آپ نے بھی یہی شعار بنا رکھا ہے۔ کہ جو بات آپ کے احبار و رہبان کہیں۔ وہ سب دین و ایمان اور جب وہی بات علماء اہل سنت کہیں۔ تو آپ کو اس میں شرک و بدعت کا چور دروازہ نظر آجاتا ہے آپ ہی سوچیں کہ آپکی اس روش سے لوگوں پر کیا اثر پڑیگا۔

خاکسار یجیئے۔ اب ہم خود سرفراز صاحب کے کلام سے منوائے دیتے ہیں کہ حضورؐ کو عطائی قدرت واختیار حاصل تھا۔ صؔ ۴۱۷ پر لکھتے ہیں۔

" الغرض جو افعال بندے کے اختیار اور کسب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں اس کو جو قدرت اور طاقت حاصل ہو۔ وہی بس ہوتی ہے۔ انتھیٰ۔

اب یہ تو بہر حال آپ نے مان لیا کہ نبی کو قدرت اور اختیار حاصل ہے۔ اور اس قدرت کا ذاتی ہونا تو بداہتہ باطل ہے۔ پس متعین ہوگیا۔ کہ یہ قدرت عطائی ہے۔ اور جب حضور کے لئے قدرت عطائی ثابت ہوگئی۔ تو آیت میں جس قدرت کی نفی کی گئی ہے۔ اس کو لامحالہ ذاتی پر محمول کرنا پڑیگا۔ بات تو بالکل واضح ہے۔ البتہ ہٹ دھرمی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں

سرفراز صاحب کے شبہات اور ان کے جوابات

صؔ ۲۱۶ پر لکھتے ہیں۔ کیا حضرات صحابہ کرام اور سلف صالحین کی قدرت ذاتی تھی یا عطائی۔ اگر ذاتی تھی تو کس دلیل سے اور اگر عطائی تھی تو انہوں نے بھلائی کیسے جمع کر لی اور برائی سے کیونکر بچ گئے۔ انتھیٰ کلامہ

الجواب۔ صحابہ کرام کی قدرت عطا کردہ تھی اور انہوں نے جو کچھ نفع حاصل کیا۔ ضرر سے بچے وہ سب اسی عطائی قدرت کا ثمرہ تھا۔ یہ کس نے کہا ہے کہ عطائی قدرت سے کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں عطائی قدرت سے ذاتی طور پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بالکل واضح ہے اور یہی صدر الافاضل علیہ الرحمتہ کا مطلب ہے۔ اسی طرح صؔ ۲۱۷ پر لکھتے ہیں۔

آپ نے متعدد ازواج مطہرات سے اور خصوصاً حضرت عائشہ سے جو نکاح کیا ہے۔ اس میں بھی آپ کیلئے کوئی راحت تھی یا نہیں۔ اگر راحت

تھی تو جب آپ کو قدرت ذاتی نہ تھی یہ راحت کہاں سے آگئی۔ انتھی۔

اس کا جواب بھی ماسبق کی طرح واضح ہے کہ چونکہ قدرت ذاتی نہ تھی۔ اسلئے اس راحت کا حصول بھی بذاتہٖ نہ تھا۔ قدرت عطائی تھی اسلئے اس پر یہ ثمرات بھی عطائی طور پر مرتب ہوئے۔

ص ۲۱۵ پر لکھتے ہیں۔ " اہل بدعت حضرات کا یہ فاسد خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکوینی اور تشریعی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ اسلئے آپ تمام جہان میں تصرف کرتے رزق تقسیم کرتے ہیں اور نفع و ضرر دینے کے مجاز ہیں۔ معاذ اللہ اور یہ بے بنیاد عقیدہ روح اسلام کے سراسر خلاف اور عیسائیت کی ہو بہو نقل و تقلید ہے۔ اور توحید پر کاری ضرب ہے۔ انتھی۔

اور پھر اس کے بعد ص ۲۱۸ پر لکھتے ہیں۔

" عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے اختیارات مرحمت ہوئے ہیں، کیا بریلوی حضرات کے نزدیک یہ نظریہ ٹھیک ہے۔ انتھی کلامہ

الجواب۔ سرفراز صاحب نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ خلاف واقعہ کہا ہے۔ اہلسنت علماء بریلی کا یہ ہرگز عقیدہ نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام اختیارات حضور کو دے کر معاذ اللہ معطل ہو بیٹھا ہے۔ ہمارا ایمان ہے۔ اس عالم آب و گل میں کوئی ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔ وہ فعال مطلق ہے اور اس پر کسی کا اجارہ نہیں اور نہ وہ کسی کی بات ماننے پر مجبور ہے۔ البتہ اس نے اپنے کمال فضل سے اپنے مقربین کو یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ اگر وہ اس سے دعا مانگیں تو وہ بے پناہ عنایت

سے اس کو ضرور مقبول فرماتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص۱۹۷ پر ہے ولئن سئلنی لاعطینه (اگر میرا مقرب بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور بضرور عطا کروں گا)

مشکوٰۃ شریف ص۴۳۶ پر ہے۔ لو اقسم علی اللہ لابرہ (اگر بندہ مقرب کسی کام کو کرنے کی اللہ کی قسم کھائے تو اسکی قسم کو ضرور پورا کریگا)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ لمعات میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔ معناہ لو سال اللہ شیئا و اقسم علیه ان یفعله لفعله ولم یخیب اس حدیث کا معنی یہ ہے۔ کہ اگر وہ اللہ سے سوال کرے اور قسم کھائے کہ اللہ تعالےٰ اس طرح کریگا، تو البتہ اللہ تعالےٰ ویسا ہی کریگا۔ اور اپنے بندے کو مایوس نہیں کرے گا۔

اور مشکوٰۃ ص۲۲ پر ہے۔ کل نبی یجاب (ہر نبی مستجب الدعوات ہوتا ہے) اور جب عام اولیاء و انبیاء کا خدا کی بارگاہ میں یہ مقام ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الانبیاء والمرسلین ہیں، ان کے مرتبہ کا کیا عالم ہوگا اور آپ جس کے حق میں دعاء فرمادیں وہ کیوں مقبول نہ ہوگی۔ پس اگر رزق یا اولاد کے حصول کیلئے نبی علیہ السلام سے عرض کی جائے کہ حضور آپ اللہ تعالےٰ سے دعاء فرمائیے۔ کہ اللہ تعالےٰ ہمیں رزق یا اولاد عطا فرمائے۔ تو یہ قطعاً جائز اور دلائل صحیحہ سے ثابت ہے۔ دیکھئے مشکوٰۃ شریف ص۵۲۵ پر ہے۔

عن ام سلیم انها قالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انس خادمك ادع اللہ له قال اللھم اکثر ماله وولده وبارك له فیما

ام سلیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ یارسول اللہ انس آپ کا خادم ہے آپ اللہ سے اس کیلئے دعا فرمائیے پس آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ انس کے مال اور اولاد میں برکت اھ

اعطیته قال انس فواللہ ان مالی لکثیر وان ولدی وولد ولدی یتعادون علی نحو المائة الیوم متفق علیہ

اور کثرت عطا فرمائے حضرت انس کہتے ہیں۔ خدا کی قسم کہ میرا مال بہت کثیر ہے اور میری اولاد کا عدد سو ہو چکا ہے

اس کے تحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ابن حجر کے حوالے ذکر کرتے ہیں۔

روی انہ قال دفنت من صلبی سوی ولد ولدی مائة وخمسة وعشرین ذکورا الا بنتین علی ما قیل وان ارضی یثمر فی السنة مرتین۔

روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ میری صلبی اولاد سے ایک سو تیس بیٹے اصہ و بیٹیاں پیدا ہوئیں اور میری زمین سال میں دو بار پھل لاتی ہے۔

اسناد مجازی

معتقدین دیوبند کو اس مقام پر یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ جب دیتا حقیقت میں اللہ ہی ہے اور انبیاء و اولیاء کا کام دعا کرنا ہے اور وہ محض واسطہ ہوتے ہیں۔ تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے۔ کہ غوث پاک نے بیٹا دیا۔ اور حضرت علی مشکل کشا کیسے ہو گئے اور پھر حضور کو حاجت روا یا مددگار کیوں کہا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کا جواب انہیں بارہا دیا جا چکا ہے۔ کہ یہ سب اسناد مجازی کے قبیل سے ہیں کاش انہوں نے تلخیص المفتاح پڑھ لی ہوتی۔ تو ان کی سمجھ میں آجاتا۔ کہ اسناد الی السبب اسناد مجازی کی ایک قسم ہے۔ مختصر معانی ص ۸۹ پر ہے۔ و بنی الامیر مدینة فی السبب۔ یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ امیر نے شہر بنایا حالانکہ یہ کام تو امیر کے ملازم کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہی ہے۔ چونکہ امیر کے حکم سے شہر بنایا گیا۔ پس وہ بناء شہر میں سبب قرار پایا۔ اور اسکی طرف اسناد کر کے مجازاً کما بنی الامیر مدینة امیر نے شہر بنایا۔ اسی طرح سے چونکہ

انبیاء اولیاء کی دعاء سے اللہ تعالیٰ رزق یا اولاد عطا فرماتا ہے۔ اور وہ اس عطا میں سبب قرار پاتے ہیں۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ انبیاء یا اولیاء نے رزق یا اولاد دی۔ اور اسناد مجازی خود قرآن کریم سے ثابت ہے سورۂ توبہ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وما نقموا الا ان اغناهم الله ورسوله من فضله۔ اور ان منافقین کو نہ بُرا لگا۔ مگر یہ کہ مومنین کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ اس آیۂ کریمہ میں غنی کرنے کا اسناد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کیا گیا ہے۔ حالانکہ اغناء اللہ تعالےٰ کی صفت ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ یہ اسناد مجازی ہے۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الزکوٰۃ۔ فصل اول میں ہے۔

ما ینقم ابن جمیل الا انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ تعالیٰ ورسولہٗ

ابن جمیل کو بُرا نہ لگا مگر یہ کہ وہ فقیر تھا پس اللہ اور اس کے رسول نے اسے غنی کر دیا۔

اس کے تحت شیخ محقق اشعۃ اللمعات ص ج ۲ پر فرماتے ہیں۔

وغنا بحقیقت از خدا است و ذکر رسول بجہت آنست کہ وے صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ است در افاضت خیرات و وصول نعمات از جناب حق۔

غناء حقیقت میں اللہ تعالےٰ کی صفت ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس وجہ سے ہے۔ آپ اللہ کی طرف سے تمام نعمتوں اور خیرات کے پہنچنے میں واسطہ ہیں

اسی طرح سورۂ مریم میں ہے۔ لاھب لک غلاما زکیا۔ فرشتہ نے حضرت مریم سے کہا: تاکہ میں تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ اور لڑکا دینا اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا خاصہ ہے۔ مگر اس آیۂ کریمہ میں اس کا اسناد فرشتہ

کی طرف کیا گیا ہے۔ پس اسناد مجازی پر یہ قرآن کریم کی دوسری شہادت ہے مزید تفصیل اور توضیح کیلئے مختصر معانی مطول اور دیگر کتب بلاغت کیطرف رجوع فرمائیں۔

مبتدعین دیوبند کا ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ اسناد مجازی ایک علمی اصطلاح ہے۔ عوام اس پر مطلع نہیں ہیں۔ اسلئے عوام کا یہ کہنا کہ غوث پاک نے بیٹا دیا۔ بہر صورت شرک ہے۔ یہ ایک خوبصورت مغالطہ ہے۔ عوام اسناد مجازی کے مفہوم سے واقف ہیں۔ اگرچہ اسکی تعبیر اور اصطلاح پر مطلع نہیں ہیں۔ مثلاً سب جانتے ہیں کہ عوام اپنے عرف میں کہتے ہیں۔ کہ تاج محل شاہجہاں نے بنایا ہے حالانکہ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ شاہجہان تو اس کی بنار کا سبب تھا حقیقت میں تو یہ مزدوروں نے بنایا تھا۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ حضور غوث پاک نے بیٹا دیا۔ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اولاد غوث پاک کی دعا سے یا ان کے توسل سے ملی اور دینے والا حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے پس اس مفہوم کو وہ اسناد مجازی کی اصطلاح سے تعبیر کرنے پر قادر نہیں مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی جڑ سے لیکر تنوں تک رسائی رکھتے ہیں۔

بحمد اللہ ہم نے قرآن وحدیث۔ شہادت سلف اور عوام کے عرف سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں سے سب کچھ مل سکتا ہے۔ اور مجازاً یہ کہنا صحیح ہے۔ کہ حضور نوازتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔

صفحہ ۲۱۹ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں "احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفوض نہ ہونے کی باحوالہ بحث ہم نے پہلے عرض کر دی ہے۔ پس احکام جن کی تبلیغ کے لئے اللہ تعالےٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے آپ کو مفوض نہیں تو نفع اور ضرر اور امور تکوینی کی تفویض اور عطا کہاں

سے منتہی کلامہ۔

احکام کی تفویض کا کیا مطلب ہے۔ اس کو ہم سابقہ اوراق میں مدلل بیان کر چکے ہیں اور رہا امورِ تکوینیہ میں تصرف تو وہ اللہ کی عطا سے آپ کی اُمت کے اولیاء کو بھی حاصل ہے۔ آپ کا مقام تو بہت اعلیٰ وارفع ہے چنانچہ ابن عابدین شامی ردالمحتار ص ۴۲ ج ۱ پر سیدی محمد شاذلی کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

ومنہم ختم دائرۃ الولایۃ قطب الوجود سیدی محمد الشاذلی البکری الشہیر بالحنفی الفقیہ الواعظ۔ احد من صرفہ اللہ تعالیٰ فی الکون ومکنہ من الاحوال ونطق بالمغیبات وخرق لہ العوائد وقلب لہ الاعیان

اور اولیاء حنفیہ میں سے دائرہ ولایت کے خاتم سیدی محمد شاذلی بکری حنفی ہیں۔ اور یہ ان اولیاء میں سے ایک ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے امور تکوینیہ میں تصرف عطا کیا تھا۔ اور انہیں حالات پر قابو دے دیا تھا انہوں نے غیب کی خبریں دیں۔ اور بے شمار امور خارقہ للعادات انکے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔

اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات ص ۱۱۶ ج ۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔ " واولیاء را کرامات وتصرف در اکوان حاصل است۔ اولیاء اللہ کو کرامات اور امور تکوینیہ میں تصرف حاصل ہوتا ہے۔"

اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ بعض امور میں انبیاء اولیاء عطاء ایزدی سے خود تصرف کرتے ہیں۔ جیسا کہ بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جس میں سے بعض کو ہم نے ایاک نستعین کی بحث میں ذکر کیا ہے اور بعض امور

میں فقط اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں۔ بہر حال ہر دو باتوں کو ہم مبرہن بیان کر چکے ہیں۔ ولکن الوھابیہ قوم لا یعقلون

ص ۲۱۹ پر سرفراز صاحب نے مزید لکھا ہے کہ۔

" اگر بھلائی سے بقول مولوی نعیم الدین صاحب سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مؤمن کرنا مراد ہو تو اس میں بھی ذاتی کی قید بالکل سینہ زوری ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عطائی نبوّت اور عطائی رسالت کی بدولت بھی باذن اللہ تعالےٰ بہت سے نافرمانوں کو فرمانبردار اور کافروں کو مومن اور سرکشوں کو مطیع بنایا۔ اگر مولوی نعیم الدین صاحب کی خانہ ساز منطق کا خیال ملحوظ رکھا جائے تو کسی کافر و مشرک کو کبھی ہدایت نہیں ہوتی۔ انتھیٰ کلامہ۔

الجواب۔ ذاتی کی قید بالکل بجا اور برمحل ہے۔ البتہ گکھڑ کی کم فہمی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔ غور فرمائیے کہ اگر عطائی قدرت کافروں کو مومن بنانے میں کافی ہوتی تو کیا وجہ تھی کہ آپ کی بسیار کوشش کے باوجود ابولہب اور ابوجہل نے اسلام قبول نہیں کیا، اور بے شمار کفار زمانہ نبوت میں آپکی سعی بسیار کے باوجود کفر کی حالت پر مر گئے۔ پس اگر بقول سرفراز صاحب عطائی قدرت کافی تھی۔ تو آخر یہ لوگ کیوں نہ ایمان لائے۔ پس اسکے سوا اور کوئی وجہ نہیں جس طرح حضرت صدر الافاضل نے فرمایا ہے۔ کہ جس کو چاہیں مسلمان بنادیں یہ اللہ تعالےٰ کی قدرت ذاتیہ سے ہی ممکن ہے۔ جس کی قدرت اور اختیار ذاتی ہو وہ جسے چاہے مشرف با اسلام کر سکتا ہے اور چونکہ یہ قدرت ذاتیہ اللہ تعالےٰ ہی کا خاصہ ہے اسلئے جن کو اللہ تعالےٰ نے چاہا۔ وہ اسلام لے آئے اور جن کا اسلام اللہ تعالےٰ کی مشیت میں نہ تھا، وہ کفر پر مر گئے۔ اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عطائی قدرت

واختیار کے مالک تھے۔ پس آپ کی تبلیغ کی وجہ سے جن لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے قبولیت عطا کی۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ اور جن کے دلوں میں اللہ نے یہ وصف پیدا نہ کیا وہ مسلمان نہ ہوئے۔ اگر اللہ کی طرح حضور بھی (معاذاللہ) ذاتی قدرت کے مالک ہوتے۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مسلمان بنا دیتا ہے۔ اسی طرح حضور کو بھی یہ وصف حاصل ہوتا۔ اور پھر یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کہ مکہ کا کوئی شخص اسلام لائے بغیر مر جاتا۔ کیونکہ آپ ان سب کے اسلام پر حریص تھے۔ اور ان سب کا اسلام لانا چاہتے تھے۔ جس پر آپ کی شب و روز کی تبلیغ شاہد ہے۔ چنانچہ صدر الافاضل علیہ الرحمتہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا۔ تو اے منافقین و کافرین تم سب کو مومن کر ڈالتا۔ انتہی کلامہ

پس ثابت ہوا کہ چونکہ آپ کی قدرت ذاتی نہ تھی۔ اس وجہ سے سب لوگ اسلام نہ لا سکے۔ جن کا اسلام اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ آپ کی عطائی قدرت سے مسلمان ہو گئے۔ اور یہی بات صدر الافاضل نے بھی تحریر فرمائی ہے جسے سمجھنے کے لئے سرفراز صاحب نے اس قدر ہنگامہ آرائی کی تھی اور اب بہر حال ہم نے انہیں سمجھا دیا۔ اللہ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ اور اسے ابناء بدعت کی ہدائیت کا سبب بنا دے (آمین)

حرفِ آخر

سرفراز صاحب نے کتاب کے آخر میں ص ۲۲۳ پر حقانیت کا یہ معیار مقرر کیا ہے۔ کہ قرآن و حدیث جو معنے سلف کی تفسیر کے مطابق ہو وہ مقبول ہے۔ ورنہ مردود ہے۔ ہمیں سرفراز صاحب کا یہ ضابطہ بسر و چشم منظور ہے۔ اور آپ نے ملاحظہ کر لیا ہو گا کہ ہم نے اپنی اس کتاب میں شروع سے آخر تک اس ضابطہ کو

برقرار رکھا ہے۔ قرآن کریم کی جس آیت سے استشہاد کیا ہے۔ اسے مفسرین کی تائیدات سے مزین کیا ہے۔ بلکہ فریق مخالف کے مسلم اکابر کے اقوال سے اتمام حجت کیا ہے۔ اس کے برخلاف آپ تنقید متین کو دیکھیں جس میں سرفراز صاحب نے آیاتِ الٰہیہ کو بازیچۂ اطفال بنایا ہے۔ اور اکثر مقامات پر من مانی تفسیر کی ہے۔ اور خانہ ساز تاویلوں سے قرآن کی اصل روح کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اب جویانِ حق کے لئے مشکل نہیں رہا کہ وہ سرفراز صاحب کے بیان کردہ ضابطہ پر ان کی کتاب اور اس پر ہمارے اس تبصرہ کو ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کرلیں۔ کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ اور باطل کی پرستش کون کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے۔ اور اس کے رسول کریم کی بے پناہ عنایت ہے جس کی وجہ سے ہمیں یہ توفیق حاصل ہوئی۔ کہ ہم نے اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر ایک اجمالی کلمہ تفویض قلم کیا۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز کا ترجمہ اور صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر وہ بحر زخار ہے جس کی عظمتوں کا اندازہ کرنے کے لئے بھی ایک عظیم علم کی ضرورت ہے۔ ورنہ جہل کی عینک سے دیکھنے والوں کا وہی حشر ہوتا ہے۔ جو تنقید متین میں سرفراز صاحب کا ہوا ہے۔ ہم نے اپنی اس کتاب میں سرفراز کا کوئی شبہ اور کوئی وسوسہ نہیں چھوڑا۔ مگر اس کا ازالہ کر دیا۔ اور ان کی مخترعہ بدعات اور خانہ ساز قواعد پر ایسے اشکالات قائم کئے ہیں۔ جو جان بحدیث پر قیامت تک کیلئے پہاڑ بن گئے ہیں۔ جن کے بوجھ سے وہ انشاء اللہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ بمطابق ملا آں باشد کہ چپ نہ شود۔ اس کے بعد بھی سرفراز صاحب سلسلہ خرافات شروع کر دیں۔ لیکن جہاں تک اصولی مباحث کا تعلق ہے۔ ہم نے دیوبندی بدعت کا کلیتہً خاتمہ کر دیا ہے۔ اور صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی

تفسیر اور اعلحضرت قدس سرہ العزیز کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے جہل یا عناد کی بنا پر جو کیچڑ اچھالی تھی۔ اسے ہم نے ان کے چہرے کی طرف واپس لوٹا دیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ ترجمہ و تفسیر اہلِ سنت کے عقائد کا صحیح اور مدلل ترجمان ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس کے فیض سے بہرہ مند فرمائے۔ اپنے حبیب اکرم کے صدقے سے اس سعی قلیل کو قبول فرما کر۔ مقبول عام بنائے۔ ہمیں اسلام پر زندہ رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین رب العٰلمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین وصل اللّٰہ تعالےٰ علےٰ حبیبہ محمد وعلےٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

طالب الدعاء ابوالوفا غلام رسول سعیدی غفرلہٗ۔
مدرس جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو۔ لاہور۔
گیارہ شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ